مرتب

ریاض احمد

اکرم آرکیڈ، ۲۹ ٹمپل روڈ (صفاں والا چوک) لاہور۔ پاکستان فون: ۷۲۳۸۰۱۳

ناشر	تخلیقات، لاہور
زیر نگرانی	لیاقت علی
سن اشاعت	1999ء
کمپوزنگ	آزاد کمپوزنگ سنٹر: 7597988
پرنٹرز	اُجالا پرنٹرز، لاہور
ٹائٹل	آغا نثار
قیمت	150 روپے

فہرست عنوانات

✪ ✪

دیباچہ

علیؓ ___ برادرِ نبی اکرم ﷺ، صحابیِ پیغمبر ﷺ، دامادِ مصطفیٰ ﷺ، خلیفہ نبی ﷺ، وصی نبی رحمت ﷺ، فاتح خیبر و بدر و حنین، امیر المومنین، بندگی خدا میں بزرگ، اتباعِ رسول میں یکتا، ہدایت و خدمتِ مخلوقِ خدا میں اعلیٰ ___ ایک شخصیت ہزار اوصاف زیرِ نظر کتاب جناب ولائت پناہ کے اوصافِ حمیدہ کے بارے میں عاشقانِ باصفا کی تحریروں کا مجموعہ ہے۔ جناب امیر المومنین کی شخصیت و کردار و سیرت کے بارے میں ایسے ایسے شہ پارے تحریر کیے گئے ہیں کہ ان میں سے کسی ایک کو اولیت دینا اور کسی دوسرے کے لیے درجہ ثانی کا تعین کرنا ممکن ہی نہیں۔ تاہم کوشش کی گئی ہے کہ منزلِ عشق کے ایسے مسافروں کی تحریروں کو یکجا کیا جائے جو مختلف راہوں کے بادہ پیما ہیں۔

"حُبِ علیؓ" کے ابتدائی مقالہ میں جناب پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری نہایت دل سوزی کے ساتھ علیؓ کے چاہنے والوں کو اپنے اپنے عقائد پر کاربند رہتے ہوئے، باہم اتحاد و اتفاق کی تلقین کرتے ہیں۔

ڈاکٹر طہٰ حسین کا شمار عالمی سطح کے دانشوروں میں ہوتا ہے۔ "حب علیؓ" میں شامل ڈاکٹر صاحب کی تحریر میں جناب علی مرتضیٰؓ کی زندگی، کردار و افکار اور دورِ خلافت کا جائزہ نہایت عمدگی کے ساتھ کیا گیا ہے۔

علامہ سید محمود العقاد (مصری) کا مضمون ہاشمی خاندان اور مکہ معظمہ میں آباد دیگر قبائل اور ان کی شاخوں کی ترتیب و نفسیات کا احاطہ کرتا ہے اور جناب شیرِ خدا کے اوصاف و سیرۃ، شجاعت و قوت اور آپ کو درپیش حالات کا آئینہ دار ہے۔ آپ کے اقوال و فرمودات کا جامع خلاصہ پیش کرتا ہے۔

ڈاکٹر علی شریعتی امتِ مسلمہ کے قد آور مفکر اور باا ثر صاحب قلم ہیں۔ آپ

کا مضمون مدح علی رضی اللہ عنہ میں یوں رواں ہوا ہے کہ آپ کی شخصیت کے ایسے گوشے سے روشناس کراگیا کہ جس کی جانب عام طور پر کم ہی توجہ دی گئی۔ ایک نابغہ روزگار ہستی کے دکھ اور اس میں پنہاں پیغام سے جس خوبی کے ساتھ متعارف کروایا گیا ہے وہ صرف ڈاکٹر علی شریعتی کے قلم گوہربار کو ہی ودیعت کی گئی ہے۔

حجتہ الاسلام عقیقی بخشائش کی تحریر ان صاحبان قلم کی تحریروں اور حوالوں سے مزین ہے جو کہ غیر مسلم ہیں۔ لیکن انصاف اور عقل کے ساتھ جب رتبہ علی رضی اللہ عنہ کی جانب نظر کرتے ہیں تو خود کو توصیف علی رضی اللہ عنہ پر مجبور پاتے ہیں۔ علامہ بخشائش کا مضمون آپ کو ان کی وسعت مطالعہ کا حصہ دار بنا دیتا ہے۔

ہرنام' ایک ہندو صاحب قلم' جناب مولا رضی اللہ عنہ کی سیرت و کردار اور عظیم الشان شخصیت کا اسیر نظر آتا ہے۔

ڈاکٹر علامہ اسرار احمد' محترم نذیر حق' علامہ سید ساجد علی نقوی ہمارے دور کے بڑے صاحبان قلم اور علماء ہیں۔ ان کے مضامین آپ کے قلب و روح کو معطر کریں گے۔ اس کے علاوہ مولانا سید علی نقی نقوی' علامہ سبط ابن جوزی' جناب محمد وصی خان' شوکت علی عابد اور ملا باقر علی صاحب کے رشحات قلم اس گلدستہ عقیدت میں مہک رہے ہیں۔

جناب علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں مختلف صاحبان قلم کی تحریروں کو اکٹھا کرنے کے عمل کو اس نظر سے دیکھا جانا چاہیے کہ مسلمانوں کو اتحاد و یگانگت کی جانب دعوت دی جا رہی ہے۔

آج کا ایجنڈا یہ نہیں کہ مسلمان "مقام علی رضی اللہ عنہ" پر باہم دست و گریباں رہیں' بلکہ وقت کا تقاضا تو یہ ہے کہ سیرت علی رضی اللہ عنہ سے روشنی حاصل کرتے ہوئے علم و صنعت میں کمال حاصل کرنے کی سعی کی جائے تاکہ پسماندگی سے امت مسلمہ نجات حاصل کر سکے اور کروڑہا انسانوں کے کندھوں سے استحصال کا بوجھ ہٹایا جا سکے۔

یہی "حب علی رضی اللہ عنہ" کا پیغام ہے۔

ریاض احمد
لاہور
جنوری 1999ء

پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری

حب علی رضی اللہ عنہ

نحمده و نصلی و نسلم علی رسوله الکریم - اما بعد- فاعوذ باالله من الشیطن الرجیم ○ بسم الله الرحمن الرحیم ○ فسئلوا اهل الذکر ان کنتم لاتعلمون ○ صدق الله مولنا العظیم ○

محترم و مکرمی حضرات العلماء و حضرات الشعراء و معزز سامعین و حاضرین! اللہ رب العزت کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے آج ایک محدود پیمانے پر ہی سہی لیکن بہرحال امت مصطفوی ﷺ کے اتحاد کا ایک ایمان افروز رنگ دکھایا ہے' میرے یہ دوست جن کے نام سے اس وقت تک بھی آگاہ نہیں ہوں جو سٹیج سیکریٹری کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں' میرے پاس تشریف لائے اور انہوں نے مولود کعبہ رضی اللہ عنہ کی یاد میں منعقد ہونے والی مقدس محفل میں حب علی رضی اللہ عنہ کے نام پر حاضری کی دعوت دی' تو ان کی دعوت سن کر میں نے یہ سوچا کہ میرے مسلک و مشرب میں حب علی رضی اللہ عنہ کے نام پر دی گئی دعوت کو قبول کرنا عین ایمان ہے اور حب علی رضی اللہ عنہ کے نام پر دی گئی دعوت کو رد کرنا کلمہ پڑھنے کے باوجود عین منافقت ہے- اس لیے کہ تاجدار کائنات ﷺ نے فرمایا- (کنزالعمال جلد نمبر ۱۱ ص ۶۲۲ تاریخ الخلفاء ترجمہ ۲۵۹ بحوالہ طبرانی بروایت حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا)

"من احب علیا" فقد احبنی و من احبنی فقد احب

اللہ و من ابغض علیا فقد ابغضنی و من ابغضنی فقد ابغض اللہ۔"

جس کسی نے میرے علی رضی اللہ عنہ سے محبت کی' اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی اس نے خدا سے محبت کی اور جس نے میرے علی رضی اللہ عنہ سے بغض رکھا' اس نے مجھ سے بغض رکھا اور جس نے مجھ سے بغض رکھا' اس نے خدا سے بغض رکھا۔" کیونکہ حب علی رضی اللہ عنہ عین ایمان ہے' حب علی رضی اللہ عنہ عین نجات ہے اور بغض علی رضی اللہ عنہ عین نفاق ہے' اس لیے ایک مسلمان کے ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ وہ راہ ایمان کو چنے' راہ نفاق کو نہ چنے اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اپنے دور میں ایمان کی کسوٹی بیان کرتے ہیں' وہ کہتے ہیں ہمارے زمانے میں ایمان کی کسوٹی کیا تھی؟ اور منافقت کی کسوٹی کیا تھی؟ (تاریخ الخلفا سیوطی ص ۲۵۷ ترجمہ شمس بریلوی بحوالہ ترمذی روایت ابو سعید رضی اللہ عنہ ینابیع المودۃ ص ۴۵۱ بحوالہ مسلم بروایت حضرت سعید رضی اللہ عنہ - مسند امام احمدؒ) "کفا نعرف المنافقین ببغضھم علیا" ہم منافقوں کی پہچان بغض علی رضی اللہ عنہ سے کیا کرتے تھے' جب کسی سے حب علی رضی اللہ عنہ کی خوشبو آتی' ہم اسے مومن سمجھ کر گلے لگا لیتے' جس سے بغض علی رضی اللہ عنہ کی بو آتی اسے منافق سمجھتے' اس لیے یہ حاضری ایمان کا عین تقاضا تھی اور وقت کی عین ضرورت بھی تھی کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہودیوں کو یہ فرمایا۔ قرآن کہتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہ اہل کتاب سے فرما دیجئے' یہودیوں کو یہ کہہ دیجئے: (آل عمران پ ۳ آیت ۶۴۔) "تعالوا الی کلمۃ سواء م بیننا و بینکم" اے یہودیو! آؤ! تم بھی ایک خدا کو مانتے ہو' ہم بھی ایک خدا کو مانتے ہیں اور کچھ نہ سہی یہ ایک بات تو قدر مشترک ہے' قرآن کہتا ہے حضور سے' کہ کہہ دیجئے اہل کتاب سے کہ اسی قدر مشترک پر اکٹھے ہو جائیں' اختلافات کو بھول کر ایک ہی قدر مشترک پر اکٹھے ہو جائیں' ارے مدینہ کی اس ریاست کے استحکام کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام اور اہل کتاب' قدر توحید پر مشترک ہو سکتے ہیں تو ریاست پاکستان کے استحکام کے لیے سارے مسلمان حب علی رضی اللہ عنہ پر متفق کیوں نہیں ہو سکتے اور مجھے ہرگز یہ کہنے میں کوئی تامل نہیں کہ پاکستان یا بلاد اسلام میں رہنے والا کوئی شخص خود کو سنی کہلائے یا شیعہ' اگر وہ حب علی رضی اللہ عنہ کے نام پر وحدت و اتفاق اور اتحاد کی راہ کو نہیں اپنا سکتا' تو وہ سنی ہے یا شیعہ ہے وہ جھوٹا ہے اور منافق ہے اور اس لیے ایک بات بتاتا ہوں آپ کو' خواہ سنیت ہو یا شیعیت' ان دونوں کے بزرگوں سے پوچھیں تو اپنی اپنی جگہ وہ دونوں یہ دعویٰ

کرتے ہیں کہ ہمارا مسلک' مسلک محبت ہے' مسلک نفرت نہیں ہے اور اگر دونوں کا دعویٰ سچ ہے تو مسلک محبت والے دست و گریباں نہیں ہوا کرتے' گلے ملا کرتے ہیں' تو اس لیے ہم نے یہ سوچا کہ دعوت محبت ہے۔ اسے دوہری محبت کے ساتھ گلے لگانا چاہیے۔ میری دعا ہے کہ خداوند کریم کی ذات اس محدود سے پیانے کو پھیلا دے (الٰہی آمین) صرف پاکستان نہیں بلکہ برصغیر اور پورے عالم اسلام کو اس محبت پر اکٹھا کر دے۔۔۔ جو آیت کریمہ میں نے ابتدا میں تلاوت کی ہے اس میں باری تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے۔ فسئلوا اہل الذکر ان کنتم لاتعلمون اگر تمہیں کسی حقیقت کی خبر نہ ہو' معرفت نہ ہو تو اہل ذکر سے پوچھ لیا کرو' کن سے پوچھ لیا کرو؟ اہل ذکر سے' اہل علم کی بات نہیں' عام طور پر رواج تو یہ ہے کہ سوال اہل علم سے کیا جاتا ہے' جب سوال اہل علم سے کیا جاتا ہے' تو یہاں اہل علم کی طرف رجوع کرنے کا حکم کیوں نہیں دیا۔ وجہ یہ ہے کہ اہل علم کبھی خود بھی دھندلکے میں مبتلا ہو جاتے ہیں کبھی اہل علم خود بھی حقیقت کو نہیں پا سکتے تو اہل علم سے کبھی حقیقت چھپ جاتی ہے' لیکن اہل ذکر سے حقیقت چھپ نہیں سکتی۔ اس لیے فرمایا کہ شک والوں کے پاس جانے کی بجائے یقین والوں کے پاس جایا کرو۔ کیونکہ شک والا صاحب عقل ہوتا ہے اور یقین والا صاحب عشق ہوتا ہے اور عقل پاؤں سے اٹھنے والی گرد میں گم ہو کے رہ جاتی ہے اور عشق بڑھ کر محبوب کے نقاب کو اٹھا دیتا ہے۔

بو علی اندر غبار ناقہ گم
دست رومی پردہ محمل گرفت

(علامہ اقبالؒ)

تو قرآن نے اہل علم کی طرف جانے کی بجائے اہل ذکر کی طرف جانے کی بات کی ہے' اب اس آیت کریمہ میں تین چیزوں کا ذکر آیا ہے' ایک خود ذکر کا' کہ ذکر کیا ہے؟ اہل ذکر کون ہیں؟ اور پھر کسی حقیقت کی خبر نہ ہو تو اہل ذکر کے پاس جایا کرو۔ تین چیزوں کا بیان ہے اس آیت کریمہ میں اور آج کی گفتگو مختصراً ان چیزوں کے بیان پر مشتمل ہوگی۔ قرآن کریم چونکہ اللہ کا کلام ہے اور وہ ذات خود غیر محدود لامتناہی ہے' تو جب ذات لامتناہی ہوتی ہے تو اس کی ہر ہر صفت بھی لامتناہی ہوتی ہے تو جس طرح خدا کی ذات کی کوئی حد اور جہت نہیں اس لیے قرآن کی ہر ہر آیت کی تفسیر کی بھی کوئی حد اور جہت نہیں اس لیے اگر آپ یہ سمجھیں کہ میں آج جو کچھ بیان کروں گا وہ اس آیت کی تفسیر ہے وہ غلط ہے۔ یہ اس آیت کی

کروڑوں تفسیروں میں سے ایک چھوٹی سی تفسیر ہے یہ آیت ایک موتی ہے جس کے ہر ہر حرف سے کرنیں نور کی پھوٹ رہی ہیں' میں ان متعدد کرنوں میں سے کسی ایک کرن کی نشاندہی کروں گا- باقی سب کچھ رہ جائے گا- تو قرآن پاک میں ارشاد ہے کہ اگر تمہیں کسی حقیقت کی خبر نہ ہو تو اہل ذکر سے پوچھیں- اب قرآن ہی سے پوچھتے ہیں کہ تو ذکر کسے کہتا ہے اب چونکہ یہ قرآنی حکم ہے اس کا بہترین حل یہ ہے کہ خود قرآن سے سوال کیا جائے کہ تیری نظر میں ذکر کیا ہے' تو قرآن کہتا ہے- (الحجر آیت نمبر۹) "انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحفظون"۔ اس کا جواب خود صاحب کلام دیتا ہے' اے پوچھنے والے یہ قرآن جس ذکر کی بات کر رہا ہے وہ ذکر کوئی اور نہیں یہ قرآن خود ہی ذکر ہے' ذکر تو تمہارے سامنے ہے ذکر کرنے والوں کی تلاش کرو' ذکر تمہارے سامنے ہے' ذکر کرنے والے کون ہیں؟ اس کی تلاش کرو قرآن کہتا ہے' ارشاد باری تعالیٰ ہے بیشک ہم نے ہی اس ذکر کو نازل کیا اور ہم ہی اس ذکر کی حفاظت کرنے والے ہیں تو قرآن سے کیا ثابت ہوا کہ ذکر کیا ہے؟ قرآن- تو قرآنی حکم کی تفصیل قرآن سے بہتر تو کوئی اور نہیں ہو سکتی نا؟ تو گویا قرآن کا فیصلہ یہ ہو گیا کہ قرآن خود ذکر ہے اور کئی ایک مقام پر اس طرح بیان آتا ہے- (زخرف پ ۲۵ آیت نمبر۴۴) "انہ لذکر لک و لقومک" یہ قرآن آپ کے لیے اور آپ کی قوم کے لیے ذکر ہے- (الانعام آیت نمبر۹۰) "ان ھو الا ذکری للعالمین" یہ پوری کائنات کے لیے ذکر ہے- (المزمل پ ۲۹ آیت نمبر۲۹) "ان ھذا تذکرۃ فمن شاء تخذ الی ربہ سبیلا"" تو قرآن اول سے آخر تک کہتا ہے کہ میں اول سے آخر تک ذکر ہی ہوں' قرآن سراسر ذکر ہی ذکر ہے- چلو اتنی ہی آیتوں پر اکتفا کریں تو یہ بات طے ہو گئی کہ (النحل آیت نمبر۴۳)" فسئلو اھل الذکر "کہ ذکر والوں سے پوچھ لیا کرو- اگر تمہیں کسی حقیقت کی خبر نہ ہو تو اتنی تو خبر ہو گئی کہ ذکر قرآن ہے-

اب سوال یہ ہے کہ قرآن والے کون ہیں' جن سے قرآن کی بھی خبر ملے اور حقیقت کی بھی خبر ملے؟ تو ایک سوال تو ہم نے خود قرآن سے کیا اب دوسرا سوال قرآن والے سے کرتے ہیں جو قرآن لایا' یعنی ذکر کیا ہے یہ سوال ہم نے قرآن سے کر لیا قرآن نے اس کا جواب دے دیا کہ ذکر قرآن ہے اب آیت کے معنی کی رو سے ترجمہ یہ ہوا کہ قرآن والوں سے پوچھ لیا کرو اگر تمہیں کسی حقیقت کی خبر نہ ہو تو ایک سوال تو قرآن سے کیا قرآن نے جواب دے دیا- اب دوسرا سوال کہ اہل قرآن کون ہیں' یہ اب اس ہستی سے پوچھتے ہیں جو

کہ قرآن لے کر مبعوث ہوئی' سوال کرتے ہیں یا رسول ﷺ ' آپ قرآن لائے آپ ہمیں ہدایت فرما دیجئے کہ قرآن والے کون ہیں؟ تو حضور ﷺ فرماتے ہیں اور یہ حدیث مسند میں ہے طبرانی میں ہے حاکم میں ہے ترمذی میں ہے اور متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس حدیث کو روایت کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ خود بھی اس حدیث کے راوی ہیں اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ بن عبداللہ بھی حدیث کے راوی ہیں' اس حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ (ینابیع المودہ ص ۴۵۳ بحوالہ طبرانی بروایت ام سلمہ رضی اللہ عنہا) "القران مع علی و علی مع القران" جس طرح قرآن کی بات دنیا کا کوئی فرد رد نہیں کر سکتا' اس طرح قرآن لانے والے کی بات کوئی مائی کا لال رد نہیں کر سکتا' اور حضور ﷺ فرما رہے ہیں۔ (کنزالعمال جلد ۱۱ ص ۶۰۳ ینابیع المودہ ص ۴۵۳ بحوالہ طبرانی الاوسط بروایت ام سلمہ رضی اللہ عنہا تاریخ الخلفاء علامہ سیوطی مترجم ص ۲۶۰) "القران مع علی و علی مع القران لایفترتشان حتی یرد علی الحوض" کہ قرآن علی رضی اللہ عنہ سے پیوست ہے اور علی رضی اللہ عنہ قرآن سے پیوست ہیں' میں "مع "معیت کا معنی پیوستگی کر رہا ہوں کیونکہ معیت کا معنی یہ ہے کہ جس میں فرقت کا اندیشہ نہ ہو' معیت اس ساتھ کو کہتے ہیں جس میں جدائی نہ ہو سکے۔ اگر دو ایک ساتھ جا رہے ہوں تو وہ جدا بھی ہو سکتے ہیں تو ایسا ساتھ چاہیے' ایسی پیوستگی چاہیے کہ ایک دوسرے سے لازم و ملزوم ہو جائیں کہ وہ اس سے جدا نہ ہو سکے اور وہ اس سے جدا نہ ہو سکے تب تو معیت کا معنی سمجھ آتا ہے جو تفسیر میں نے کی ہے کہ معیت کا معنی پیوستگی۔ یہ میں نے اس حدیث سے لی ہے' حدیث کے پہلے لفظ میں۔ (ینابیع المودہ ص ۴۵۳ کنزالعمال جلد ۱۱ ص ۶۰۳) "القران مع علی و علی مع القران" کہ قرآن علی رضی اللہ عنہ سے پیوست ہے اور علی رضی اللہ عنہ قرآن سے پیوست ہیں' یہاں تک تو پیوستگی کا ذکر تھا۔ اب یہ کہاں سے نکل آیا کہ یہ ہمیشہ پیوست رہیں گے اور کبھی جدا نہ ہوں گے تو کسی کو تخصیص کے ساتھ قرآن والوں یا قرآن والا کہنا یہ بہت بڑی بات ہے' کوئی معمولی بات تو نہیں ہے نا؟۔

تو پھر حضور ﷺ خود اس بات کی دلیل دیتے ہیں کہ "لایفترتشان حتی یرد علی الحوض" یہ آج سے لے کر قیامت تک اس طرح پیوست رہیں گے کہ حوض کوثر بھی آئیں گے تو علی رضی اللہ عنہ اور قرآن اکٹھے آئیں گے۔ حضور ﷺ کی اس حدیث نے ثابت کر دیا کہ اہل ذکر کون ہیں۔ ذکر قرآن تھا اور قرآن کا اہل حضرت علی رضی اللہ عنہ ہوئے تو گویا قرآن کی آیت نے یہ کہا "فسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا

تعلمون" اگر کسی حقیقت کی خبر نہ ہو تو علی رضی اللہ عنہ حقیقت شناس ہیں۔ ان سے جا کر پوچھو، میں اس غلط فہمی کا ساتھ ہی ازالہ کر دوں کہ علی رضی اللہ عنہ کے حقیقت شناس ہونے کا یہ معنی ہرگز نہیں کہ حضور ﷺ کے دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم یا حضور ﷺ کی اہل بیت رضی اللہ عنہم کے دوسرے فرد حقیقت شناس نہیں ہیں۔ ان کو بھی فیضان مصطفوی ﷺ کا حصہ ملا ہے لیکن کسی کو کسی رنگ میں نمایاں کر دیا، کسی کو کسی رنگ میں نمایاں کر دیا کسی کو صدیقیت میں یکتا کر دیا کسی کو فیضان مصطفیٰ ﷺ نے عدالت و شجاعت میں یکتا کر دیا، کسی کو نظر کرم مصطفیٰ ﷺ نے حیا اور شرم میں یکتا کر دیا کسی کو فیضان مصطفوی ﷺ نے ولایت و علم میں یکتا کر دیا ہر کوئی یکتائے بزم مصطفوی ﷺ ہے، ہر کوئی دانائے معیت مصطفوی ﷺ ہے لیکن جب علم اور ذکر کی بات ہوتی ہے تو میں واللہ خدا کو گواہ بنا کے یہ کہہ رہا ہوں اس لیے کہ میرے مصطفیٰ ﷺ نے اور حضور ﷺ کے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ شہادت دی ہے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے شہادت دی ہے کہ ہم اگر سارے صحابہ بھی اکٹھے ہو جائیں تو علم میں علی رضی اللہ عنہ کا کوئی ثانی نہیں۔ اب یہ جو میں نے روایت ان سے بیان کی یہ بھی امت کی وحدت کا ایک مظہر ہے ارے وہ ایک دوسرے کی تعریف کرتے تھے اور ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے خدا ان کے صدقے ہمیں بھی محبت عطا کرے۔ (الٰہی آمین) ہمیں بھی وحدت عطا کرے۔

تو میں عرض یہ کر رہا تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حقیقت شناس کہنا دوسروں کی حقیقت شناسی کا انکار نہیں ہے۔ صرف بات اتنی ہے کہ یہ یکتا ہیں حقیقت شناسی میں، یہ یکتا و بے مثل و بے نظیر ہیں حقیقت شناسی میں۔ اب یہ مقام کیوں ملا؟ اس مقام کی ایک خاص وجہ ہے۔ وہ یہ ہے کہ حضور ﷺ کی ذات اور قرآن۔ اس کا تعلق یہ ہے کہ اگر قرآن کو ایک وجود مانا جائے تو قرآن کا تعلق یہ ہے کہ قرآن حضور ﷺ کا نطق ہے یعنی حضور ﷺ کی زبان سے نکلے ہوئے لفظ۔ قرآن مخلوق نہیں ہے قرآن کے لفظ بھی اور قرآن کے معنی دونوں اللہ کا کلام ہیں، لیکن ہم بات کر رہے ہیں صدور اور ظہور کے اعتبار سے کہ ہمارے اوپر قرآن کا ظہور کیسے ہوا؟ اگر زبان مصطفوی ﷺ نہ ہلتی تو قرآن کے وجود کا ظہور نہ ہوتا تو اس لیے اس لحاظ سے، اس نسبت سے عرض کر رہا ہوں کہ قرآن نطق مصطفیٰ ﷺ ہے یہ ہماری کہی ہوئی بات نہیں ہے بلکہ قرآن خود شہادت دے رہا ہے۔ (التکویر پ ۳۰ آیت ۱۹) "انہ لقول رسول کریم" کہ یہ قرآن مجید رسول اکرم ﷺ کی بات ہے۔ یہ قرآن

رسول کریم ﷺ کا قول ہے۔ یہ قرآن رسول کریم ﷺ کی زبان سے نکلے ہوئے لفظ ہیں تو قرآن کیا ہوا؟ نطق مصطفیٰ۔ ایک سمت قرآن حضور ﷺ کی ذات سے پیوست ہے دوسری طرف علی رضی اللہ عنہ کی ذات نفس مصطفیٰ ﷺ سے پیوست ہے چونکہ خود حضور پاک ﷺ کا ارشاد ہے۔ "الناس من شجر شتی وانا و علی من شجرۃ واحدۃ" کہ ساری انسانیت حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک مختلف درختوں سے پیدا ہوئی ہے لیکن خدا نے مجھے اور علی رضی اللہ عنہ کو ایک ہی درخت سے بنایا ہے۔ اب ایک درخت واحد کا کوئی تعلق ہے تو اس لیے کہتے ہیں "علی منی وانا من علی" کہ علی مجھ سے ہے اور میں علی سے ہوں' یہ شجرۃ واحدہ کا کوئی تعلق تھا تو تبھی تو کہا کہ علی منی وانا من علی کہ علی مجھ سے ہے اور میں علی سے ہوں۔ بلکہ بات کو علی کی ذات پر ختم نہ کیا بلکہ علی کی اولاد کو بھی شامل کیا۔ "الحسن منی وانا من الحسن' الحسین منی وانا من الحسین" حسن حسین مجھ سے ہیں اور میں حسن حسین سے ہوں' یہاں ضمناً وضاحت کرتا چلوں آپ کے ذہن میں سوال ہوگا کہ حضرت علی ہوں یا حسین کریمین یہ تو حضور ﷺ کی ذات سے ہیں کیونکہ حضور اصل ہیں اور یہ فرع' اگر حضور تنا ہیں تو یہ شاخیں' یہ اصل میں سارا خانوادہ امامت' خانوادہ اہل بیت حضور ﷺ کے شجر نبوت کی شاخیں ہیں اور شاخ تنے کے بغیر نہیں ہوا کرتی تو شاخ تو ان میں سے ہو سکتی ہے یہ تو سمجھ میں آ سکتی ہے بات کہ علی رضی اللہ عنہ و حسینؓ تو حضور سے ہیں یہ تو بات سمجھ میں آتی ہے کہ جز کل سے ہوا کرتی ہے فرع اصل سے ہوتی ہے۔ شاخ تنے سے ہوتی ہے لیکن حضور ﷺ صرف اتنا فرمانا چاہتے ہیں کہ علی اور حسین کے کمالات کو دیکھنے والو۔ کمالت ولایت اور کمالات امامت پر ناز کرنے والو! یہ جو کچھ تمہیں رنگ شان ولایت میں' شان حسینیت میں نظر آ رہا ہے' یہ شاخوں کا نہیں یہ سارا جلوہ ہے کمالات مصطفوی ﷺ کا۔ حسین بنائے لا الٰہ الا اللہ' علی اور حسین مجھ سے ہیں اس کا معنی کیا ہوا کہ علی اور حسنین کا اندر جو کچھ' اور جو جلوہ اور کمال دکھائی دے رہا ہے وہ میرا ظہور ہے ان کے کمالات مجھ سے ہیں' ان کے کمالات کا اصل' ان کے کمالات کا سرچشمہ' ان کے کمالات کا منبع میں ہوں اور میرے کمالات کا مظہر وہ ہیں' یعنی مجھے دیکھنا ہو تو ان کے کمال سے دیکھو اور حسنین رضی اللہ عنہما کو دیکھنا ہو تو میری سمت دیکھو' مجھے دیکھنا ہو تو انہیں دیکھو اور انہیں دیکھنا ہو تو مجھے دیکھو۔ اس لیے کہ اصل اور فرع کا جو تعلق ہے وہ لازم ملزوم کا تعلق ہے۔ چونکہ نسبت اتنی قریبی ہے اور یہ وہ نسبت

ہے کہ اس نسبت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ شیر خدا کی ذات گرامی واحد و یکتا اور منفرد ہے۔ اب آپ کے ہاں تو فضیلت کی ترتیب یوں ہے نا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بعد از رسول صلی اللہ علیہ وسلم سب سے افضل ہیں۔ اہل سنت بالعموم فضیلت کی ترتیب خلافت راشدہ سے کرتے ہیں تو اس پر تو اختلاف ہے لیکن ایک بات بتاتا ہوں جس پر اختلاف نہیں' ترتیب فضیلت پر اختلاف سہی لیکن اس نسبت کی انفرادیت پر کوئی اختلاف نہیں کہ حصول فیض کی وہ خصوصی نسبت جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وجود مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے وہ نسبت کسی اور کو حاصل نہیں ہے' یہ کیوں عرض کر رہا ہوں کہ ہر کسی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضان کرم نے کسی نہ کسی ایک رنگ میں یکتا کیا اور یہ جو ذات سے نسبت کا رنگ ہے یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خانوادے کو عطا کیا اور جب یہ پتہ چل گیا اور یہ محسوس ہو گیا کہ نسبت اتنی پختہ ہے کہ یہاں تو کوئی فرق نہیں یہاں دونوں میں ہر کوئی ایک دوسرے سے بڑھ کے نسبت کا اظہار کر رہا ہے تو پھر دست و گریباں ہونا کیسا؟ تو کتنی بدبختی ہے کہ جھگڑا ڈالیں۔ جنگ کریں' تنگ کریں۔ اگر اتنا جاننے کے باوجود بھی باہمی جنگ ہے تو پھر نام نہاد سنی بھی دشمن علی رضی اللہ عنہ ہے اور نام نہاد شیعہ بھی دشمن علی رضی اللہ عنہ ہے۔

ارے! جن کے آپ دونوں گھر نام لیوا ہیں ان کے آپس کے تعلق کا تو یہ عالم ہے کہ چھوٹا سا واقعہ سناتا ہوں جملہ معترضہ کے طور پر اور پھر موضوع کو آگے بڑھاؤں گا۔ ایک دن سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ اور حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے چھوٹے بیٹے گلی میں کھیل رہے تھے' دونوں بچے تھے۔ معصوم بچے تھے کھیل رہے تھے' کھیلتے کھیلتے آپس میں کوئی معمولی سا جھگڑا ہو گیا اور روایت میں یوں منقول ہے کہ شہزادہ رسول سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے یہ کہہ دیا کہ تم ہم سے لڑتے ہو تم تو ہمارے نانا صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام کے بیٹے ہو۔ تم تو ہمارے غلام زادے ہو ہم سے لڑتے ہو۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا بیٹا کچھ دل برداشتہ ہو گیا' انہیں خیال تھا کہ میرے ابو ہوں یا حسین رضی اللہ عنہ کے ابو ہوں وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں بیٹھتے ہیں دونوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں دونوں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کرم ہے تو یہ غلام اور غلام زادے کا فرق کیا ہوا؟ بچے تھے' سمجھ نہ تھی۔ وہ روتے روتے اپنے والد کے پاس آئے اور عرض کیا اپنے ابا جان سے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے کہ ابا جان! آج حسین رضی اللہ عنہ نے مجھے یہ کہا ہے۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بولے بیٹے! سچ کہہ رہے ہو کہ حسین رضی اللہ عنہ نے یہ کہا ہے۔ بیٹے کی انگلی پکڑ لی اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ شیر خدا کے دروازے پر آ کر دروازہ کھٹکھٹایا۔

امام حسین رضی اللہ عنہ باہر تشریف لائے کہ کون ہے؟ وہ (سیدنا عمر فاروق) رضی اللہ عنہ کو اور ان کے بیٹے کو ساتھ دیکھ کر کچھ شرما گئے' کچھ گھبرا گئے کہ اس نے شکایت کی ہوگی اور وہ ناراض ہونے کے لیے یا شکایت کرنے کے لیے ابو حضور کے پاس آئے ہیں۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پوچھا بیٹے کیا آپ نے اس سے یہ کہا ہے کہ تو ہمارا غلام زادہ ہے؟ تو اب یہ تھے آغوش فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا میں پلنے والے۔ یہاں ان کو تعلیم ہی یہ تھی کہ سر کٹ جائے سارے خانوادے کا تو کٹ جائے' غلط کے سامنے نہیں جھکنا ان کو تعلیم ہی یہ تھی تو وہ زبان سے غلط بات کیونکر کہتے۔ سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے شرماتے ہوئے جھجکتے ہوئے فرمایا جی چچا جان جھگڑے میں ایسی بات ہو گئی تھی۔ میں نے کہا ہے۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ آپ مجھے دھرا دیں کہ واقعی یہ کہا ہے۔ جی ہاں! میں نے کہا ہے کہ تو تو ہمارا غلام زادہ ہے۔ فرمانے لگے بیٹے حسین رضی اللہ عنہ آج میں خدا کو گواہ بنا کے کہتا ہوں کہ آپ نے ہمیں اپنا غلام زادہ قبول کر لیا اور قیامت کو ہماری بخشش کا سامان ہو گیا۔ قیامت میں ہماری مغفرت کا سامان ہو گیا۔ جن کا یہ تعلق ہو کہ وہ نسبت غلامی کو اپنی مغفرت کا سبب جانیں' ان کی باہمی محبت' مودت کا عالم کیا ہوگا؟ اور ہم جن غلط فہمیوں میں الجھے ہوئے ہیں تو یہ یقین جانیئے یہ سب پیٹ کے دھندے ہیں۔ کاروبار ہے۔ اگر ایک دوسرے کو فرقوں اور مسلکوں اور اگر ایک دوسرے سے صحابی رضی اللہ عنہ اور اہل بیت رضی اللہ عنہم کے نام پر جنگ نہ کروائی جائے تو پیٹ کس طرح سلامت رہتا ہے۔ یہ بدبختی ہے۔ یہ صرف اور صرف پیٹ پالنے کی باتیں ہیں ورنہ صحابیت اور خانوادیت مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم میں کوئی فرق نہیں۔

تو میں عرض یہ کر رہا تھا کہ اسی نسبت کا حیا کرتے ہوئے دونوں طبقو! آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ۔ اگر کوئی چھوٹی بڑی ایک دوسرے کو کہہ بھی دیا کرے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی غلامی کے حوالے سے دل بڑے کر لیا کرو اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور بعض دوسروں کے اختلافات بھی تھے سیاسی۔ دوسرے حضرات برا بھلا کہتے تھے لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کبھی خود بھی اور اپنے غلاموں کو بھی دوسروں کو برا بھلا کہنے کی اجازت نہیں دی' ارے یہ خانوادہ تو بخشنے والا خانوادہ ہے۔ یہ خانوادہ تو عفو اور درگزر کرنے والا خانوادہ ہے' سیدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ یا باختلاف روایت سیدنا امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جناب علی رضی اللہ عنہ کے گھر ایک خادم تھا اور مہمان آ گیا' آپ نے اسے بلایا کہ مشروب لایئے تواضع کے لیے' وہ خادم دوڑا دوڑا آیا' گرم مشروب تھا پیش کیا خدمت میں' کوئی ٹھوکر لگی خود بھی گرا اور گرم مشروب

حضرت امام عالی مقام رضی اللہ عنہ اور مہمان کے کپڑوں پر گر پڑا۔ آپ کو کچھ ملال آگیا' رنج آگیا' امام عالی مقام رضی اللہ عنہ نے کچھ غضب بھری نظریں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا کہ بے ادب اتنا خیال بھی نہیں کیا۔ اب وہ خادم خانوادہ اہل بیت رضی اللہ عنہم کا پروردہ تھا۔ اس نے دیکھا کہ امام عالی مقام کچھ جلال میں ہیں' انہوں نے قرآن کی ایک آیت کا حصہ پڑھ دیا۔ "والکاظمین الغیظ" اللہ کے محبوب وہ ہیں جو غصے کو پی جاتے ہیں۔ اب دیکھیے جس گھر کے نوکروں کی معرفت کا یہ عالم ہو۔ جس گھر کے نوکروں کے کمال عرفان کا یہ عالم ہو' ان کے اپنے عرفان کی عظمتوں کا عالم کیا ہو گا؟ خادم کہنے لگا۔ "والکظمین الغیظ" کہ اللہ کے پیارے غصے کو پی جاتے ہیں' آپ نے فرمایا کہ تو گواہ ہو جا میں نے غصہ پی لیا' پھر وہ خاموش نہیں ہوا کہ گستاخی کی ہے۔ کہ غلطی کی ہے۔ غلطی پر سزا دی جاتی ہے' انعام نہیں دیا جاتا۔ "والعافین عن الناس" وہ صرف غصہ ہی نہیں پیتے بلکہ غلطی کرنے والے کو معاف بھی کر دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا! گواہ ہو جا' میں نے تجھے معاف بھی کر دیا' وہ غلام تھا وہ بولا۔ "واللہ یحب المحسنین" وہ صرف معاف نہیں کرتے بلکہ احسان بھی کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا! گواہ ہو جا میں نے تجھے آزاد کر دیا' ارے تم لوگ اس خانوادہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہو جو غلطی کرنے والے کو بھی معاف کرتے ہیں اور تم غلطی نہ کرنے پر بھی ایک دوسرے سے دست و گریباں ہو۔ اگر تو یہ صورتحال آپ کی جاری رہی تو یوں سمجھئے کہ خانوادہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور خانوادہ اہل بیتؓ سے آپ کا کوئی تعلق نہیں۔

اگر تعلق سچ ہے تو پھر ان باہمی منافرتوں کو مٹا کر باہم شیر و شکر ہو جائیں' مسجد ہو یا امام بارگاہ' بات محبت و مناقب اور فضائل کی کریں' گالی اور طعن و تشنیع کی بات نہ کریں۔ یہاں میں ایک چھوٹا سا نکتہ بیان کرتا ہوں کہ یزید کے بارے میں علماء نے اختلاف کیا ہے یہ علمی بات ہے عوام کو شاید پتہ نہ ہو اس چیز کا' کسی نے یزید کو برملا کافر کہا۔ کسی نے کافر تو نہ کہا لیکن لعنتی کہا اور بعض لوگوں نے کہا کہ نام لے کر برملا لعنت نہ بھیجی جائے' بلکہ خاموش رہنا بہتر ہے۔ جنہوں نے خاموشی اختیار کی انہوں نے بھی یزید کو لعنتی سمجھا' سمجھا انہوں نے بھی لعنتی اور فاسق و فاجر اور نامراد اور جہنمی... لیکن کہا کہ خاموش رہیں بعض نے کہا کہ خاموشی کی بھی ضرورت نہیں بلکہ کھل کر لعن کریں اور بعض نے کہا کہ وہ نہ صرف فاسق و فاجر اور لعنتی تھا بلکہ کافر تھا تو یہ ایک بات میں نے سمجھانے کے لیے کی ہے۔ جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے میں نہ خاموشی کا قائل ہوں نہ صرف لعن کا بلکہ میں تکفیر کا قائل ہوں۔ یہ ضمناً"

بات آگئی سمجھا دیا اب جنہوں نے کہا کہ خاموش رہو' ان سے پوچھا گیا کہ خاموشی کیوں رکھی جائے۔ بتا یہ رہا ہوں کہ انہوں نے کہا ہمارا مشرب مشرب محبت ہے۔ ہے وہ لعنتی لیکن ایک منٹ یا دو منٹ جو لمحے اس پر لعنت بھیجنے میں گزارو گے وہ فاسق اور بدبخت سوائے جہنم کے کسی اور مقام میں نہیں جائے گا۔ جہاں خدا نے اسے رسید کرنا تھا وہ پہنچ چکا۔ جو وقت تم اس کی لعنت بھیجنے پر برباد کرو گے اتنا وقت تم اہل بیت پر درود پڑھ لو۔ نکتہ سمجھے! ارے جو لمحہ اس پر لعنت بھیجنے میں آپ نے بسر کرنا ہے اس کا ثواب اور اجر کوئی نہیں ملے گا لعنت کا وہ حقدار ہے' لعنت حقدار کو پہنچی' لیکن آپ کے کھاتے میں کوئی اجر و ثواب نہیں آیا۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ آپ نے جو وقت اس پر لعنت بھیجنے میں صرف کرنا ہے وہ بہتر ہے کہ اسی لمحہ حضور ﷺ کی اہل بیت رضی اللہ عنہم پر درود پڑھ لیں' کہ درود پڑھو گے تو درجے بلند ہو جائیں گے۔ اس لیے اہل دل نے اس مسئلے پر بھی مسلک محبت کو اپنا لیا اب چہ جائیکہ کہ کسی اور بات پر کوئی ایسا کرتا پھرے' لہٰذا مسلک محبت روا رکھیں مسلک نفرت روا نہ رکھیں۔ ہم لوٹ آتے ہیں اپنے موضوع کی طرف' میں عرض یہ کر رہا تھا کہ حضور ﷺ نے فرمایا! کہ جو نسبت علی رضی اللہ عنہ کی مجھ سے ہے اور میری علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہے یہ کسی اور کو نصیب نہیں ہوئی' اس لیے ضروری تھا کہ میں چونکہ قرآن لانے والا ہوں لہٰذا جو تعلق علی کا قرآن سے پیدا ہو تو قرآن کا بھی علی رضی اللہ عنہ سے پیدا ہو' تو تعلق میں بھی علی رضی اللہ عنہ منفرد اور یکتا ہیں۔ اس وجہ سے نبی پاک ﷺ نے فرمایا۔ "انا مدینتہ العلم و علی بابھا" میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے۔ حضور ﷺ نے خود کو علم کا شہر کیوں کہا کہ حضور ﷺ سراسر قرآن تھے اور قرآن علم کا شہر ہے' شہر اس کو کہتے ہیں کہ جس سے ہر چیز مل سکے۔ دیکھیں تحصیل کو آپ شہر نہیں کہتے' چھوٹے گاؤں کو تھانے کو' چھوٹے قریہ کو چھوٹے چک کو آپ شہر نہیں کہتے۔ اس لیے کہ کچھ چیزیں مل جاتی ہیں اور کچھ نہیں ملتیں۔ شہر اسی آبادی کو کہتے ہیں' جس میں جس چیز کی آپ کو طلب ہو وہ مل جائے۔ ہر چیز جہاں سے مل سکے اسی کو شہر کہتے ہیں۔ چونکہ قرآن سے ہر شئے کا علم مل سکتا ہے' اس لیے قرآن علم کا شہر ہے اور قرآن چونکہ نطق مصطفیٰ ہے اس لیے حضور ﷺ شہر علم ہیں۔ "لا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین" کوئی خشک تر چیز ایسی نہیں جو کتاب مبین میں موجود نہ ہو۔ قرآن حکیم کا کتنا اعجاز ہے کہ ہر خشک تر اور رطب یابس یہ دو لفظ کہہ کر ساری کائنات کے علم کو کوزے میں بند کر دیا۔ اس لیے کہ یہ ایک پتے کی بات ہے۔ آپ عرش سے لے کر تحت

الثریٰ تک کائنات کی جس شئے پر غور کریں' جتنے جاندار ہیں' دو چیزیں کائنات میں ہو سکتی ہیں یا جاندار یا بے جان کوئی تیسری چیز تو نہیں ہو سکتی' ٹھیک ہے بات۔ جاندار تر کو کہتے ہیں اور بے جان خشک کو کہتے ہیں۔ جس میں جان ہے وہ تر ہے اور جو بے جان ہے وہ خشک ہے' قرآن کہتا ہے۔ "وجعلنا من الماء کل شئی حیی ٥" ہم نے ہر جاندار شئے کو تری سے پیدا کیا' پانی سے پیدا کیا تو گویا کائنات ارض و سماء میں ہر وہ چیز جو موجود ہے' وہ تر ہے اور ہر وہ چیز جو مظہر موت ہے وہ خشک ہے۔ گویا ساری کائنات اور موت' حیات کا سارا اول و آخر سارا کا سارا قرآن کے دامن میں ہے' جب سے موت اور حیات کا آغاز ہوا اور جب تک موت اور حیات چلے گی یعنی جب تک کائنات کا وجود ہے جب تک خشک و تر ہے اس کائنات میں ازل سے ابد تک سب کچھ قرآن کے دامن میں ہے اور یہ قرآن نطق مصطفیٰ ﷺ ہے اس لیے حضور ﷺ ساری کائنات کے ازل سے ابد تک علم کا شہر ہیں اور جو ازل سے ابد تک کائنات کے علم کے شہر میں داخل ہونا چاہے وہ علی کے دروازے کے بغیر داخل نہیں ہو سکتا' دروازہ کسی جگہ' کوئی حویلی ہو کوئی شہر ہو کوئی جگہ ہو اور وہاں کہا جائے کہ وہ دروازہ ہے' تو دروازے کا وجود اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ اس شہر کے اردگرد فصیل ہے۔

شہر کے اردگرد فصیل ہے' چار دیواری ہے' سوائے اس جگہ کے باقی جگہ سے گزرنا دیوار پھلانگنے کے مترادف ہے' وہ ممنوع ہے اگر فصیل یعنی چار دیواری نہ ہو تو دروازے کا کوئی معنی نہیں ہوتا' اب دروازے کا معنی ہی یہ ہے کہ باقی ہر طرف فصیل ہے' تو حضور ﷺ یہ فرمارہے ہیں مجھے اللہ نے کائنات علم کا شہر بنایا ہے اور چونکہ علم خزانہ الٰہی ہے اور خزانے کو فصیل اور چار دیواری میں بند رکھا جاتا ہے۔ کوئی شخص اگر میرے خزانہ علم تک رسائی حاصل کرنا چاہے تو وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ شیر خدا کے دروازے کی چوکھٹ چومے بغیر نہیں پا سکتا۔ وہ در علی سے گزرے بغیر خزانہ و علم مصطفیٰ کی رسائی نہیں پا سکتا۔ "انا مدینة العلم و علی بابها" میں یہ حدیث پڑھتا تھا اکثر پڑھتا رہا' لیکن اس کی عملی تطبیق Practical Implementation اور شہادت کی سمجھ نہیں آتی تھی' پھر پڑھتے پڑھتے جاکر اچانک ایک نکتہ کھلا اور سمجھ آئی جاکر کہ کیا وجہ ہے کہ چودہ سو سال گزر جانے کے باوجود ولایت کے' طریقت کے' تصوف کے' روحانیت کے جتنے سلسلے آج تک ہوئے ہیں اور ہوں گے وہ سارے کے سارے جناب ذات مصطفوی ﷺ تک حضرت علی رضی اللہ عنہ کے

واسطے سے جاتے ہیں۔ سلسلہ قادری حضور ﷺ تک منتہی ہوتا ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے واسطے سے۔ سلسلہ چشتیہ حضور ﷺ تک منتہی ہوتا ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے واسطے سے۔ سہروردی سلسلہ حضور ﷺ تک منتہی ہوتا ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے واسطے سے۔ سلسلہ نقشبندی ایک سند کے مطابق منتہی ہوتا ہے حضور ﷺ تک حضرت علی رضی اللہ عنہ کے واسطے سے---- یہ تو تھے بڑے سلاسل اور رہ گئے چھوٹے سلسلے وہ تو سارے انہی سلسلوں میں گم ہو جاتے ہیں' تو جب سارے ولایت کے بڑے سلسلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دروازے سے گزر کر شہر ولائت تک جاتے ہیں تو پھر حضور ﷺ کی حدیث کی سمجھ آ جاتی ہے' کہ علم کا شہر میں ہوں اور قیامت تک ولائت کے علم کے لیے دروازہ علی رضی اللہ عنہ کا کھلا رہے گا۔ اس لیے اولیاء کرام کا یہ متفقہ فیصلہ ہے۔ اولیاء' عرفاء اور صوفیاء کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ قیامت تک کسی مرد مومن کو ولائت نہیں مل سکتی جب تک شہنشاہ ولائت سیدنا علی رضی اللہ عنہ شیر خدا کی مہر تصدیق ثبت نہ ہو۔ کوئی شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فیض کا منکر ہو اور دعویٰ ولائت کرے تو وہ دعوے میں جھوٹا ہے۔ کسی کو کوئی ولائت نصیب نہیں ہوتی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے صدقے کے بغیر۔ اور جنہوں نے غوثیت عظمیٰ کے رتبے پائے کوئی غوث اعظم بھی ہوا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قدموں کے صدقے سے اور کوئی ابدال بھی ہوا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قدموں کے صدقے سے۔ ارے یہ خانوادہ ایسا خانوادہ ہے کہ اس کی طرف پشت کر کے ولائت تو درکنار ایمان بھی باقی نہیں رہتا۔ چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضور ﷺ نے اپنا فیض ولائت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے واسطے جاری کرنا تھا اس لیے ایک سچے کی بات کہہ دوں یاد رکھئے گا۔ حضور کے کتنے یار بیان کئے جاتے ہیں؟ چار۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ان میں سے کتنے شہر مدینہ میں دفن ہیں اور کتنے شہر مدینہ کے باہر۔ بتایئے؟ تین حضور ﷺ کے قدموں میں' شہر میں دفن ہیں۔ دو حضور ﷺ کے پہلو میں اور ایک جنت البقیع میں۔ جنت البقیع میں حضور ﷺ ہی کا پہلو ہے۔ تو تین حضور ﷺ کے پہلو میں۔ ویسے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی حضور ﷺ کے پہلو میں ہیں۔ حضور ﷺ کے لیے کوئی قرب اور بعد نہیں ہے۔ حضور ﷺ کے لیے دوری اور نزدیکی کوئی معنی نہیں رکھتی لیکن میں ایک اور بات بتا رہا ہوں۔ تینوں کو اپنے پہلو میں اپنے سائے میں رکھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اجازت دی کہ علی رضی اللہ عنہ تو مرکز ولائت جا کے عراق میں نجف اشرف میں قائم کر۔ میں نے کئی بار سوچا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی یہیں مدینہ میں

اپنے پہلو میں رکھا ہوتا) جس طرح ان تینوں کو رکھا ہوا ہے تو مجھے یہ خبر ملی کہ چونکہ حضور ﷺ نے اپنا فیضان ولائت بڑے کھلے بندوں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے در سے شروع کرنا تھا اور شاگرد جب تک استاد کے پاس رہتا ہے اپنے علم کی جلوہ سامانیاں دکھایا نہیں کرتا' اور شاگرد اگر استاد کے پاس ہو تو وہ ادب میں ہی رہتا ہے جو کوئی اس سے مانگنے آئے گا' وہ کہہ دے گا کہ استاد موجود ہے' یہ بات میری غلط ہے یا صحیح ہے؟ اگر شاگرد استاد کے پاس بیٹھے اور کوئی شاگرد سے پوچھے تو شاگرد استاد کی موجودگی میں جواب دے گا یا نہیں دے گا؟ وہ کہے گا کہ استاد موجود ہے استاد منصب شاگرد کو سونپ دے تو وہ الگ بات ہے۔ لیکن شاگردی کے ادب کا تقاضا یہ ہے کہ استاد کے پہلو میں بیٹھا ہوا شاگرد اپنے فیض کو چھپاتا ہے' اپنا فیض جاری نہیں کرتا' کیونکہ وہ ہمیشہ اپنے استاد کے ادب میں ہی رہتا ہے تو اگر فیضان ولایت جاری کرنا تھا' حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اور ان کو بھی پہلو میں بٹھایا ہوتا تو وہ بھی اسی ادب میں رہتے اور ولائت علویت مآب کا فیض چمکتے ہوئے سورج کی مانند جاری و ساری نہ ہوتا' اس لیے فرمایا کہ علی رضی اللہ عنہ ان پیاروں کو تو اپنے پہلو میں بیٹھاتا ہوں' تجھ کو نجف اشرف میں جگہ دیتا ہوں تاکہ یہ میرے ادب کا حق ادا کرتے رہیں تو میری فیض رسانی کا حق ادا کرتا رہے' یہ میرے پاس میرے ادب کو ملحوظ رکھیں تو میرے فیضان ولایت کو پھیلاتا رہے' بس یہ نسبت ہے' یہ نسبت حضرت علی رضی اللہ عنہ شیر خدا کو حضور کی ذات سے ہے وہ نسبت کسی اور کو کیونکر ہو سکتی ہے' چونکہ قرآن سے پیوست تھے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور قرآن تھا شہر علم اور شہر علم کے یہ دروازہ تھے' اسی لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو علم اور معرفت میں یکتائی کا وہ مقام نصیب ہوا کہ آج تک حضور کی امت میں کسی کو نصیب نہ ہو سکا۔

اور یہ بات جو میں کہہ رہا ہوں مبالغہ آرائی نہیں ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین خود کہتے ہیں' کہ لم یکن احد من الصحابة یقول سلونی الا علینا" صحابہ کہتے ہیں خدا کی قسم ایک لاکھ سے زائد حضور ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم اور غلام تھے' ہر کسی نے چراغ علم مصطفوی ﷺ سے ہی نور پایا تھا لیکن حضور ﷺ کے سارے صحابہ رضی اللہ عنہم کی جمعیت میں کوئی شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سوا ایک بھی ایسا صحابی نہ تھا جو بنی نوع انسان کو یہ چیلنج کر سکے' "سلونی" کہ جو چاہو مجھ سے پوچھ لو۔ یہ کون کہہ رہا ہے حضور کے صحابہ' یہ کتنا اعتراف عظمت ہے' صاحب عظمت کی عظمت کا اعتراف کیوں نہ کیا جائے۔ تو مولود کعبہ یوں ہی تو نہیں بنایا' آپ نے کیا خوب کہا ایمان تازہ کر دیا' یہ مولود کعبہ

ہونے کا شرف کسی اور کو نصیب ہوا ہو' یہ کوئی معمولی بات نہ تھی۔ یہ نگاہ ازل کا انتخاب ہو چکا تھا۔ ازل سے نگاہ آدمیت کا انتخاب ہو چکا تھا کہ ولایت مصطفوی ﷺ کا جانشین کسے بنانا ہے' تو میں عرض یہ کر رہا تھا کہ حضور ﷺ کے صحابہ فرماتے ہیں۔ اللہ کی قسم ہم تمام صحابہ رضی اللہ عنہم میں کسی شخص کو یہ جرات نہ تھی' حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سوا کہ وہ مسند پر کھڑا ہو کر یہ کہہ سکے کہ "سلونی" جو چاہو مجھ سے پوچھ لو۔ جہاں تک میرے ناقص اور محدود مطالعے کا تعلق ہے' سلونی کے لفظ میں نے دو ہستیوں کی زبان سے سنے' یا جناب ذات پاک محمد مصطفےٰ ﷺ کی زبان سے ادا ہوئے ہیں' "سلونی عما شئتم" حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم سے لے کر قیامت تک جو اصل شکلیں اور صورتیں ہیں وہ میرے اوپر منکشف کر دیں' میں نے آدم سے لے کر ہر انسان کو دیکھ لیا ہے اور میں جانتا ہوں کون مومن ہے اور کون کافر ہے' چھپائے کوئی چھپ نہیں سکتا' حضور ﷺ نے فرمایا مجھ پر سب کچھ منکشف ہے۔ اس دور کے منافقوں نے عبداللہ بن ابی اور ایسے لوگوں نے کہا اپنی محفلوں میں طعنہ دیا دیکھئے اس محمد ﷺ کا حال ہم صبح شام اس کے ساتھ رہتے ہیں ہم اوپر سے کلمہ پڑھتے ہیں اندر سے انہیں نہیں مانتے' ہماری تو آج تک یہ پہچان نہیں کر سکے اور کہتے ہیں کہ میں قیامت تک کے مومنوں کافروں اور منافقوں کو جانتا ہوں۔ کتنی عجیب بات ہے' ہمیں تو جانتا نہیں ہے قیامت کی بات کرتا ہے' تو حضور ﷺ مسند پر تشریف فرما ہوئے اور آپ نے فرمایا۔ "ما بال اقوام طعنو فی علمی" ان بد قسمت اور بدنصیب لوگوں کا کیا حشر ہو گا جو علم مصطفوی ﷺ پہ طعنہ کرتے ہیں' جو میرے علم پر طعنہ زنی کرتے ہیں' ان کا کیا حال ہو گا۔؟ یہ بات کرتے کرتے پھر حضور ﷺ نے کیا اعلان کیا؟ وہی جہاں سے بات چلی تھی۔ "سلونی عما شئتم" آؤ جو تمہارے جی میں آئے مجھ سے پوچھ لو' تو یہ دعویٰ سب سے پہلے کس نے کیا۔؟ رسول پاک ﷺ نے۔ "سلونی عما شئتم" آؤ مجھ سے پوچھو جو چاہتے ہو پوچھو' کسی نے اپنے نطفے کی بابت پوچھا' کسی کو لوگ کہتے تھے کہ تو نطفہ حرام ہے اس نے کہا آج اگر شہر علم مصطفوی ﷺ جوش میں ہے۔ تم اپنا مسئلہ ہی حل کروالو' کھڑا ہو کر کہنے لگا بتایئے میرا باپ کون ہے؟ آپ نے کہہ دیا تو فلاں کا نہیں بلکہ فلاں کا نطفہ ہے۔ اس کا مسئلہ نسل کا حل ہو گیا۔ ایک اور شخص اٹھا۔ بتایئے جی' میں کس کا ہوں؟ حضور ﷺ نے فرمایا' تو فلاں کا ہے اس کا مسئلہ نسبت بھی حل ہو گیا۔ کسی نے سمجھا کہ یہ نطفوں کی بات کرنا تو اس دنیا کی بات ہے' میں

قیامت کے بعد کی بات پوچھتا ہوں' آپ تو قیامت کی بات کرتے ہیں' میں قیامت کے بعد کی بات پوچھتا ہوں' ایک شخص کھڑا ہوا بتایئے جی' میں مرنے کے بعد' قیامت کے بعد دوزخ جاؤں گا یا جنت میں؟ حضورؐ نے فرمایا۔ تو جہنم میں جائے گا' بات کیا تھی۔ "اخبرنا بما ہو قائن الی یوم القیامۃ" قیامت تک جو کچھ ہونے والا تھا حضور ﷺ نے سب کچھ بیان کر دیا۔

تو میں عرض یہ کر رہا تھا کہ سلونی کا دعویٰ کس نے کیا؟ حضور پاک ﷺ نے اور پھر حضور ﷺ کی امت میں سے حضور ﷺ کے اذن اور حضور ﷺ کے فیض کے اثر سے سلونی کا دعویٰ کس نے کیا؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ شیر خدا نے۔ تیسری ہستی سلونی کہتی ہوئی کوئی دکھائی نہیں دیتی۔ بات پھر وہی ہے کہ جو خاص نسبت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضور ﷺ کی ذات سے ہے سارے فیضان اسی نسبت کے پرتو ہیں' ارے حدیث میں آتا ہے کہ جب حضور ﷺ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آگئے نا تو آپ نے مواخات کا واقعہ تو پڑھا ہو گا... نا... تو حضور ﷺ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو آپس میں بھائی بھائی بنا دیا۔ اللہ تعالیٰ آپ میں بھی مواخات پیدا کرے۔ (آمین الٰہی آمین) اللہ تعالیٰ آپ کو بھی بھائی بھائی بنا دے' ایک صحابی کو اٹھایا دوسرے صحابی کو اٹھایا۔ ایک مہاجر کو اور ایک انصاری کو فرمایا تم دونوں بھائی ہو' دوسرے کو اٹھایا ایک مہاجر صحابی اور ایک انصاری سے فرمایا۔ تم دونوں بھائی ہو' تو رسول پاک ﷺ نے بیشمار صحابہ رضی اللہ عنہم کو آپس میں بھائی بھائی بنا کر جائیدادوں تک میں شریک کر دیا' حدیث پاک میں آتا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ذکر اس مجلس میں نہ آیا۔ حدیث میں آتا ہے کہ آپ کے چشمان مقدس سے آنسو رواں ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور روتے روتے حضور ﷺ کی بارگاہ میں آئے۔ عرض کیا' یا رسول اللہ ﷺ آپ نے سارے صحابہ رضی اللہ عنہم کو آپس میں بھائی بھائی بنا دیا لیکن مجھے کسی کے ساتھ بھائی نہیں بنایا۔ یا رسول اللہ ﷺ! "اخیت بینھم و لکن لاتواخ بینی و بینک" آقا ﷺ! ہر ایک کو بھائی بھائی بنا دیا لیکن مجھے کسی کے ساتھ بھائی نہیں بنایا۔ حضور ﷺ نے فرمایا علی! میں تجھے کس کے ساتھ بھائی بناؤں خدا نے مجھے اور تجھے دنیا اور آخرت میں بھائی بنا دیا ہے۔ "اخا اللہ بینی و بینک فی الدنیا والاخرۃ" دوسروں کی مواخات میں نے کی ہے۔ تیری اور میری مواخات ہمارے رب نے کی ہے اور یہی وجہ تھی کہ یہ شرف قدرت نے حضرت علی رضی اللہ عنہ شیر خدا کو

عطا کیا ہے کہ وہ باب شہر علم ہوئے۔ باب مدینہ علم ہوئے اور "سلونی" کہنے کے مقام پر فائز ہوئے۔ اس مقام سلونی کی تفسیر حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کرتے ہیں' وہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی رضی اللہ عنہ ہیں' وہ کہتے ہیں۔ "انزل القران علی سبعة احرف" ابھی تصوف کی کلاس تھی عشاء کی نماز سے پہلے اور میں وہاں شریعت کے ظاہر اور باطن ان دو کا ذکر کر رہا تھا اور جو حدیث اب بیان کر رہا ہوں' اسی کے حوالے سے بات کو وہاں سمجھا رہا تھا کہ شریعت کا ظاہر بھی ہے اور شریعت کا باطن بھی ہے اور دونوں موجود بھی ہیں اور جدا بھی نہیں ہیں۔ یہ ایک دوسرے کے ساتھ لازم و ملزوم ہیں۔ بات کرتے ہوئے میں نے یہ حدیث بیان کی ہے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔ "انزل القران علی سبعة احرف ولکل آیت و فی روایة و لکل حرف منها ظهر و بطن و ان علی ابن ابی طالب عنده من الظاهر و الباطن"۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ نے قرآن کو سات مختلف قراتوں پر نازل کیا اور ہر ہر قرات میں قرآن کی ہر آیت اور ہر ہر حرف کا ایک ظاہر معنی ہے اور ایک باطن معنی ہے۔

اور فرماتے ہیں کہ اے صحابہ رضی اللہ عنہم رسول صلی اللہ علیہ وسلم بتا دوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں ایک ہستی ایسی بھی ہے اور وہ علی شیر خدا کی ہے کہ جس کے دامن میں قدرت نے ظاہر قرآن بھی جمع کر دیا اور باطن قرآن بھی جمع کر دیا۔ چونکہ قرآن کا ظاہر بھی دامن علی رضی اللہ عنہ میں اور قرآن کا باطن بھی دامن علی میں اور جو قرآن کے ظاہر اور باطن دونوں کو سمیٹے ہوئے ہو اس کی نسبت کیوں نہ کہا جائے۔ "فسئلو اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون" قرآن والے سے پوچھو جو قرآن کے ظاہر سے بھی باخبر ہے جو قرآن کے باطن سے بھی باخبر ہے اگر تمہیں کسی چیز کی خبر نہ ہو اور یہ صرف صحابہ رضی اللہ عنہم کا کہنا نہ تھا۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ' کو خود بھی اس مقام و منصب کا شعور تھا۔ "سلونی عن کتاب الله والله مانزلت من اية الا و قد عرفت ام بالیل نزلت ام بالنهار" مجھ سے خدا کی کتاب قرآن کے بارے میں پوچھو۔ خدا کی قسم! کوئی آیت آج تک ایسی نازل نہیں ہوئی جس کے بارے میں مجھے یہاں تک خبر نہ ہو کہ وہ رات کی کس گھڑی میں اتری ہے یا دن کے کس حصے میں اتری۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت لیٹ تو رہے ہوتے اپنے گھر میں' اپنے خلوت کدوں میں' اپنی ازواج مطہرات کے ہاں' گھر کی خلوت

کی بات ہے، وہاں آیتیں اتریں لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں مجھے خبر ہے، وہ رات میں اتری یا دن میں، کس گھڑی میں اتری اور ایک مقام پر حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ "وما نزلت ایة الاوقد علمت فی من نزلت وعلی من نزلت واین نزلت وفی ما نزلت۔" خدا کی قسم، قرآن کی کوئی آیت اب تک ایسی نازل نہیں ہوئی جس کے بارے میں مجھے نہ پتہ ہو کہ وہ کس موضوع پر نازل ہوئی کس جگہ پر نازل ہوئی اور کس شخص کے حق میں نازل ہوئی۔ قرآن کے بارے میں، اتنی باخبری۔ یونہی تو امام جلال الدین سیوطی علیہ رحمتہ نے ابن عساکر کے حوالے سے بیان نہیں کیا وہ کہتے ہیں صرف قرآن کی تین سو آیتیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں اتریں اور وہ کہتے ہیں کہ جتنی آیتیں قرآن کی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نسبت اتریں اتنی کسی اور صحابی رضی اللہ عنہ کی بابت نہیں اتریں۔ کیونکہ یہ اہل الذکر تھے۔ یہ قرآن والے تھے اور قرآن سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہی تعلق تھا کہ ملاں علی قاری" فرماتے ہیں یہ قرآن سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے تعلق کی بات کر رہا ہوں۔ تعلق کا یہ عالم تھا کہ وہ کہتے ہیں کہ جب کبھی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے باہر سفر پہ جانا ہوتا اور وہ گھوڑے پر سوار ہوتے، سوار ہوتے ہوئے گھوڑے کی ایک طرف دایاں پاؤں آدمی رکھتا ہے نا، رکاب میں، تو ملاں علی قاری فرماتے ہیں کہ گھوڑے کی رکاب سے قدم رکھتے اور الحمد سے قرآن کی تلاوت شروع کرتے اور دوسرے رکاب پر قدم رکھنے سے پہلے والناس تک قرآن کو ختم کر لیتے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فیض سے بے نیاز ہو کر کوئی ایسا قاری ہو کے تو دکھائے۔ ایک رکاب پہ قدم رکھتے اور دوسری رکاب پہ قدم رکھنے سے پہلے الحمد سے والناس تک قرآن کی تلاوت کو ختم کر دیتے، یہ پورے قرآن کو پڑھنا یہ سنت کی ایک جھلک اگر مقام حسنیت رضی اللہ عنہ کا بیان ہوتا تو سنت کی دوسری جھلک سنتے اور اگر مقام حسینیت رضی اللہ عنہ کا بیان ہوتا تو سنت کی تیسری جھلک سنتے، میں یہ سمجھتا ہوں کہ خانوادہ اہل بیت رضی اللہ عنہ کی نسبت سے سب ایک ہیں اگر آپ نے یا اور کسی نے دو بنا رکھا ہے تو وہ اس کی کم عقلی ہے، بے بصیرتی ہے، بے خبری ہے، اس کی بدبختی ہے، سب ایک ہیں ہر کوئی منگتا ہے، بھکاری ہے خانوادہ اہل بیت رضی اللہ عنہ کا، خانوادہ اہل بیت کے سامنے دامن مراد پھیلائے بغیر کوئی شخص نہ اس دنیا کا ہے نہ آخرت کا ہے۔

یہ جو کچھ عرض کر رہا ہوں یہ حق ہے، میں درویش آدمی ہوں میں جو کچھ کہہ رہا ہوں میرا خدا گواہ ہے، آپ کی خوشی کی خاطر نہیں کہہ رہا ہوں اپنے ایمان کی شہادت دے رہا

ہوں۔

میری یہ تقریر اگر یوم علی رضی اللہ عنہ کے موقع پر اہلسنت کے جلسے میں ہوتی تو کوئی ایک بیان بھی اس سے مختلف نہ ہوتا' میں منافقت کا روادار نہیں ہوں اور جب یہ حق ہے تو میں سمجھانے آیا ہوں کہ شیعیت کی حقیقت کیا ہے؟ آپ نے جناب قیصر باروی صاحب سے سن لیا کہ سنیت کی حقیقت کیا ہے' وہ اب سن لی تو اس میں تفریق اور جنگ کو روا رکھنا سوائے منافقت کے اور کچھ نہیں ہے اگر یہ بات حق ہے تو پھر آپس میں بھائی بھائی بنئے اور مواخات کے اس تعلق کو تحریک بنائیے اس ملک میں پھیلائیے یہ مملکت خداداد آپ کا ملک ہے یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اہل بیت رضی اللہ عنہم کے قدموں کا صدقہ ہے' یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کا صدقہ ہے اس کو قائم اور دائم رکھئے' اس کو آباد رکھیے اگر یہ چمن اجڑ گیا تو نہ شیعیت کا کوئی حشر حال ہوگا نہ سنیت کا...

آپ کو یاد نہیں کہ جب بنو عباس کی آخری خلافت تھی خلیفہ مستعصم باللہ خلیفہ تھا اس کا ایک بیٹا ابوبکر وہ سنیوں کی سرپرستی کر رہا تھا اور اس دور کا وزیراعظم ابن علقمی اس دور کے شیعوں کی سرپرستی کر رہا تھا اور امت مسلمہ اسی بدبختی کا شکار اس وقت بھی ہو چکی تھی جس طرح بدبختی کا شکار آج کراچی کی سرزمین اور پاکستان کی سرزمین ہے' تو نتیجہ کیا ہوا؟ مناظرے ہو رہے تھے اور تاتاری فتنہ اسلامی سلطنت کو ہمیشہ کے لیے لقمہ اجل بنانے کے لیے تل رہا تھا' یہاں تک کہ اسے دعوت دی گئی کہ تو آ خلافت بغداد کو تباہ کر دے' ہلاکو خان حملہ آور ہوا' خلافت بغداد پر خلافت بنو عباس پر' تاریخ کا ایک ایک ورق شاہد ہے کہ اس کی تلوار شیعہ سنی کے امتیاز کے بغیر چلی اور آن واحد میں اس ہلاکو فتنے کی تلوار نے تیس لاکھ سنی شیعہ مسلمانوں کو قتل کر دیا۔ تیس لاکھ مسلمانوں کو شہید کر دیا۔ جب ہلاکو خان کی تلوار' جب باطل اور کفر کی تلوار خلافت بغداد کے خاتمے کے لیے چلتی ہے' جب وہ ہندوستان کی سرزمین آسام پر چلتی ہے' جب وہ افغانستان کی سرزمین پر چلتی ہے' جب وہ لبنان کی سرزمین پر چلتی ہے' جب وہ کسی جگہ چلتی ہے تو تلوار کی آنکھیں شیعہ اور سنی کے امتیاز کو نہیں دیکھتیں۔

بدبخت مسلمانو! تم نے خود کو تفرقہ و انتشار میں مبتلا کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی تباہی کی قسم کھالی ہے اور اگر تمہیں چمن کی آبادی کی فکر ہے تو میرے مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کا چمن سنبھالو۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کل کی کل سلامت رہ گئی تو تمہاری شیعیت بھی سلامت رہے گی تمہاری سنیت بھی سلامت رہے گی اور اگر اسلام پر کفر کی ہوا چل گئی تو پھر

تمہارا نام صفحہ ہستی سے مٹا کے رکھ دے گی۔

حاضرین محترم! یہ سیدنا حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کے مقام، منصب کی بات تھی کہ اللہ رب العزت نے قرآن کی تفسیر کا وہ مقام عطا کیا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے علم کا دروازہ ہونے کا شرف عطا فرمایا' صوفیاء نے قیامت تک اپنی بزم ولایت کا صدر ان کو بنا دیا۔ اولیاء نے قیامت تک اہل صفاء کا سرپرست انہیں بنایا۔ ارے جب اول سے آخر تک نہ کوئی ولی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بھیک کے بغیر ولایت پر سرفراز ہو' نہ کوئی صاحب صفاء حضرت علی رضی اللہ عنہ کے تصرف کے بغیر صفاء باطن کی دولت سے بہرہ ور ہو' نہ کوئی صاحب قطبیت و غوثیت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فیضان کرم اور ان کی توجہ باطنی کے بغیر کسی مقام پر فائز ہو' نہ کوئی اہل ایمان جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بغیر اپنے ایمان کی دولت بچا سکے تو آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا در چھوڑ کر اس نسبت کو چھوڑ کر کس نسبت کی تلاش میں ہیں' اس لیے میری آپ لوگوں سے درخواست ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس محبت کی نسبت کو بنیاد وحدت بنایئے اور حضرت علی کی محبت کی خاطر آپس کے اختلافات کو ہمیشہ کے لیے دفن کر دیجئے۔

خدا کی ذات آپ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ولایت کے صدقے اور کرم سے اور خانوادہ نبوت اور نفوس مقدس صحابہ رضی اللہ عنہم اور خانوادہ اہل بیت رضی اللہ عنہم کے ایک ایک قدسی صفت انسان کے صدقے آپ کو اور سب کو ہمیشہ کے لیے آباد و شاد رکھے۔ (الٰہی آمین)

اللھم صلی علی سیدنا و مولنا محمد و علی الہ واصحابہ و بارک وسلم

ڈاکٹر طٰہٰ حسین
(ترجمہ) عبدالحمید نعمانی

عہد رسالت ﷺ میں

تاریخ کے صفحات شہادت دیتے ہیں کہ حضور سرور کائنات کو جس قدر مشکلات پیش آئیں ان میں سے ہر مشکل کے موقع پر حضرت علیؓ آپ ﷺ کے معاون و مددگار رہے۔ جب قریش مکہ نے حضور ﷺ اور آپ کے متبعین کا مقاطعہ کرکے ایک گھاٹی میں محصور ہو جانے پر مجبور کردیا تو اس نازک موقعہ پر بھی حضرت علیؓ نے آنحضور ﷺ کی رفاقت ترک نہ کی۔ بلکہ بڑے استقلال سے تین سال تک دیگر صحابہ کے ساتھ بھوک پیاس اور متعدد قسم کے مصائب برداشت کرتے رہے۔

ہجرت کے نازک بلکہ ہلاکت آمیز موقعہ پر بلا جھجک حضور ﷺ کے بستر پر لیٹ گئے اور اس طرح انہوں نے آپ کے حقیقی جان نثار ہونے کا اتنا بڑا ثبوت دیا کہ تاریخ کے صفحات اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہیں۔

اسلام کے لیے جتنی جنگیں لڑی گئیں ان میں جنگ تبوک کے سوائے وہ ہر جنگ میں حضور ﷺ کے ساتھ رہے اور آپ ﷺ کی حفاظت میں تلوار کے ایسے جوہر دکھائے کہ ان کی تلوار ذوالفقار ضرب المثل کی حیثیت رکھتی ہے۔ انہوں نے ان جنگوں میں اسلام کے بیسیوں دشمنوں کو موت کی نیند سلانے کے ساتھ ساتھ اپنے جسم پر بھی متعدد زخم کھائے جن

میں سے بعض بے حد خطرناک تھے۔ انہوں نے حضور ﷺ کی حفاظت اور اسلام کی مدافعت کے لیے کتنی ہی بار اپنی جان کو ہر خطرے میں ڈال دیا۔

انہوں نے اسلام کی خدمت صرف تلوار اٹھا کر ہی نہیں کی۔ ان کے قلم نے بھی اسلام کی خدمت میں بیش از بیش حصہ لیا۔ حضور سرور کائنات ﷺ نے جن چند اکابر صحابہ کو وحی قلمبند کرنے کے لیے منتخب کیا ان میں حضرت علیؓ کا نام بھی شامل تھا۔ نزول وحی کے آغاز سے لے کر اس روز تک جب دین کے مکمل ہونے کی اطلاع آئی۔ حضرت علیؓ کاتب وحی کی حیثیت سے کتاب الٰہی کو قلمبند فرماتے رہے۔

حضور ﷺ سرور کائنات نے اہم امور میں مشورے لینے کے لیے جو مجلس مشاورت قائم کی تھی۔ حضرت علیؓ اس کے اہم رکن تھے اور حضور ﷺ نے بعض بڑے نازک مواقع پر ان سے مشورے طلب کیے تھے۔

یمن میں تبلیغ

حضور سرور کائنات ﷺ کی بعثت کا اصل مقصد تبلیغ اسلام تھا اس مقصد کے حصول کیلئے آپ نے ساری عمر کوشش جاری رکھی۔ اس کے طریقے مختلف تھے۔ خود حضور ﷺ نے فرداً فرداً بھی تبلیغ کی۔ اجتماعات کو بھی خطاب فرمایا۔ وطن میں بھی تبلیغ کی۔ تبلیغ کیلئے وطن سے باہر بھی تشریف لے گئے۔ رؤسا و امراء ملک کو تبلیغی خطوط بھی لکھے اور اپنے معتمدین کو بھی مختلف علاقوں میں تبلیغ اسلام پر مامور فرمایا۔ ایسا ہی ایک امر یمن میں پیش آیا۔ یمن میں آپ ﷺ نے حضرت خالد بن ولید کو تبلیغ اسلام کے لیے بھیجا۔ حضرت خالد بن ولید نے چھ ماہ تک پوری کوشش کی کہ لوگ اسلام کی دعوت قبول کرلیں مگر اس میں کامیابی نہ ہوئی تب حضور ﷺ نے حضرت خالدؓ کی بجائے حضرت علیؓ کو اس مقدس فریضے کی ادائیگی کیلئے منتخب فرمایا۔ ابتدا میں حضرت علیؓ نے اس بار گراں کو اٹھانے سے پس و پیش ظاہر کی اور کہا کہ "یا رسول اللہ! آپ ﷺ مجھے ایسی قوم میں بھیج رہے ہیں جہاں مجھ سے زیادہ تجربہ کار اور زیادہ عمر والے لوگ موجود ہیں۔ مجھے تو بہت دشواری پیش آئے گی۔" یہ سن کر حضور ﷺ نے ان کے حق میں دعا فرمائی کہ اے اللہ اس کی زبان کو راستی عطا فرما۔۔۔ پھر اپنے دست مبارک سے حضرت علی کے عمامہ باندھ کر علم عطا فرمایا اور تبلیغ اسلام کیلئے یمن بھیج دیا۔ حضرت علیؓ نے یمن پہنچ کر اس قدر موثر اور دل نشین طریقے سے لوگوں کے سامنے اسلام کی تعلیم پیش کی کہ چند ہی روز میں بہت سے لوگ اسلام لے آئے اور ایک

قبیلہ ہمدان تو سارے کا سارا مشرف بہ اسلام ہو گیا۔ (زرقانی جلد سوم وفتح الباری جلد ہشتم)

حضرت علیؓ نے حضور ﷺ کے عہد مبارک میں بعض بڑے اہم مناصب پر بھی کام کیا۔ جن میں سے یمن کی تحصیل وصول کا کام خاص طور سے قابل ذکر ہے۔ موجودہ اصطلاح میں ہم انہیں یمن کا وزیر مال کہہ سکتے ہیں۔ جب ایک ایسے صاحب عقل وفہم اور دیانت دار شخص کی ضرورت پیش آئی جو یمن جاکر وہاں تحصیل وصول کا فریضہ انجام دے اور حسابات کی نگرانی بھی کر سکے تو حضور ﷺ کی نگاہ انتخاب حضرت علی پر پڑی اور آپ نے انہی کو اس اہم خدمت پر مامور فرمایا۔ حضرت علی نے یمن تشریف لے جاکر بڑی دیانت داری اور بغیر رو رعایت تحصیل وصول اور حسابات کی نگرانی کا کام انجام دیا۔ شاید اسی بے رو رعایت کام کرنے کا نتیجہ تھا کہ بعض لوگ حضرت علیؓ سے ناراض ہو گئے۔ ان کے طور طریق پر اعتراض کئے گئے۔ مال غنیمت کی تقسیم کا معاملہ بھی زیر تنقیص آیا اور سرور کائنات ﷺ کی خدمت میں بھی ان کی شکایت کی گئی۔ چنانچہ حجتہ الوداع سے واپس ہوتے وقت غدیر کے مقام پر جب حضرت علیؓ کی حضور ﷺ سے ملاقات ہوئی تو آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کا ہاتھ پکڑ کر لوگوں کو مخاطب کیا اور فرمایا۔

"من کنت مولاہ فعلی مولاہ" (سنن ترمذی وابن جہ)

("جس کا میں مولا ہوں اس کا علی مولا ہے" یہاں مولا کے معانی دوست کے ہیں)

یہ بہت بڑا اعزاز تھا۔ جو حضور ﷺ سرور کائنات ﷺ کی طرف سے حضرت علیؓ کو عطا ہوا تھا۔ اس ارشاد میں جہاں الزامات سے حضرت علیؓ کی بریت ثابت کی گئی تھی۔ وہاں حضرت علیؓ کے مرتبہ کا بھی تعین کیا گیا تھا۔ نہ صرف یہ بلکہ مستقبل میں پیش آنے والے واقعات میں حضرت علیؓ کے کردار کی طرف بھی واضح اشارہ فرمادیا گیا تھا۔

اس کے علاوہ رسول اللہ نے ایک بار انہیں یمن کا قاضی بھی مقرر فرمایا تھا اور یمن میں جس قدر مقدمات پیش آتے تھے وہ سب حضرت علیؓ کی عدالت سے فیصل ہوتے تھے۔ اس اعتبار سے آپ یمن کے چیف جسٹس تھے۔ (مسند ابن حنبل جلد اول)

خلفائےؓ ثلاثہ کے عہد میں

حضور سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے بعد سے لے کر حضرت علیؓ کی بیعت خلافت تک کے زمانے پر نظر ڈالنے کے بعد ایک قاری کو یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے اس دور میں حضرت علیؓ پس منظر میں چلے گئے تھے۔ کیونکہ اس دور میں نہ تو ان کی طرف

سے کسی جنگ میں شرکت کا ثبوت ملتا ہے' نہ انہیں کسی صوبہ کی گورنری پر فائز کیا گیا اور نہ انکے ہاتھ سے بظاہر کوئی اہم کارنامہ سرانجام پایا۔ اس صورت حال نے تاریخ اسلام میں بعض بڑے الجھے ہوئے ابواب کا اضافہ کیا اور امت بڑی بڑی غلط فہمیوں کا شکار ہو گئی۔

اس میں شک نہیں کہ جب ہم اس امر پر غور کرتے ہیں تو ہماری حیرانی کی کوئی حد نہیں رہتی کہ ایک ایسا جلیل القدر اور جری دل انسان جس نے اپنی زندگی کا بہت بڑا حصہ خدمت اسلام میں گزارا۔ اپنے آپ کو موت کے منہ میں ڈال دیا مگر اسلام پر آنچ نہ آنے دی۔ جس کا علم و فضل' زہد و تقویٰ اور شجاعت مثالی حیثیت رکھتی تھی۔ وہ رسول کریم ﷺ کی آنکھ بند ہوتے ہی یک بیک گوشہ نشین کیوں ہو گیا اور اس وقت تک میدان میں نہ آیا جب تک مسند خلافت پر فائز ہونے کی وجہ سے مجبور نہ ہو گیا۔

بظاہر اس کا ایک جواب ہے اور وہ یہ کہ حضور ﷺ کے تینوں خلفا رضی اللہ عنہم کے نزدیک حضرت علیؓ کا وجود بے حد قیمتی تھا۔ حضور ﷺ سرور کائنات تو دنیا سے تشریف لے جا چکے تھے آپ ﷺ کے بعد حضرت علیؓ کا وجود ہی ایسا وجود تھا جس نے حضور ﷺ کی صحبت سے سب سے زیادہ فیض اٹھایا تھا۔ جو خلوت و جلوت میں حضور ﷺ کے ساتھ رہا تھا۔ وہ حضور ﷺ کا براہ راست تربیت یافتہ تھا۔ خلفائےؓ ثلاثہ نہیں چاہتے تھے کہ ایسے قیمتی وجود کو ضائع کر دیں۔ وہ اسے ہر وقت اپنی آنکھوں کے سامنے رکھنا چاہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے حضرت علیؓ کو نہ تو کسی جنگ میں بھیجنا پسند کیا اور نہ کسی صوبہ کا گورنر بنا کر مدینہ سے باہر رکھنا گوارا کیا۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ حضرت علیؓ نے خلفائےؓ ثلاثہ کے عہد میں ملکی و انتظامی معاملات میں کوئی حصہ نہیں لیا۔ اس زمانے کی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ حضرت ابو بکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ تینوں خلفاء نے حضرت علیؓ کی خدمات سے فائدہ اٹھایا اور حضرت علیؓ نے ان سے پوری طرح تعاون کیا۔ انہوں نے ہر نازک موقعہ پر حضرت علیؓ سے مشورے طلب کیے اور ان کے مشوروں پر کاربند بھی ہوئے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ خلفائے ثلاثہ کے عہد حضرت علیؓ کی حیثیت مشیر خصوصی کی تھی۔ اس دور میں اہم امور کے متعلق فتوے دینے کا کام بھی حضرت علیؓ کے سپرد تھا بلکہ حضرت علیؓ اس عہد کے مفتی اعظم تھے۔

جب اسلامی فوجیں مشرق و مغرب اور شمال و جنوب کی طرف پیش قدمی کرتی ہوئی فتح و نصرت کے پرچم اڑا رہی تھیں۔ اس وقت حضرت علیؓ گوشہ تنہائی میں بیٹھے صرف اللہ اللہ ہی

نہیں کر رہے تھے۔ بلکہ وہ اس وقت مسجد نبوی میں دینیات فلسفہ و منطق اور تاریخ کے علوم پر درس دے رہے تھے۔ اس طرح انہوں نے خلفائے ثلاثہ کے عہد میں مسلمانوں کی ذہنی تربیت اور علمی ترقی میں اہم کردار ادا کیا۔ اس لیے یہ سمجھنا درست نہیں ہے کہ رسول اللہ کی وفات کے بعد سے لے کر اپنی بیعت خلافت تک کے درمیانی عرصے میں انہوں نے مسلمانوں کے انتظامی اور دینی امور میں کوئی حصہ نہیں لیا اور ہر معاملے سے دست کش رہے۔

حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں

اس میں شک نہیں کہ حضور ﷺ کے وصال کے بعد جب اہل مدینہ نے حضرت ابو بکر ؓ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کی تو ابتدا میں حضرت علیؓ نے بیعت کرنے سے احتراز کیا۔ مگر یہ مسلمہ امر ہے کہ کچھ عرصے کے بعد انہوں نے حضرت ابو بکرؓ کو اپنے گھر بلایا۔ دونوں میں گفتگو ہوئی جو خالص مصالحانہ تھی۔ کچھ شکوہ و شکایات ہوئیں اور پھر حضرت علیؓ نے حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ ابتدا میں حضرت علیؓ کی بیعت سے دست کشی تاریخ اسلام میں بہت اختلافی موضوعات کا باعث بنی اور مورخین کی اکثریت اس نتیجہ پر پہنچی کہ حضرت علیؓ اپنے آپ کو خلافت کا زیادہ مستحق سمجھتے تھے اور چونکہ ان کا حق انہیں نہیں دیا گیا تھا۔ اس لیے وہ بیعت سے دستکش ہو گئے۔ مگر پھر اپنے حق کی قربانی منظور کر کے اور اسلام کے استحکام کے پیش نظر انہوں نے حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی کہ مبادا ان کے بیعت نہ کرنے سے امت میں تفرقہ پیدا ہو جائے۔ گو مورخین کا یہ خیال درست نہیں کہ حضرت علیؓ خلافت کے خواہشمند تھے۔ تاریخ ثابت کرتی ہے کہ وہ نہایت بے نفس اور مستغنی المزاج انسان تھے۔ لیکن اگر یہ خیال درست بھی تسلیم کر لیا جائے تو بھی اعتراف کرنا پڑے گا کہ حضرت علیؓ نے غیر معمولی ایثار سے کام لیا۔ انہوں نے حضرت ابو بکرؓ کی بیعت کر کے نظم و ضبط اور تعاون کا بے مثال نمونہ قائم کیا اور امت کو بہت بڑے ابتلاء سے بچالیا۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کے مسند خلافت پر بیٹھتے ہی منکرین زکوٰۃ ' مرتدین اور جھوٹے مدعیان نبوت کے ہاتھوں اسلام بہت بڑی مصیبت میں مبتلا ہو گیا تھا۔ اگر اس وقت حضرت علیؓ اپنے عقیدت مندوں کو منظم کر کے اپنے حق کے لیے صف آرا ہو جاتے تو حالات اس درجہ نازک صورت اختیار کر لیتے کہ ہم ان کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔

مگر تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ حضرت علیؓ نے نہ صرف حضرت ابو بکرؓ کی بیعت کر لی بلکہ انہوں

نے عملی امداد بھی فرمائی۔ چنانچہ جب مدینہ اور اہل مدینہ بلکہ بالفاظ دیگر اسلام سخت فتنوں میں مبتلا ہو گیا اور باغیوں نے مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں تو حضرت ابو بکرؓ نے اہل مدینہ کو جمع کر کے ایک لشکر مرتب کیا۔ جسے تین حصوں میں تقسیم کر کے مدینہ کے اہم ناکوں پر متعین کر دیا۔ ان میں سے ایک حصہ لشکر کے سالار حضرت علیؓ تھے۔ تاریخ شہادت دیتی ہے کہ حضرت علیؓ نے آخر تک مدینہ کی حفاظت کی اور تاوقتیکہ فتنوں کا سدباب نہ ہو گیا اور اہل مدینہ نے اپنے آپ کو محفوظ تصور نہ کیا۔ حضرت علیؓ نے اپنی جگہ نہ چھوڑی۔

حضرت ابو بکرؓ کو بھی حضرت علیؓ کے تعاون اور اس ابتلاء میں ثابت قدم رہنے کا پورا احساس تھا۔ پھر وہ حضرت علیؓ کے بلند مرتبہ، ان کے علم و فضل اور اصابت رائے کے بھی قائل تھے یہی وجہ ہے کہ انہوں نے آخر تک حضرت علیؓ کی دلداری کی۔ وہ حضرت ابو بکرؓ کی مجلس مشاورت کے اہم رکن تھے اس کے علاوہ تین اہم محکموں کے بھی انچارج تھے۔ داخلی اور خارجی امور کے متعلق ساری خط و کتابت انہیں کی زیر نگرانی ہوئی تھی اسیران جنگ کی نگہداشت بھی ان ہی کے سپرد تھی۔ زر فدیہ کا حساب بھی وہی رکھتے تھے۔

حضرت عمرؓ کے عہد میں

حضرت ابو بکرؓ کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے تو دوسرے صحابہ کی طرح حضرت علیؓ نے بھی بغیر کسی پس و پیش کے ان کی بیعت کر لی اور آخر تک ان کے ساتھ تعاون کرتے رہے۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں بھی حضرت علیؓ ان کے مشیر خصوصی تھے۔ وہ ان کے مشوروں کی بے حد قدر کرتے اور ان کے مشوروں کو دوسروں کے مشوروں پر ترجیح دیتے تھے۔ بلکہ حضرت عمرؓ نے جس قدر انتظامی اور اصلاحی اقدامات کیے تھے ان میں سے بعض حضرت علیؓ کے مشوروں کے رہن منت تھے۔

تاریخ کے ابتدائی طالب علم کی نظر سے بھی حضرت عمرؓ کے یہ الفاظ گزرے ہوں گے کہ۔

"اگر علیؓ نہ ہوتے تو عمرؓ ہلاک ہو جاتا۔"

اس سے جہاں حضرت عمرؓ کے عہد میں حضرت علیؓ کی خدمات کا اندازہ ہوتا ہے وہاں حضرت علیؓ کی عظمت کا بھی پتہ چلتا ہے۔ حضرت عمرؓ کی نظر میں حضرت علیؓ کی حیثیت کتنی بلند تھی اور ان کے دور خلافت میں حضرت علیؓ نے کیا رول ادا کیا۔ یہ معلوم کرنے کے لیے ذیل کے واقعات کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

جب عراق کی جنگ میں اسلامی فوجوں کے سپہ سالار ابو عبیدؓ ایرانی فوج کے ایک ہاتھی کے پیر تلے کچلے گئے اور مسلمانوں کو شکست ہوگئی تو اس خبر نے سارے مدینہ میں غم و غصہ کی آگ لگادی۔ حضرت عمرؓ کو اس واقعہ کا بے حد قلق ہوا اور انہوں نے اس شکست کا بدلہ لینے کے لیے اسلامی فوجوں کی از سر نو تنظیم کی۔ نہ صرف یہ بلکہ خود سپہ سالار بن کر میدان جنگ میں جانے کا فیصلہ کرلیا۔ اس موقع پر اپنا قائم مقام بنانے کے لیے ان کی نظر جس شخصیت پر پڑی وہ حضرت علیؓ تھے۔ انہوں نے حضرت علیؓ کو اپنا نائب مقرر کیا اور خود مدینہ سے کوچ کردیا۔ مگر تین میل باہر جاکر جب پڑاؤ کیا تو اکابر صحابہؓ نے انہیں مشورہ دیا کہ آپ کا جنگ میں جانا مناسب نہیں ہے اگر خدانخواستہ آپؓ شہید ہوگئے تو ہر طرف انتشار پیدا ہوجائے گا اور اسلام کو سخت ضعف پہنچے گا۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف یہ رائے دینے میں پیش پیش تھے۔ آخر حضرت عمرؓ نے سعد بن ابی وقاص کو اسلامی افواج کا سپہ سالار بنایا اور خود مدینہ واپس تشریف لے آئے۔

دوسرا واقعہ۔ جس سے حضرت علیؓ کے مرتبہ کے ساتھ ساتھ اس امر کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کی نظر میں ان کی حیثیت کیا تھی۔۔۔ جب مسلمانوں نے بیت المقدس کا پوری شدت کے ساتھ محاصرہ کرلیا تو عیسائیوں نے تنگ آکر صلح کی درخواست کی۔ مگر شرط یہ رکھی کہ مسلمانوں کا امیر خود یہاں آئے اور اپنے ہاتھ سے امان نامہ لکھ کردے۔ جب حضرت عمرؓ کو اس واقعہ کی اطلاع دی گئی تو آپ نے تمام اکابر صحابہ کو جمع کیا۔ جن میں حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ بھی تھے اور ان حضرات سے پوچھا کہ اس معاملے میں ان کی کیا رائے ہے؟

حضرت عثمانؓ نے مشورہ دیا کہ عیسائی مسلمانوں سے مرعوب ہوچکے ہیں اور ان میں لڑنے کی سکت نہیں ہے وہ ہر حالت میں صلح کرلیں گے۔ اگر ان کی درخواست رد کردی گئی تو یہ امران کے لیے اور بھی ذلت کا باعث ہوگا اور اس سے مسلمانوں کی برتری ثابت ہوگی۔

حضرت علی نے اس رائے سے اختلاف کیا اور حضرت عمرؓ کو یہ مشورہ دیا کہ میری رائے میں آپ کو بیت المقدس جاکر امان نامہ لکھنا چاہیے۔ ان کے پیش نظر یہ نکتہ تھا کہ اس سے عیسائیوں کی دلجوئی ہوگی' وہ مسلمانوں کے اخلاق اور عالی ظرفی سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہیں گے اور یہ امر تبلیغ اسلام کے لیے بے حد مفید ثابت ہوگا۔ حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کی یہ جچی تلی اور انتہائی دانشمندانہ رائے قبول فرمائی۔

اب سوال یہ پیدا ہوا کہ اپنے پیچھے اپنا قائم مقام کسے بنائیں۔ مدینہ صحابہ سے بھرا پڑا تھا۔ جن میں ایک سے ایک پایہ کے بزرگ موجود تھے۔ مگر اس موقعہ پر بھی حضرت عمرؓ کی نگاہ انتخاب جس شخصیت پر پڑی وہ حضرت علیؓ تھے۔ انہوں نے خلافت کے کاروبار حضرت علیؓ کے سپرد کیے اور خود بیت المقدس روانہ ہو گئے۔

(ابن خلدون جلد ۲)

تاریخ گواہی دیتی ہے کہ حضرت علیؓ نے اس امانت کی بڑی دیانت اور قابلیت سے حفاظت کی اور جب صاحب امانت واپس آگیا تو اس امین نے یہ امانت اس کے سپرد کردی صرف یہی نہیں حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ سے بعض ایسے مشورے بھی حاصل کیے جن پر عمل کرنے کے بعد مسلمانوں کی عظیم الشان سلطنت کے انتظامی امور میں زبردست انقلاب آیا بلکہ بعض اصلاحات صرف اور صرف حضرت علیؓ کے مشوروں سے جاری ہوئیں۔ ان اصلاحات میں سب سے بڑی اور اہم اصلاح سن ہجری کا اجرا ہے۔

اس کی ابتدا یوں ہوئی کہ سن ۱۶ ہجری میں حضرت عمرؓ کی خدمت میں ایک چک پیش کیا گیا۔ جس پر "شعبان" کا لفظ درج تھا۔ حضرت عمرؓ نے یہ لفظ پڑھ کر فرمایا کہ اس سے یہ کس طرح معلوم ہو سکتا ہے کہ گذشتہ شعبان مراد ہے یا موجودہ چنانچہ صرف اسی ضرورت کے لیے فوری طور پر مشاورتی اجلاس بلایا گیا۔ حضرت عمرؓ نے مقتدر صحابہ کے سامنے یہ معاملہ پیش کرکے ان حضرات کی رائے طلب کی۔ طے یہ پایا کہ ہمیں بھی ایرانیوں کی طرح اپنا سنہ جاری کرنا چاہیے۔ اب سوال یہ پیدا ہوا کہ اسلامی سنہ کی ابتدا کب سے کی جائے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اسلامی سنہ کی ابتدا ہجرت نبوی ﷺ کے تاریخی واقعہ سے کی جائے حضرت عمرؓ اور دیگر اراکین مشاورت نے بھی حضرت علیؓ کی رائے سے اتفاق کیا اور اسی روز سے اسلامی سنہ جسے آج ہم سنہ ہجری کہتے ہیں جاری ہو گیا۔

اس واقعہ کے پانچ سال بعد یعنی سن ۲۱ ہجری میں پھر ایک ایسا نازک موقع پیش آگیا جب حضرت عمرؓ کو صحیح مشورے کی ضرورت پیش آئی اور انہوں نے حضرت علیؓ کی طرف دیکھا۔ واقعہ یوں ہے کہ جب اسلامی لشکر نے عراق کے بعد خوزستان بھی فتح کر لیا تو ایران میں ہر طرف تہلکہ پڑ گیا۔ ابتدا میں ایرانی یہی سمجھتے تھے کہ اسلامی لشکر سرحدی مقامات پر حملہ کرنے کے بعد لوٹ مار کرے گا اور پھر واپس چلا جائے گا۔ مگر خوزستان کی فتح کے بعد انہیں ہوش آیا۔ شہنشاہ ایران بھی اس واقعہ سے بہت برافروختہ ہوا اور اس نے تمام فوجوں اور جنگجو قوموں کے نام حکم بھیجا کہ جلد سے جلد مسلمانوں کا مقابلہ کرنے اور انہیں خوزستان سے

نکالنے کی تیاری کرو۔ چنانچہ ہر طرف تیاریاں شروع ہوگئیں۔ فوجیں بھرتی کی جانے لگیں اور چند ہی روز میں ڈیڑھ لاکھ انسانوں کا سمندر موجیں مارتا ہوا خوزستان کی طرف بڑھنے لگا۔ جب حضرت عمرؓ کو ان واقعات کی اطلاع دی گئی تو انہوں نے صحابہ کو مسجد نبوی ﷺ میں جمع کیا اور کہا کہ آپ لوگوں کو معلوم ہے کہ سارا ایران مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے لیے کمربستہ ہوگیا ہے۔ اس معاملے میں آپ لوگوں کی کیا رائے ہے طلحہ بن عبید اللہ نے کہا کہ امیرالمومنین! آپ کا تجربہ وسیع ہو چکا ہے آپ جو حکم دیں گے ہم اس کی تعمیل کریں گے۔

حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ میری رائے میں بصرہ' یمن اور شام کے گورنروں کو لکھا جائے کہ اپنی فوجیں لے کر عراق روانہ ہو جائیں اور آپ اہل مدینہ کو لے کر تشریف لے جائیں۔ سب لوگوں نے حضرت عثمانؓ کی رائے سے اتفاق کیا۔

حضرت علیؓ ابھی تک خاموش بیٹھے تھے۔ آخر حضرت عمرؓ نے انہیں مخاطب کر کے پوچھا۔ آپ کی کیا رائے ہے؟ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اگر شام اور بصرہ سے فوجیں ہٹالی گئیں تو میدان صاف پا کر دشمن ان علاقوں پر قبضہ کر لے گا اور اگر آپ مدینہ چھوڑ کر چلے گئے تو عرب کے امن کے لیے خطرہ پیدا ہو جائے گا اور یہ اندرونی انتشار بڑی تباہی کا باعث ہوگا۔ اس لیے میری رائے میں آپ مدینہ نہ چھوڑیں۔ بلکہ شام' بصرہ اور یمن وغیرہ کے گورنروں کو لکھیں کہ اپنی اپنی فوجوں کا ایک تہائی حصہ مدینہ روانہ کر دیں۔

حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کی رائے سے اتفاق کیا اور اس پر عمل کیا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عنایت کی اور دشمن خائب و خاسر ہوا۔

حضرت عثمانؓ کے عہد میں

جب حضرت عمرؓ پر ابولولو نامی ایک عجمی نے قاتلانہ حملہ کیا اور انہیں زخموں سے جانبر نہ ہونے کا یقین ہوگیا تو انہوں نے خلیفہ کے انتخاب کے لیے ایک کمیٹی مقرر کی۔ یہ کمیٹی اچھے افراد پر مشتمل تھی۔ اس میں دیگر حضرات کے علاوہ حضرت علیؓ بھی شامل تھے۔ حضرت عمرؓ کی خواہش تھی کہ ان کے بعد حضرت علیؓ خلیفہ ہوں۔ مگر چونکہ قریش کے ساتھ حضرت علیؓ کے مراسم اچھے نہ تھے۔ کیونکہ کفر و اسلام کی ابتدائی جنگوں میں ان کے ہاتھ سے قریش کے بڑے بڑے نامی گرامی سردار مارے جا چکے تھے اور مقتول سرداروں کے پسماندگان ان سے کبیدہ خاطر تھے۔ اس لیے حضرت عمرؓ کو اندیشہ تھا کہ وہ لوگ حضرت علیؓ کی اطاعت سے

منحرف ہو جائیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ امت کو اختلاف و انتشار سے بچانے کے لیے انہوں نے حضرت علیؓ کو نامزد نہ کیا۔ دوسرے کسی کو نامزد کرنا انہوں نے اس لیے بھی پسند نہ کیا کہ یہ امر اسلامی جمہوریت اور خود عربوں کے مزاج و روایات کے خلاف تھا۔ بہرحال اگر یہ دو رکاوٹیں نہ ہوتیں تو غالب خیال یہی ہے کہ حضرت عمرؓ کے بعد حضرت علیؓ کا انتخاب عمل میں آتا۔

حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد جب خلیفہ کا انتخاب کرنے والی کمیٹی نے حضرت عثمانؓ کو خلیفہ منتخب کیا تو حضرت عثمانؓ بھی حضرت علیؓ کے مشوروں سے فائدہ اٹھاتے رہے۔ یہاں تک کہ مفسدین کے ایک گروہ نے حضرت عثمانؓ کے خلاف بغاوت کر کے یورش کی اور اسلام ایک خطرناک خلفشار سے دوچار ہو گیا۔ اس نازک ترین موقعہ پر حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ کی پوری مدد کی انہیں قیمتی مشورے بھی دیئے ان کی مدافعت میں تقریریں بھی کیں۔ باغیوں کو سمجھایا بھی، اور آخر کار حضرت عثمانؓ کی حفاظت کے لیے باغیوں کے ساتھ جنگ کی پیشکش بھی کر دی۔ اس کے بعد وہ لرزہ خیز واقعہ پیش آیا جس کے نتیجے میں حضرت عثمانؓ شہید کر دیئے گئے اور اسلام میں اختلافات کا ایسا دروازہ کھلا جو آج تک بند نہ ہو سکا۔

حضرت عثمانؓ کے بعد

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مسلمانوں کو دو ایسی خطرناک مشکلیں پیش آئیں جن کی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عہد سے لے کر اب تک کی مشکلات میں کوئی مثال نہیں ملتی۔ ایک خود منصب خلافت کی مشکل، اور دوسری نظام حکومت الٰہی کو برقرار رکھنے اور قاتلوں اور فسادیوں کو اللہ کے حکم کے مطابق سزا دینے کی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حادثے کے دن شام ہو چکی اور مسلمانوں کا کوئی امام نہ تھا جو ان کے معاملات کا منتظم، ان کے نظام کا نگران اور ان کے اقتدار کا حاکم ہوتا، اللہ کے احکام ان میں جاری کرتا، اور سب کاموں کے بعد وہ اس عظیم الشان حکومت کے معاملات پر نظر رکھتا جس کو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے قائم کیا تھا اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جس کی حدود مشرق و مغرب تک پھیلا دی تھیں، اس لیے کہ یہ مفتوحہ مقامات اور علاقے جہاں ابھی مسلمانوں کا اقتدار پوری طرح جم نہ سکا تھا اس کے محتاج تھے کہ کوئی انہیں سنبھالے، وہاں کے نظام میں استقلال اور مضبوطی پیدا کرے اور ان کی سرحدوں کو بہت دور کر دے جو متعین ہونے نہیں پاتی تھیں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد سے

مسلسل فتوحات کی بناء پر تغیر پذیر تھیں کہ اتنے میں فساد کا دور آ گیا اور مسلمان ادھر متوجہ ہو گئے یا یوں کہئے کہ مسلمانوں کی ایک جماعت فتوحات سے ہٹ کر فتنوں میں مشغول ہو گئی۔

اسلامی فوجوں کا پڑاؤ سرحدوں پر اس طرح رہا کرتا کہ جہاں آج ہیں کل اس سے آگے بڑھیں' ان فوجوں کا کام صرف یہ نہ تھا کہ فتوحات حاصل کریں بلکہ مفتوحہ سرزمین میں آئین اسلام کا اجراء بھی انہیں کا کام تھا' وہ پہلا پرانا اقتدار ختم کر کے اس کی جگہ نیا اقتدار قائم کرتی تھیں' پھر نظام حکومت میں ایک طرف فاتحین کے مزاج کے مطابق کچھ اضافے کرتیں' دوسری طرف مفتوحین کی طبیعت اور افتاد کی رعایت سے پہلے نظام کی کچھ باتیں باقی رکھتیں۔ ان اسلامی فوجوں کو اس کی ضرورت تھی کہ مزید فوج اور ساز و سامان سے کوئی ان کی امداد کرتا رہے' منصوبہ بنائے اور ضرورت کی ہر چیز ان کے لیے فراہم کرے۔

ظاہر ہے کہ جن مہاجر اور انصار نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ' حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور خود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت کی تھی ان کے دامن پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا دھبہ نہیں' یہ تو بصرہ' کوفہ اور مصر کی سرحدوں پر مقیم فوجوں میں سے بعض ٹولیوں کا کام تھا اور بعض ان دیہاتیوں کا جو ان ٹولیوں کے ساتھ ہو گئے اور کچھ مہاجر زادے بھی اس کے ذمہ دار ہیں جنہوں نے اس سلسلہ میں اعانت کی۔

بڑے بڑے مہاجر اور انصار صحابہ رضی اللہ عنہم اس حادثے میں تین مختلف خیال کے تھے' زیادہ تر تو ایسے تھے جو صورت حال دیکھتے' رنجیدہ ہوتے' اصلاح کا ارادہ کرتے لیکن کچھ بن نہ پڑتی اور پھر کوتاہی یا بے نیازی سے نہیں بلکہ مجبوری اور بے چارگی سے خاموشی اختیار کر لیتے' کچھ صحابہ ایسے تھے جن پر معاملات اچھی طرح کھل نہ سکے۔ انہوں نے خیریت اسی میں دیکھی کہ فتنے سے دور گوشہ عافیت میں جا بیٹھیں اور غیر جانب دار ہیں' ان تک اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ حدیثیں پہنچی تھیں جن میں فتنوں سے ڈرایا گیا اور ان سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے' چنانچہ بعض تو خانہ نشین ہو گئے اور بعض نے مدینہ کی سکونت چھوڑ دی کہ اپنا دین اپنے ساتھ لیے لوگوں سے دور رہیں۔ کچھ صحابہ ایسے تھے جنہوں نے نہ گوشہ عافیت میں جانا پسند کیا اور نہ اپنے کو بے چارگی کے حوالے کرنا بلکہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے مخالفین کے درمیان کھڑے ہو گئے۔ بعض نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے شدید اختلاف کیا اور ان سے اپنی انتہائی ناگواری کا اظہار کرتے ہوئے ان کے خلاف لوگوں کو ابھارا' ان سے دشمنی پر آمادہ کیا اور بعض نے ایسا طرز عمل اختیار کیا جس کا مطلب کم سے کم یہ نکلتا ہے کہ

انہوں نے نہ باغیوں کو برا سمجھا اور نہ ان کو مقابلہ کرنے سے روکا۔

پھر جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو اکثر صحابہ بری طرح متاثر ہوئے کہ وہ خلیفہ کی کچھ مدد نہ کر سکے۔ اب انہوں نے مستقبل پر غور کیا اور تہیہ کر لیا کہ اپنے معاملات اور آنے والے واقعات کا مقابلہ کریں گے' گوشہ عافیت میں چلے جانے والوں نے کنارہ کشی میں اور شدت پیدا کر لی اور خدا کا شکر ادا کیا کہ اپنی روش پر قائم رہے گناہ میں شریک نہیں ہوئے اور فتنے سے بچا لیے گئے' اب رہے دوسرے حضرات تو وہ انتظار کرنے لگے کہ لوگ کیا چاہتے ہیں اپنے اوپر اعتماد' یا کسی لیڈر کا سہارا؟ اور مسلمانوں کا کوئی نظام تحریری کی صورت میں محفوظ اور مقرر تو تھا نہیں جس کے مطابق منصب خلافت جب وہ خالی ہو' پر کر لیا کریں وہ تو ایسے مواقع پر جس طرح بن پڑتی اس خلا کو پر کر لیا کرتے تھے۔

آپ کو معلوم ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی بیعت کس طرح ہوئی آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کس طرح اپنی بیعت کو ایک اتفاقی معاملہ فرماتے ہیں جس کے ذریعے اللہ نے مسلمانوں سے ایک بات کہی اور مسلمانوں نے اس کو مان لیا' نہ کسی کو ناگوار ہوئی نہ کسی نے جھگڑا کیا۔ مہاجرین میں سے بعض نے خود حضرت صدیق اکبر سے کچھ لے دے کرنا چاہی لیکن آپ نے ان کو ایسا جواب دیا جس سے وہ مطمئن ہو گئے۔ اس کا بھی آپ کو پتہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کسی کو ہدایت نہیں کی بلکہ اس کے لیے چھ مہاجرین کی ایک مجلس شوریٰ بنا دی جن سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم زندگی بھر راضی رہے ان میں سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا انتخاب ہوا جس سے کسی نے اختلاف نہیں کیا۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی کسی کے لیے کوئی ہدایت نہیں کی اور اگر فرماتے بھی تو لوگ ان کی بات نہیں مانتے اس لیے کہ وہ ان سے' ان کے حاشیہ نشینوں سے اور ان کے گورنروں سے بعض واقعات کی بناء پر ناراض تھے۔ پھر یہ بھی پیش نظر رہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جن چھ صحابہ کو باہمی مشورہ کی ہدایت کی تھی حضرت عثمان کے بعد وہ چار ہی رہ گئے تھے اس لیے کہ عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کا عثمانی خلافت کے دوران ہی انتقال ہو چکا تھا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی لہٰذا کل تین ہی رہ گئے۔

مزید برآں یہ بھی ملحوظ رہے کہ سابق خلفاء کی بیعت کرنے والے بہت سے صحابہ اب مدینہ منورہ میں معاملے کے وقت موجود نہ تھے کچھ تو ارتداد کی لڑائیوں اور روم و فارس کی فتوحات میں شہید ہو چکے تھے اور کچھ بستروں پر اللہ کی رحمت کو پہنچ گئے تھے۔ ایک جماعت

جس میں جہاد کی طاقت تھی سرحدوں پر خیمہ زن تھی اور جن میں جہاد کی طاقت نہ تھی وہ نئے نئے شہروں میں بس گئے تھے پس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حادثے کے موقع پر مہاجر اور انصار کی جو جماعت موجود تھی وہ مدینہ کی اس جماعت جیسی نہ تھی جو تینوں خلفا کی بیعت کے موقع پر حاضر تھی۔

پھر علی رضی اللہ عنہ 'طلحہ رضی اللہ عنہ اور زبیر رضی اللہ عنہ میں بھی باہم اتحاد خیال نہ تھا' مظلوم خلیفہ کے ساتھ ہر ایک کا طرز عمل الگ تھا اور اسباب قتل پر ہر ایک کی رائے دوسرے سے جدا تھی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو بغاوت اور فساد سے روکنے کی امکانی کوشش کی۔ انہوں نے باغیوں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے درمیان گفت و شنید کا فرض انجام دیا' باغیوں کو مدینہ سے واپس کیا' بعد میں ایک مرتبہ اور بیچ میں پڑے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو راضی کر لیا' پھر جب باغی بلا اطلاع مدینہ میں گھس آئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کو نکال کر باہر کرنے سے مایوس ہو گئے تو چاہا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حمایت میں کھڑے ہو جائیں لیکن ایسا نہ کر سکے' پھر سخت محاصرے کے زمانے میں جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بہت پیاسے تھے آپ نے کوشش کی کہ میٹھا پانی آپ تک پہنچا دیں۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے نہ تو باغیوں کو روکنے میں نمایاں حصہ لیا اور نہ مخالفوں کو ابھارنے اور آمادہ کرنے میں قابل ذکر گرمی دکھائی البتہ وہ موقع کا انتظار کرتے رہے' طبیعت ان کی باغیوں کے ساتھ تھی' شاید یہ خیال کرتے تھے کہ نوبت یہاں تک نہیں پہنچے گی۔

اب رہے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ تو وہ کھلم کھلا باغیوں کی طرف جھکے ہوئے تھے۔ باغیوں کو اعلانیہ بھڑکاتے تھے ان کی ایک جماعت کو اپنا گرویدہ بنا رہے تھے۔ حضرت عثمان نے اس کی شکایت کھلے طور پر بھی کی اور بصیغۂ راز بھی بار بار اظہار کیا۔ راویوں کا بیان ہے کہ اس سلسلہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے امداد چاہی' چنانچہ آپ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور دیکھا کہ باغیوں کا ایک بڑا گروہ وہاں جمع ہے' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کوشش کی کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اپنی یہ روش چھوڑ دیں لیکن وہ باز نہ آئے۔ تب حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے پاس سے لوٹ کر بیت المال آئے اور جو کچھ اس میں تھا نکال کر لوگوں میں تقسیم کرنا شروع کر دیا یہ دیکھ کر حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے ساتھی ان کے پاس سے اٹھ کھڑے ہوئے' حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس کارروائی سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خوش تھے۔

راویوں کا خیال ہے کہ یہ دیکھ کر حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئے

اور معذرت کرنے لگے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ یہ حاضری معذرت اور ندامت کی نہیں بلکہ ناکامی اور شکست کی ہے طلحہ تجھ سے خدا حساب لے گا۔

بات جو کچھ بھی رہی ہو بہرحال حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مدینہ میں یہ تینوں منتظر تھے کہ لوگ کیا کرتے ہیں اور حالت یہ تھی کہ پوری آبادی پر باغیوں نے خوف و ہراس کا وہ عالم طاری کردیا تھا کہ مظلوم خلیفہ کی لاش رات کی تاریکی میں لوگوں سے بہت چھپاکر دفن کی جاسکی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد امام کی بیعت کے بارے میں راویوں کا اختلاف ہے' ایک گروہ کا خیال ہے کہ شہادت کے بعد ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے بیعت لی گئی لیکن یہ واقعہ نہیں ہے' اس مبہوت کردینے والی شورش اور بغاوت کے پیش نظر واقعہ یہ ہے کہ مدینہ میں کئی دن تک لوگوں نے اس طرح گزارا کہ ان کا کوئی امام نہ تھا۔ ان دنوں معاملات کی لگام بغاوت کے ایک لیڈر غافقی کے ہاتھ میں تھی۔

خلیفہ سے فرصت پالینے کے بعد باغی حیران تھے۔ وہ جانتے تھے کہ لوگوں کے لیے ایک امام کی ضرورت ہے اور اس امام کی بیعت جس قدر جلد ممکن ہو کرلینی چاہیے' کہیں ایسا نہ ہو کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گورنر ان پر قابض ہو جائیں اور ان سے بھی طاقت ور' معاویہ کہیں اپنی فوج بھیج کر مدینہ پر اپنا اقتدار نہ جمالیں اور پھر باغیوں کو ان کے کیے کی سزا دے دیں' باغی یہ بھی جانتے تھے کہ ان میں سے کوئی بھی مسلمانوں کا امام نہیں بن سکتا۔ اس لیے کہ امامت کا معاملہ مہاجر اور انصار کے ہاتھ میں ہے وہی قریش کے کسی فرد کو چن کر بیعت کرتے ہیں۔

پھر ان کی خواہشیں بھی مختلف تھیں' مصری حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چاہتے تھے' کوفہ کے لوگ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھی تھے۔ بصرہ کے باشندے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے طرف دار تھے۔ ان میں سے ہر ٹولی اپنے اپنے لیڈر کے ہاں آتی جاتی تھی لیکن تینوں لیڈر اپنی جماعت کی طرف سے پیش کردہ امامت قبول کرنے سے انکار کرتے تھے۔ بالآخر باغیوں کو یقین ہوگیا کہ وہ اکیلے امام کا تقرر نہیں کرسکتے اور ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ مہاجر اور انصار کا تعاون حاصل کریں جو ان تینوں میں سے کسی کو پسند اور اس سے اس منصب کے قبول کرنے پر اصرار کریں۔ پھر یہ ان کے اصرار کی تائید کریں تاآنکہ وہ راضی ہو جائے۔ چنانچہ یہ باغی صحابہ کے گھروں کے چکر لگانے لگے اور ان سے اصرار کے ساتھ درخواست کرنے لگے کہ

امت کے لیے ایک امام چن دیجئے۔ مہاجر اور انصار نے دیکھا کہ یہ کام تو بہرحال کرنا ہے' پس انہوں نے خود سوچا اور اپنے ملنے والوں سے تبادلہ خیال کیا' اندازہ یہ ہوا کہ عام رجحان حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف ہے۔ لوگ ان کو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ دونوں پر مقدم خیال کرتے ہیں۔

اس طرح انصار اور مہاجرین نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلافت کا منصب پیش کیا اور ان سے قبول کر لینے پر اصرار بھی کیا۔ پھر باغیوں نے اس اصرار کی تائید کر دی' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انکار کرنا چاہا لیکن انہیں انکار کی کوئی صورت نظر نہیں آئی' باغیوں کے پیش کرنے پر آپ نے ضرور انکار کیا تھا۔ اب جب کہ انصار بھی پیش کر رہے ہیں اور سابق خلفا کی طرح کرنا چاہتے ہیں تو انکار کی کوئی وجہ نہ رہی۔ چنانچہ آپ نے درخواست قبول کر لی اور سابقہ روایت کے مطابق منبر نبوی پر جا بیٹھے اور لوگ آ کر بیعت کرنے لگے۔ ہاں چند آدمیوں نے انکار کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے اصرار نہیں کیا اور نہ باغیوں کو اجازت دی کہ ان کو مجبور کریں۔ ان چند آدمیوں میں ایک حضرت سعد بن ابی وقاص بھی ہیں جو مجلس شوریٰ کے ایک رکن تھے انہوں نے انکار کرتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا۔ "میری طرف سے آپ مطمئن رہیے۔" حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس بات کی اجازت دے دی۔ انکار کرنے والوں میں دوسرے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے امن پسندی اور لوگوں کے معاملات میں دخل در معقولات نہ کرنے کی ضمانت چاہی' انکار کرنے پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا چھوٹے سے بڑے ہو گئے لیکن میں نے ہمیشہ تم کو ناشائستہ پایا' اس کے بعد فرمایا اسے جانے دو میں خود اس کا ضامن ہوں۔ گوشہ نشینوں کی جماعت نے بھی بیعت سے انکار کیا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو مجبور کرنا نہیں چاہا اور نہ ان پر کسی زیادتی کے روادار ہوئے۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے بھی بیعت نہیں کی تھی لیکن باغیوں نے ان کو مجبور کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی ان دونوں کو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ' عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ کی طرح معاف نہیں کر دیا۔ اس لیے کہ باغیوں کی طرح ان کو حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی خوب جانتے تھے ان کو معلوم تھا کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے کٹر مخالفوں میں سے ہیں اور خود خلیفہ بننے کا بھی حوصلہ رکھتے ہیں اور جانتے تھے کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مخالفت پر کسی کو اکسایا نہیں لیکن باغیوں کو روکا بھی نہیں اور پھر خلافت کی تمنا میں وہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سے کم نہیں اس لیے ان کو

بیعت سے معاف نہیں کیا' تاکہ جس قدر بھی ہو سکے ان کو پابند کر لیں۔ بعض روایات کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے پانچ دن بعد ہوئی اور بعض روایتوں میں آٹھ دن ہے۔ اس کے بعد یہ بات عام ہو گئی کہ بصرہ' کوفہ اور مصر کی سرحدوں اور حجاز پر حضرت علی سیادت قائم ہو گئی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے ایک غور طلب اور پیچیدہ مسئلہ شام کا تھا۔ صورت حال یہ تھی کہ ایک تو شام بغاوت سے الگ رہا' دوسرے اس کی زمام حکومت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے چچازاد بھائی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھی۔ آگے چل کر ہم دیکھیں گے کہ شام اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا طرز عمل کیسا رہا۔ لیکن قابل ذکر بات یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے امام ہو گئے۔ مدینے میں جو مہاجر اور انصار موجود تھے انہوں نے آپ کی بیعت کر لی۔ سرحدوں کی طرف سے ان باغیوں نے آپ کی بیعت کی جو اس وقت مدینہ میں موجود تھے اس کا مطلب یہ ہے کہ دو خطرناک مشکلوں میں سے ایک یعنی خلافت اور خلیفہ کی مشکل کا خاتمہ ہو گیا دوسرے لفظوں میں یوں کہئے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور عام لوگوں پر یہ واضح ہو گیا کہ مصیبت دور ہو گئی اور اب اس کے بعد تمام معاملات میں امن' خوشگواری اور استقلال پیدا ہو جائے گا۔

نئے امام کے لیے ضروری تھا کہ اب دوسری خطرناک مشکل کی طرف متوجہ ہو۔ یہ دوسری مشکل مقتول امام کا مسئلہ ہے۔ نئے امام کا فرض ہے کہ وہ مقتول امام کے خون اور اس کے قاتلوں کے بارے میں اللہ کے فرمان اور دین کے حکم کا اعلان کرے۔ اگر مقتول امام ظالم تھا تب تو بدلے کی اور قاتلوں سے قصاص کی کوئی بات نہیں۔ لیکن اگر مظلوم تھا تو جدید امام کا فرض ہو جاتا ہے کہ وہ اس کا بدلہ لے اور قاتلوں پر قصاص کا حکم جاری کرے جو اللہ کا فرمان ہے۔

مہاجر اور انصار صحابہ کی رائے تھی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مظلوم تھے اور امام کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ وہ اس خون کا بدلہ لے کہ اگر حقوق کی پامالی کی جاتی رہی' خون ریزی ہوتی رہی اور حدود کا اجرا عمل میں نہیں آیا تو دین کے قیام کی کوئی صورت نہ ہوگی' مقتول اگر کوئی معمولی انسان ہوتا تب بھی یہ سب کچھ ہونا ضروری ہے چہ جائیکہ وہ امام اور مسلمانوں کا خلیفہ ہو۔ مہاجر اور انصار کہا کرتے تھے عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں سے اگر ہم قصاص نہ لیں تو لوگ اس بات سے کس طرح رک سکیں گے کہ جس امام پر غصہ آیا اس کے

خلاف بغاوت کردی اور پھر اس کو قتل کر دیا۔ یہی بات لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہی‘ آپ نے سنا اور ان کے خیال کی تصدیق کی اس کے بعد ان کے سامنے حقیقت کی یہ تصویر رکھی کہ جہاں تک اقتدار کا سوال ہے بلا شک وہ بیعت کے ذریعے میری طرف منتقل ہو چکا ہے لیکن عملاً تو وہ اب تک باغیوں کے ہاتھ میں ہے۔ آج شہر پر انہیں کا فوجی قبضہ ہے۔ خلیفہ اور صحابہ بے بس ہیں وہ شہر اور شہریوں کے بارے میں جیسا بھی چاہیں فیصلہ کر سکتے ہیں ایسی حالت میں اچھا یہ ہے کہ کچھ دنوں مہلت اور معقولیت کا سہارا لیا جائے تا آنکہ معاملات سیدھے ہو جائیں اور خلیفہ کا اقتدار مستحکم ہو جائے۔

اس کے بعد اس مسئلے پر نظر ڈالی جائے گی اور کتاب و سنت کی روشنی میں اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کا نفاذ عمل میں آئے گا۔

صحابہ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نقطۂ نظر سے مطمئن ہو گئے لیکن باغیوں کا نقطہ نظر یہ تھا کہ انہوں نے خلیفہ کا خون اس لیے کیا ہے کہ وہ ظالم تھا جس کے بدلے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور نہ امام کو اس کے عوض کسی کی جان لینی چاہیے۔

مگر اس کے باوجود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کی تحقیق کا ارادہ کیا لیکن کارروائی کی تکمیل کی صورت نہ نکل سکی‘ ایک جماعت بضد تھی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون میں محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہ کا بھی ہاتھ ہے۔ یہ محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ کے صاحبزادے ہیں‘ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھائی اور خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سوتیلے بیٹے‘ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کی والدہ سے نکاح کر لیا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا کہ کیا تم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتل ہو‘ انہوں نے انکار کیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیوی نائلہ بنت فرافصہ نے ان کی تصدیق کر دی لیکن جیسے ہی باغیوں کو بھنک لگی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تحقیقات کر رہے ہیں انہوں نے اپنے اتحاد اور غصے کا اظہار کیا‘ جس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وہ روش اختیار کی جس کا ہم ابھی ذکر کر چکے ہیں اور موقع کا انتظار کرنے لگے‘ آپ کے ساتھ مدینہ کے عام صحابہ بھی منتظر رہے۔

شاید ناظرین کو یاد ہو گا کہ تخت خلافت پر بیٹھتے ہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو جس قسم الجھاؤ پیش آیا تھا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی اپنی خلافت کے آغاز میں اسی قسم کی ایک پیچیدگی کا سامنا ہوا‘ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو سب سے پہلی مشکل حضرت عبید اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی پیش آئی

جنہوں نے ہرمزان کو اس تہمت پر قتل کر دیا تھا کہ اس نے ان کے باپ کے قاتل کو قتل پر آمادہ کیا تھا لیکن عبید اللہ نے یہ خون بلا ثبوت اور بلا دلیل کیا تھا ان کے پاس اس کے لیے قاضی کا کوئی فیصلہ نہ تھا۔

مسلمانوں کی ایک جماعت کا خیال تھا جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں کہ عبید اللہ پر حد جاری ہونا چاہیے اور ایک دوسری جماعت پر یہ بات بڑی گراں تھی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنی خلافت کا آغاز حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے صاجزادے کے قتل سے کریں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عبید اللہ کو معاف کر دیا اس لیے کہ ہرمزان کا کوئی ولی نہیں تھا جو خون بہا کا دعویٰ کرتا ایسی حالت میں خلیفہ ولی ہوتا ہے جسے معاف کر دینے کا بھی حق ہے۔ اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ اور بہت سے مسلمانوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس فیصلہ کو تسلیم نہیں کیا۔ اس کو ایک ظلم' ایک خون ناحق اور اللہ کی حدود میں ایک تجاوز خیال کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ عثمانی عہد کے بعد فرمایا کرتے تھے کہ اگر میں اس فاسق کو پاجاؤں تو ہرمزان کے قتل کے بدلے اس کو ختم کر دوں گا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سامنے مسلمانوں کے ایک خلیفہ کا لڑکا ناحق خون کے الزام میں پیش ہوتا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس کو معاف کر دیتے ہیں اور اس معافی پر مسلمانوں میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے مسلمانوں کے ایک دوسرے خلیفہ کا لڑکا قتل کے الزام میں پیش ہوتا ہے اور قتل بھی کس کا' رعایا میں سے کسی پناہ گزیں غیر ملکی کا نہیں بلکہ مسلمانوں کے ایک امام کا۔ لیکن علی رضی اللہ عنہ محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہ کو معاف نہیں کرتے اس کی تحقیقات کرتے ہیں جس میں واضح ہو جاتا ہے کہ وہ قاتل نہیں ہے' اس کے بعد واقعات اور حالات مزید تحقیقات کی راہ میں حائل ہو جاتے ہیں اور قاتلوں کے حق میں دین کا حکم جاری نہیں ہونے پاتا۔

اور واقعہ تو یہ ہے کہ محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا خون نہیں کیا بلکہ وہ اوروں کی طرح دیوار چڑھ کر گھر میں اترے اس کے معنی یہ ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل سے محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہ کا گہرا تعلق ضرور تھا لیکن اس خونی حادثے سے جن لوگوں کا پورا پورا تعلق تھا وہ اتنے قوی اور اتنے خوفناک تھے جن پر قابو نہیں پایا جا سکتا تھا یا جدید امام ان سے قصاص نہیں لے سکتا تھا۔ اس کے بعد تو جو واقعات پیش آئے آگے

پڑھیں گے کہ ان کی وجہ سے مقتول خلیفہ کا قضیہ مشکل اور پیچیدہ ہی ہوتا گیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا استقبال

جس خوشنودی' خوشدلی اور سکون قلب کے ساتھ بڑھتی ہوئی امنگوں اور شگفتہ امیدوں کے ماحول میں مسلمانوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کا استقبال کیا تھا وہ بات حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے استقبال میں نہ تھی۔ یہاں تو سکتے کا عالم تھا اور بے چینی' خوف و ہراس تھا اور اضطراب' لوگوں میں کشاکش اور معاملات میں پیچیدگی اس لیے نہیں تھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ میں کوئی ایسی بات تھی جو اس فضا کا باعث بنی بلکہ لوگوں کی زندگی کا ماحول ہی ایسا تھا جس نے ان میں یہ کیفیت اضطراری طور پر پیدا کردی تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلافت کے تخت پر ایک ایسے خلیفہ کے بعد بیٹھے جو بڑا صاحب اقتدار اور سخت گیر تھا' انصاف کی خاطر اس نے لوگوں کو جن پر خار اور دشوار گزار راہوں پر چلایا اس کی تاب وہی لا سکتے جو ارادے کے بڑے پکے اور جن میں صبر اور برداشت کا غیر معمولی حوصلہ ہو اس نے لوگوں کے معاملے میں بڑی شدت برتی۔ ہم نے اس کتاب کے پہلے حصے میں بتایا ہے کہ اللہ کے معاملے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ عموماً مسلمانوں کے لیے اور خاص طور پر قریش کے لیے کتنے سخت تھے اور کس طرح خطرہ تھا کہ قریش کہیں اپنے لیے یا دوسروں کے لیے فتنے کا باعث نہ بن جائیں' لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جب خلیفہ ہوئے تو انہوں نے سختی کی جگہ نرمی' گرفت کی جگہ چشم پوشی' تنگی کی جگہ فراخی سے کام لیا' مشقت کے بدلے میں راحت پہنچائی' وظیفوں میں اضافہ کردیا۔ دشواریوں کی جگہ آسانیاں فراہم کردیں۔ لوگوں نے ان کی خلافت کے ابتدائی برسوں میں ان کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر جانا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دور آیا انہوں نے مقررہ وظیفوں میں کچھ اضافہ نہیں کیا' نہ مال غنیمت میں سے کچھ دیا' نہ لوگوں کے کاموں میں کچھ آسانی پیدا کی اور کرنا چاہا تو یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا راستہ جہاں سے چھوٹ گیا ہے وہاں سے پھر چلنا شروع کیا جائے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد لوگ امن و اطمینان سے تھے۔ ہاں ان کے اطمینان میں ہلکے رنج کی آمیزش ضرور ہوگئی تھی اور وہ مغموم سے تھے کہ ان کا یہ نیک اور متقی امام دھوکے سے مارا گیا۔ یہ حادثہ مہاجر اور انصار کی موجودگی میں نہیں ہوا اور نہ شہروں اور سرحدوں کے باشندوں اور فوجیوں کی سازش کا نتیجہ تھا۔ پس یہ حادثہ بیک وقت شدید تھا اور آسان

بھی، جس کی بلیغ ترین تعبیر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خنجر کا مہلک زخم لگ جانے پر قرآن مجید کی آیت پڑھی وکان امر اللہ قدرا مقدورا یعنی' اللہ کا حکم پہلے سے تجویز کیا ہوا ہوتا ہے۔

پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات مقدرات میں سے ایک بات تھی' نہ کوئی ٹولی حملہ آور ہو کر آپ پر ٹوٹ پڑی اور نہ مسلمانوں کی کسی جماعت نے آپ کے خلاف کوئی سازش کی' ایک معمولی مکار نے دھوکا دیا جس میں موت کے سوا چارہ کار نہ تھا۔

مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا خون' تو ایک بے لگام بغاوت اور ایک ایسے فتنے کا نتیجہ تھا جس میں لوگ اپنی تمیز کھو چکے تھے۔ انہیں یہ پتہ ہی نہیں چل رہا تھا کہ آگے بڑھ رہے ہیں یا پیچھے ہٹ رہے ہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا خون تو اس خوف و ہراس کا نتیجہ تھا جو ایک عرصے تک پورے مدینہ پر چھایا رہا اور بعد میں دور دور تک پہنچا۔ جس سے لوگ گھبرا اٹھے۔ والیان ریاست یعنی صوبے کے حاکموں نے فوجیں تیار کیں' سرحدوں پر بھیجنے کے لیے نہیں جہاں بھیجنے کی ضرورت تھی بلکہ دارالحکومت مدینہ منورہ کے لیے تاکہ وہاں امن بحال کیا جائے اور خوف و ہراس کا خاتمہ ہو اور خلیفہ کو محاصرے سے نکالا جائے لیکن ابھی یہ فوجیں دارالحکومت تک پہنچنے بھی نہ پائی تھیں کہ خلیفہ کو قتل کر دیا گیا' فوجیں اپنے اپنے مقامات پر واپس ہو گئیں اور مدینہ میں بدستور خوف و دہشت اور بے چینی کا دور دورہ رہا۔

حج کے زمانے میں بغاوت کی خبریں حاجیوں تک پہنچ چکی تھیں۔ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے ان کو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا وہ اعلان سنایا تھا جس میں آپ نے ظلم و زیادتی سے اپنے کو بری بتایا تھا اور باغیوں پر یہ الزام لگایا تھا کہ وہ اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے خلیفہ سے بغاوت کر رہے ہیں۔ لوگوں نے خوف و ہراس کی حالت میں حج کے احکام ادا کئے اور اضطراب و پریشانی کے عالم میں واپس آکر ہم وطنوں سے مدینہ کے پر خطر حالات کا بیان کیا۔

ان حالات میں یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا استقبال مسلمانوں نے اداس چہروں اور بے چینی بھرے دلوں سے کیا' جب کہ ان کی پریشانی اور بے اطمینانی یہ دیکھ کر بڑھتی جا رہی تھی کہ قاتل باغی ابھی مدینے ہی میں ہیں اور قبضہ جمائے بیٹھے ہیں' ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے جدید خلیفہ اور اس کی بیعت کرنے والے مہاجر اور انصار' باغیوں کے ہاتھوں میں قیدی ہیں' چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب معلوم کرنا چاہا کہ خلیفہ وقت پر

شورش کے سبب کیا گزری اور کس طرح گزری تو وہ اس کی تحقیقات کرنے پر قدرت نہ پاسکے' علاوہ ازیں مدینہ کے لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گورنروں کو خوب جانتے تھے۔ ان کا اندازہ تھا کہ سب نہیں تو بعض گورنر ضرور اس نئی خلافت سے اپنی ناگواری کا اظہار کر کے خلیفہ سے جھگڑا کریں گے' خاص طور پر ان کو معاویہ رضی اللہ عنہ بن ابی سفیان سے ڈر تھا کہ ان کو معلوم تھا کہ مقتول خلیفہ سے معاویہ رضی اللہ عنہ کی رشتہ داری ہے' ان کو اس بات کا بھی علم تھا کہ شامی معاویہ رضی اللہ عنہ کے فرماں بردار ہیں کیوں کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانے سے ان کے حاکم ہیں۔ مدینے والے جانتے تھے کہ بنی امیہ میں معاویہ رضی اللہ عنہ کا پوزیشن کتنا اونچا ہے اور یہ کہ بنی امیہ اور بنی ہاشم میں ظہور اسلام سے بھی پہلے کی قدیم عداوت ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ جب اپنا نیا دین لے کر مدینہ کی طرف نکلے تو قریش کی قیادت ابو سفیان نے کی۔ جب بدر کے معرکے میں قریشی سرداروں کا خاتمہ ہو چکا تھا تو احد کے معرکے میں قریش کے ساتھ ابو سفیان ہی آئے اور بدر کے مشرک مقتولوں کا بدلہ لیا' ابو سفیان کی بیوی ہند نے جو معاویہ رضی اللہ عنہ کی ماں ہے وحشی (ایک حبشی غلام کا نام جس سے وعدہ کیا گیا تھا کہ اگر حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل کر دے گا تو آزاد کر دیا جائے گا) کو اس خوشی میں آزاد کر دیا کہ اس نے حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا' ہند حمزہ رضی اللہ عنہ کے قتل کے بعد میدان معرکہ میں جاتی ہے' پڑی ہوئی لاشوں میں حمزہ رضی اللہ عنہ کو تلاش کرتی ہے' جب ان کی لاش پا جاتی ہے تو پیٹ چاک کر کے ان کا کلیجہ نکالتی ہے اور اس کو چباتی ہے۔ خندق کے معرکہ میں ابو سفیان ہی قریش کے قائد تھے' انہوں نے ہی عربوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کی مخالفت میں پکا کیا' یہودیوں کو اس طرح اکسایا کہ انہوں نے وہ معاہدہ توڑ دیا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے ساتھ کیا تھا' یہ ابو سفیان ہی تھے جو قریش کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مدمقابل بنائے رکھنے کی تدبیریں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف مکاریاں اور چالبازیاں کرتے رہے۔ یہاں تک فتح مکہ کے دن آگئے اور اس وقت اسلام قبول کیا جب مسلمان ہوئے بغیر کوئی چارہ نہ تھا۔

لوگ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق جو کچھ چاہیں کہیں کہ وہ اسلام لانے کے بعد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرب بن چکے تھے۔ ان کا شمار وحی کے کاتبوں میں ہے' (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبوں کا تذکرہ کرتے ہوئے ابن جریر طبری لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی حضرت علی رضی اللہ عنہ ابن ابی طالب اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ابن عفان لکھا کرتے تھے اگر یہ غیر حاضر ہوتے تو وحی کی کتابت ابی ابن کعب اور حضرت زید بن ثابت کیا کرتے تھے اور حضرت خالد بن سعید بن عاص اور حضرت معاویہ بن ابی

سفیان رضی اللہ عنہ آپ کی ذاتی ضروریات کے حالات تحریر کرتے اور عبداللہ بن ارقم بن عبد یغوث اور علاء بن عقبہ لوگوں کی ضروریات کے لیے کتابت کیا کرتے تھے اور زیادہ تر عبداللہ بن ارقم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بادشاہوں کو خطوط لکھے۔

اسی طرح ابن ابی حدید نہج البلاغہ کی شرح میں لکھتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبوں میں سے ایک تھے لیکن ان کی کتابت کے بارے میں اختلاف ہے کہ وہ کیا تھی؟ ارباب سیر محققین کا مسلک یہ ہے کہ وحی کی کتابت تو علی رضی اللہ عنہ اور زید بن ثابت اور زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کیا کرتے تھے اور حنظلہ بن ربیع تیمی رضی اللہ عنہ اور معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ بادشاہوں اور قبائل کے سرداروں کے نام آنحضرت کی طرف سے خطوط لکھتے تھے۔ اسی طرح یہ دونوں آپ کی ضروریات اور صدقات کے بارے میں آمد اور تقسیم بھی لکھا کرتے تھے۔) وہ مسلمان اور مخلص مسلمان تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اور تینوں خلفاء کے ہمدرد اور خیرخواہ تھے۔ ان تمام باتوں کے باوجود معاویہ رضی اللہ عنہ بہرحال احد اور خندق کے معرکوں میں مشرکین کے قائد ابوسفیان کے بیٹے تھے' وہ ہند کے لڑکے تھے جس کی حمزہ رضی اللہ عنہ سے دشمنی کا یہ عالم تھا کہ قتل کے بعد ان کی لاش تلاش کر کے' ان کا پیٹ چاک کر کے ان کا کلیجہ چبائے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے معزز چچا کے غم میں تقریباً بے ضبط کر دے۔ (الحسین مصنفہ علی جلال حسینی ص ۶۱ مطبوعہ قاہرہ)۔ مترجم

مسلمان حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے جیسے آخر میں اسلام لانے والوں کو "امان یافتہ" کے خطاب سے یاد کیا کرتے تھے' اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا تھا۔ جاؤ تم سب کے سب آزاد ہو' تم سے باز پرس نہیں۔

لوگ ان تمام باتوں کو جانتے تھے اور خیال کرتے تھے کہ ہاشمی خلیفہ اور اموی امیر کے درمیان معاملات کا تصفیہ آسانی اور نرمی سے نہیں طے پاسکتا۔ لوگ اس حقیقت سے بھی آگاہ تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد قریش نے خلافت کا رخ بنی ہاشم کی طرف سے اس لیے پھیر دیا کہ نبوت اور خلافت قریش کے اس خاندان میں جمع کرنا امن و عافیت کے خلاف ہے اور نامناسب بھی۔ لوگ ایسا خیال کرتے تھے کہ اللہ نے بنی ہاشم کو نبوت سے نواز کر بہت کچھ خیر و برکت کا مالک بنا دیا ہے۔ اب ان کو اسی فضل و کرم پر قناعت کرنی چاہیے۔

اس کے معنی یہ ہیں کہ لوگوں کو صرف یہی خطرہ نہ تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میں جھگڑا ہو گا بلکہ وہ ڈرتے تھے کہ ایک طرف تو علی رضی اللہ عنہ اور بنی ہاشم کے تعلقات میں خرابی پیدا ہو گی دوسری طرف کل خاندان قریش باہم دست و گریباں ہو گا' ان

حالات میں وہ اپنے سامنے ایک ایسی زندگی دیکھ رہے تھے جس کی صبح و شام میں نہ امن و عافیت تھی اور نہ فراخی اور خوش حالی' البتہ خوف تھا اور بے چینی۔ ان کو خطرہ تھا کہ کہیں یہ زندگی آگے چل کر انہیں مصیبت کے کسی بڑے دلدل میں نہ پھنسا دے' وہ جب غور کرتے انہیں نظر آتا کہ بڑے بڑے مہاجر اور انصار صحابہ کی ایک جماعت معاملات سے دور رہنا پسند کرتی ہے اور لوگوں کا ساتھ دینا نہیں چاہتی چنانچہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے معاملات سے الگ رہی' حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت میں حصہ نہیں لیا اور انتظار میں وقت گزارتی رہی' اس جماعت میں اچھی خاصی تعداد ایسے افراد کی تھی جو خوبی اور نیکی میں انتخاب تھے اور اس قابل کہ سب سے زیادہ ان کا احترام کیا جائے۔ جیسے سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اللہ کی راہ میں سب سے پہلے تیر چلانے والے' فارس کے فاتح' نبی صلی اللہ علیہ وسلم جن لوگوں سے خوش ہو کر دنیا سے گئے ان میں سے ایک فاروق اعظم کی مقرر کردہ مجلس شوریٰ کے رکن اور جیسے عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ وہ مرد نیک جو مسلمانوں میں اختلاف خیال کے باوجود اپنے دینی تفقہ کی وجہ سے مقبول ہیں۔ محاسن کے دل دادہ' حرص و طمع سے دور اور مسلمانوں کے بلا رو عایت خیر خواہ۔

پھر لوگوں نے دیکھا حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے رضا اور رغبت کے ساتھ بیعت نہیں کی ہے ان تمام باتوں کو دیکھ کر اور جان کر اور ان کا اندازہ لگا کر کیوں نہ لوگ سراسیمہ اور خوفزدہ ہوں؟

تاہم نئے خلیفہ ایسی قابلیت کے مالک تھے کہ لوگوں کا دل اطمینان اور امیدوں سے بھر دیں وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی تھے۔ حضرت ام المومنین خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد سب سے پہلے اسلام لانے والے' مردوں میں سب سے پہلے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھنے والے' اسلام کی دعوت اور اعلان سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت میں رہنے والے' اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے احساس فرمایا کہ ابو طالب زندگی کے دن تنگی میں گزار رہے ہیں۔ آپ نے کوشش کی بیٹوں کا بوجھ اٹھانے میں دوسرے چچا ابو طالب کی امداد کریں چنانچہ صرف عقیل ابو طالب کے پاس رہ گئے اور وہ یہ چاہتے بھی تھے' باقی دوسرے لڑکے دیگر بھائیوں کی پرورش میں چلے گئے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنی کفالت میں لے لیا اور ان کی تربیت اور پرداخت فرمانے لگے۔ جب اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت کے لیے پسند فرمایا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کی تربیت میں تھے اور ابھی دس سال سے کچھ بڑے تھے۔ پس ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اسلام کے ساتھ ساتھ پلے اور بڑے ہوئے۔ نبی کریم

ﷺ کو آپ سے بے حد محبت تھی۔ وہ آپ کو غیر معمولی درجے میں مقدم رکھتے تھے، ہجرت کے موقع پر آپ کو لوگوں کی امانتیں سپرد کیں اور آپ نے ان کے مالکوں تک پہونچا دیا، پھر قریش نے جس رات اللہ کے رسول ﷺ کو قتل کرنے کی سازش تھی آپ کو اپنے بستر پر سونے کا حکم دیا اور آپ سوئے اس کے بعد آپ نے ہجرت کی اور مدینہ میں نبی کریم ﷺ سے جا ملے اس کے بعد مواخات کی تقریب میں رسول خدا نے اپنے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بھائی چارہ قائم کیا، پھر اپنی لڑکی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بیاہ دیا، بعد میں تمام غزوات میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ رہے۔ سخت معرکوں میں علم آپ ہی کے ہاتھوں میں رہا۔ خیبر کے دن رسول ﷺ نے فرمایا کل جھنڈا ایسے شخص کے ہاتھ میں دوں گا جو رسول اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ محبت رکھتا ہے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو بھی اس سے محبت ہے دوسرے دن جب صبح ہوئی تو جھنڈا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دیا، مدینہ پر اپنا جانشین بنا کر جب آنحضرت ﷺ غزوہ تبوک جانے لگے تو فرمایا تم میرے لیے موسیٰ کے ہارون ہو لیکن یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو گا۔ حجۃ الوداع جاتے ہوئے مسلمانوں کو خطاب کر کے آپ نے فرمایا جس کا میں سردار ہوں علی رضی اللہ عنہ بھی اس کے سردار ہیں۔ اے خدا جو علی رضی اللہ عنہ کو دوست رکھے اس کو تو بھی دوست رکھ اور جو اس سے دشمنی کرے تو بھی اس سے دشمنی کر۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علم اور تفقہ سے خوب واقف تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ (ہم میں سب سے زیادہ فیصلہ کرنے کی طاقت حضرت علی رضی اللہ عنہ میں ہے)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب کسی معاملے کے فیصلے میں پیچیدگی کا سامنا ہوتا تو وہ اس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کرتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب شوریٰ کی ہدایت کی تھی اس وقت یہ بھی فرمایا تھا کہ اس چٹیل سر والے کو مسلمان اگر اپنا والی بنا لیں تو وہ ان کو بے راہ نہیں ہونے دے گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے محامد اور محاسن بہت زیادہ ہیں۔ نبی کریم ﷺ کے صحابہ اپنے اختلاف کے باوجود ان محاسن کا اعتراف کرتے ہیں تابعی بزرگ ان اوصاف کے قائل ہیں اہل سنت کا ان فضائل پر یقین ہے جس طرح شیعوں کا یقین ہے۔

آگے چل کر جب ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سیرت اور مشکلات اور مصائب میں ان کے طرز عمل کی تفصیل پیش کریں گے تو آپ دیکھیں گے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ مذکورہ بالا فضائل اور محاسن کے بلکہ اس سے بھی زیادہ کے اہل تھے اور بلا شبہ آپ میں سب سے زیادہ یہ

صلاحیت تھی کہ مسلمانوں میں فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جیسی روش اختیار کریں اور ان کو اسی راہ پر لے جائیں اور اگر حالات سازگار ہوتے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ مسلمانوں کو بھلائی' کامیابی اور سعادت کی اس منزل پر پہنچا دیتے جہاں ان کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ پہنچا چکے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ خدا کی ان پر رحمت ہو بڑی سچی فراست کے مالک تھے۔ انہوں نے بالکل ٹھیک اندازہ کیا تھا جس میں کوئی غلطی نہ تھی کہ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلافت دے دی جاتی تو وہ لوگوں کو سیدھی راہ سے بھٹکنے نہ دیتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان سے بہت زیادہ مشابہ ہیں وہ بھی حق کے بارے میں سختی سے پیش آتے ہیں' حق کے معاملے میں تنگی برتنے والوں کے لیے بڑے سخت ہیں۔ لیکن قوم نے ابن خطاب کی وفات کے بعد جب دنیا قدموں پر گر رہی تھی' جب معقولیت اور ذہانت کار فرما تھی اور معاملات مسلمانوں کی منشاء کے مطابق چل رہے تھے' حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ نہیں بنایا اور بنایا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بنایا' پھر نتیجہ دونوں کے حق میں جو کچھ ہونا تھا ہوا اس کے بعد جب دنیا بگڑ گئی' معاملات میں انتشار ہو گیا اور اقتدار کی رسی ڈھیلی ہو گئی۔ بعض نے بعض کے ساتھ بدگمانی کی حد کر دی۔ بعض نے بعض کے خلاف کارروائیوں کی انتہا کر دی تب جا کر کہیں ایک اچھی خاصی تعداد نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے التجا کی اور آپ کی بیعت کی' کچھ لوگ ضرور آپ سے دور رہے لیکن ان کا مقصد آپ کی راہ میں رکاوٹ پیدا کرنا نہ تھا ہاں ایک جماعت نے آپ کی بیعت سے انکار کیا وہ آپ کو پسند کرتی تھی اور نہ اسے آپ کی اطاعت منظور تھی' اب نئے خلیفہ اور اس کے ساتھیوں نے جو نظر اٹھائی تو انہیں معلوم ہوا کہ وہ غیر معمولی حالات اور معاملات سے دوچار ہیں وہ ایک ایسے مشتبہ فتنے کے گھیرے میں ہیں جس کی تاریکی بینائی کا خاتمہ کر چکی ہے۔ آدمی اس میں اپنا ہاتھ نکالے تو اس کو اپنا ہاتھ نظر نہ آئے۔

بڑی بڑی مشکلات کے ان پہاڑوں اور فتنہ و فساد کی ان بے رحم تاریکیوں کے درمیان بھی ایک بالکل مطمئن آدمی کی طرح' حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے دل میں ایمان کی صداقت' دین کی سچی محبت' حق کی بقاء کا جذبہ اور سیدھی راہ پر ثابت قدمی کی تڑپ بہ تمام و کمال پاتے تھے۔ اسلام کے معاملے میں انہوں نے نہ سرمو انحراف کیا اور نہ ذرا بھی رورعایت کی' جدھر حق دیکھا ادھر چل پڑے پھر کسی طرف نہیں جھکے نہ کسی کا انتظار کیا۔ انجام کی بھی پروانہ کی' اس کو اہمیت نہ دی کہ کامیاب ہوں گے یا ناکام زندگی ملے گی یا موت' ہاں اہمیت تھی تو اس کی کہ راستے بھر اللہ راضی رہے اور دل مطمئن۔

خلافت اور بنی ہاشم

آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ دونوں کا نقطۂ نظریہ تھا کہ منصب خلافت صرف بنی ہاشم کا حق ہے یہ کہ نہ کسی اور خاندان میں منتقل ہونا چاہیے اور نہ کسی غیر ہاشمی کو خلیفہ بنانا چاہیے اور اگر حضرت عباس رضی اللہ عنہ اسلام لانے میں پچھڑ نہ گئے ہوتے تو بھتیجے کی بجائے جانشینی کے لیے یقیناً خود اپنی ذات کو پیش کر دیتے اور مسلمانوں پر حکومت کی وارثت حاصل کر لیتے لیکن انہوں نے معاملہ پر غور کیا اور سمجھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس اقتدار کے وارث بننے کے ان سے زیادہ حق دار ہیں۔ اس لیے کہ اسلام لانے میں انہوں پہل کی ہے وہ آنحضرت ﷺ کے پرورش کردہ ہیں جو غزوات کی مصیبتوں میں پوری طرح ثابت قدم رہے اور اس لیے رسول ﷺ ان کو بھائی کہا کرتے تھے جس پر ایک دن ام ایمن نے آنحضرت ﷺ سے مزاح کرتے ہوئے کہا تھا..."بھائی بھی کہتے ہیں اور انہیں سے اپنی لڑکی بھی بیاہ دی ہے..." مزید براں آنحضرت ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے فرمایا ہے کہ وہ میرے لیے موسیٰ کے ہارون ہیں اور یہ کہ جس کا میں سردار ہوں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اس کے سردار ہیں۔

انہی تمام باتوں کے پیش نظر حضرت عباس رضی اللہ عنہ وفات نبوی کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہنے لگے ہاتھ بڑھایئے میں آپ کی بیعت کروں گا۔ لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فتنے کا خطرہ محسوس کر کے اس سے انکار کر دیا۔ اس واقعہ کا تذکرہ بہت دنوں بعد حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کیا قریش کے ایک اور آدمی نے چاہا تھا کہ حضرت علی کی بیعت کر لے۔

اس کی یہ خواہش اس لیے نہیں تھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت تھی اور وہ آپ سے خوش تھا یا وہ نبی کریم ﷺ سے آپ کے خاص تعلق کا اعتراف کرنا چاہتا تھا بلکہ اس کا یہ ارادہ عبد مناف کی خاندانی عصبیت کی بناء پر تھا' یہ آدمی ابو سفیان ہے۔ اسلام سے مقابلے اور نبی کریم ﷺ سے جنگ کے دوران میں یہی آدمی قریش کا سردار تھا۔ اس نے جب دیکھا کہ مسلمانوں کا لشکر مکہ پر چھا گیا ہے تو مجبوراً اسلام قبول کر لیا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اس کو نبی کریم ﷺ کی خدمت میں لائے جہاں لا الٰہ الا اللہ کہہ دینے میں اس کو کچھ تردد نہیں ہوا۔ اس لیے کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہ ہونے کا اعتراف کر لینے میں اس کے نزدیک کوئی مضائقے کی بات نہ تھی لیکن جب اس سے یہ شہادت طلب کی گئی کہ محمد اللہ کے رسول ہیں تو

اس نے کہا اس کے بارے میں میرا دل صاف نہیں ہے اور اگر حضرت عباس رضی اللہ عنہ اس کو آمادہ نہ کرتے اور قتل کی دھمکی نہ دیتے تو وہ ہرگز رسالت کا اقرار نہ کرتا۔ بہر حال وہ مسلمان ہوا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش میں اس کے وقار کی رعایت رکھ کر جب اسلامی فوج مکہ میں فاتحانہ داخل ہو رہی تھی اس کے گھر کو بھی امن کی جگہ قرار دیا' پس حضرت ابو سفیان ان امان یافتہ لوگوں میں سے ایک ہیں جن کو اللہ کے رسول نے مکہ کے فاتحانہ داخلے کے موقع پر معاف کر دیا تھا۔ ان واقعات کے پیش نظر اس کو اپنے خلیفتہ المسلمین ہونے کا تو خیال بھی نہیں آسکتا تھا البتہ اس نے دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے باپ عبد مناف کی اولاد میں سے ہیں اور یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس اقتدار کی وراثت کے سب سے زیادہ حق دار ہیں لیکن خلافت قبیلہ تیم کے ایک آدمی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو دی جا رہی ہے اور اندازہ ہے کہ اس کے بعد یہ منصب قبیلہ عدی کے ایک شخص عمر رضی اللہ عنہ تک پہنچے گا' تو اس نے باپ کی قریبی اولاد کو چچا کے بیٹوں پر ترجیح دی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا۔ ہاتھ بڑھایئے میں آپ کی بیعت کروں گا۔ لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی طرح اس کی بات ماننے سے بھی انکار کر دیا۔ اگر آپ ان دونوں بوڑھوں کی بات مان لیتے تو مسلمانوں میں خواہ مخواہ کا فتنہ پیدا کر دیتے' پھر اس فتنے کا مقابلہ کرنے اور اس پر غلبہ پانے کی بات تو در کنار اس کی برداشت ہی بس سے باہر ہوتی۔

اس لیے کہ آپ جانتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بیعت کے معاملے میں انصار میں اختلاف تھا۔ اب اگر قریش میں بھی پھوٹ پڑ جاتی تو انجام کیا ہوتا۔ اسی طرح آپ جانتے ہیں کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی دور میں کچھ عرب دین سے پھرنے لگے تھے۔ اب اگر قریش اور انصار ایک دوسرے کے مقابل ہو جاتے تو صورت حال کا نقشہ کیا ہوتا؟

پس حضرت علی رضی اللہ عنہ' حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو سفیان سے اپنی بیعت کا انکار کرنے میں بالکل حق بجانب تھے' ان کا طرز عمل سراپا خیر تھا۔ وہ اللہ اور اسلام کے پوری طرح مخلص تھے' اپنی ذات کو خلافت کے لیے پیش نہیں کیا اور نہ اس سلسلے میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے جھگڑا کیا۔ بلکہ لوگوں کی طرح ان کی بیعت کر لی۔ طبیعت کو تقاضے کے خلاف دبایا اور مسلمانوں کی خاطر اپنی طبیعت کو اس بات پر راضی کر لیا کہ اپنے حق سے چشم پوشی کر لیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اندازہ تھا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بعد

خلافت انہی کو ملے گی' اور مسلمان اس بوڑھے کو خلیفہ بنادینے میں معذور تھے جس کو اپنی بیاری کے دنوں میں آنحضرت رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ وہ نماز میں لوگوں کی امامت کرے تاہم حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیعت کرنے میں تیزی نہیں دکھائی بلکہ کچھ دیر لگائی شاید وہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے خفا تھے جس طرح فاطمہ رضی اللہ عنہا (خدا کی ان پر رحمت ہو) حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے خفا تھیں اس لیے کہ جب انہوں نے اپنے باپ کی میراث ان سے طلب کی تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے انکار کرتے ہوئے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سنائی... "ہم انبیا کسی کو وارث نہیں بناتے ہمارا ترکہ سب کا سب صدقہ ہے..." لیکن بہرحال حضرت علی رضی اللہ عنہ آئے اور بیعت کرتے ہوئے اپنی تاخیر کا یہ عذر پیش کیا کہ میں نے ارادہ کرلیا تھا کہ قرآن جمع کرلینے کے بعد ہی گھر سے نکلوں گا' حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آپ کا یہ عذر قبول کرلیا۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بوڑھے ہوچکے تھے ان کی عمر ساٹھ سے اوپر ہوچکی تھی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ابھی جوان تھے۔ تیس سال کچھ زیادہ کی عمر تھی' سوچتے تھے کہ ان کے اور مسلمانوں کے سامنے مستقبل کا میدان بہت وسیع ہے' بہت جلد ان کو ان کا حق مل جائے گا۔ جب اللہ اس بوڑھے کو اپنے جوار رحمت میں بلالے گا جس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کے ایک کام کے لیے آگے کیا تھا پھر مسلمانوں نے دنیا کے کاموں کے لیے بھی اسی کو آگے کردیا۔

لیکن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے خلافت کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نامزد کیا اور مسلمانوں نے بالاتفاق اس نامزدگی کو منظور کیا۔ ایک نے بھی مخالفت نہیں کی۔ یہ دیکھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے محسوس کرلیا کہ ان کے اور قریشی مہاجرین کے درمیان ایک کھلا ہوا اختلاف ہے' وہ خلافت کو اپنا حق خیال کرتے ہیں اور مہاجر اس کے لیے ان کا حق تسلیم نہیں کرتے۔ مہاجر ان کو اپنے ہی جیسا ایک آدمی خیال کرتے ہیں جو پابندی اوروں کے لیے ضروری ہے وہ ان کے لیے بھی ہے۔ اب رہے انصار تو انہوں نے خلافت سے مایوس ہوکر اپنے آپ کو قریشی مہاجروں کے لیے رضامند بنالیا تھا' ان میں سے جس کو پیش کیا جاتا اس کی بیعت کرلیتے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فتنے کو برا سمجھا۔ امن و عافیت کو مقدم جانا اور مسلمانوں کی خیر خواہی کی کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بھی بیعت کرلی اور جس بات کو اپنا حق خیال کرتے تھے اس کا اظہار تک نہیں کیا اور صبر سے کام لیتے رہے۔ آپ نے خلیفہ اول کی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بھی خیر خواہی کی۔ پھر جب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو خنجر مار دیا گیا اور خلافت کا منصب چھ ارکان شوریٰ کے حوالے کیا گیا' حضرت علی رضی اللہ عنہ کو

یقین تھا کہ قریش انکی ہم نوائی نہیں کریں گے اور نہ ان کا حق تسلیم کریں گے تو نہ اپنے لیے تحریک کی نہ لوگوں پر ان کی مرضی کے خلاف جبر کرنا چاہا اور اگر کرنا بھی چاہتے تو اس کی کوئی صورت نہ تھی اس لیے کہ آپ کی حمایت میں کوئی جماعت نہ تھی' اور نہ آپ کسی زبردست پناہ میں جاسکتے تھے' ہاں کچھ تھوڑے سے اچھے مسلمان آپ کے ہم خیال تھے جو دبی زبان سے آپ کے لیے تحریک کرتے تھے لیکن وہ کمزور تھے ان کے پاس جو کچھ قوت تھی وہ اسلام کی تھی' نہ وہ کوئی مادی طاقت رکھتے تھے اور نہ خاندانی عصبیت کا زور' جیسے حضرت عمار رضی اللہ عنہ بن یاسر اور حضرت مقداد بن اسود وغیرہ' شیخین رضی اللہ عنہ کی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بھی بیعت کرلی' جانتے تھے کہ آپ کو دبایا جارہا ہے لیکن پھر بھی آپ نے بیعت میں پس وپیش نہیں کی۔ اور نہ پہلے دونوں خلفاء کی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ خیر خواہی میں کوئی کمی یا کوتاہی کی' تا آنکہ مصائب کا دور آگیا جس کی تصویر ہم نے اس کتاب کے پہلے حصے "عثمان رضی اللہ عنہ" میں کھینچی ہے۔

یہ فطری بات تھی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے متعلق غور فرماتے اور جو زیادتی آپ کے ساتھ کی گئی ہے اس پر کچھ سوچتے لیکن پھر بھی آپ نے خلافت کی طلب نہیں کی اور جب تک آپ کو مجبور نہیں کردیا گیا آپ نے بیعت کے لیے اپنے کو پیش نہیں کیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعض باغیوں نے تو یہ دھمکی دی کہ اگر آپ آمادہ نہ ہوں گے تو آپ کو بھی ان ہی کی جگہ پہنچادیا جائے گا۔ علاوہ ازیں مدینہ کے مہاجر اور انصار آپ کی خدمت میں آئے اور آپ سے درخواست کی کہ مسلمانوں کے والی بن کر ان کو اس فتنے کی تاریکی سے نکالیں' پھر جب آپ نے ان کی درخواست منظور کرلی تو کسی صحابی کو مجبور نہیں کیا جس نے چاہا اس کی بیعت لی اور جس نے انکار کیا اسے چھوڑ دیا۔ حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ' حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ حضرت اسامہ ابن زید رضی اللہ عنہ کو انصار کی ایک جماعت کو جس کے سردار محمد ابن مسلمہ تھے چھوڑ دیا' بقول اکثر مورخین کے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو نہیں چھوڑا اس لیے کہ باغیوں سے ان کے تعلق کی بناء پر فتنے کا خطرہ تھا لیکن میرا خیال یہ ہے کہ ان دونوں کو بھی بیعت پر مجبور نہیں کیا گیا بلکہ یہ اپنی خوشی سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور بیعت کی بعد میں جب انہوں نے خلیفہ کا سلوک اپنی توقع کے خلاف دیکھا تو اپنا نقطۂ نظر بدل دیا۔ غالباً یہ دونوں سمجھے ہوئے تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان کی سخت ضرورت ہے۔ ان میں سے ایک کوفہ میں اور

دوسرا بصرہ میں غیر معمولی اثر رکھتا ہے اور ان ہی دونوں شہروں نے بغاوت میں غیر معمولی طور پر مشترک حصہ لیا تھا اور لوگوں کا خیال تھا کہ کوفہ اور بصرہ کے لوگوں نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے اشتعال دلانے سے یا کم از کم ان کی مرضی سے بغاوت میں سرگرمی دکھائی تھی۔

پس یہ دونوں اس توقع میں تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بہت جلد محسوس کرلیں گے کہ کوفہ اور بصرہ میں ان کو اپنی جماعتوں میں غیر معمولی اثر و اقتدار حاصل ہے اور بلا تامل ان کو اپنی حکومت میں شریک کرلیں گے۔

اس طرح یہ خلافت ثلاثی یعنی سہ طاقتی ہوگی اور شوریٰ کے یہ تین ارکان باہم حکومت تقسیم کرلیں گے' حجاز' مصر اور شمالی افریقہ کے مفتوحہ اور غیر مفتوحہ علاقے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حکومت میں ہوں' حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیرؓ خیال کرتے تھے کہ اگر ان کی یہ سہ طاقتی خلافت مستحکم ہوگئی تو شام کا مسئلہ نہایت آسان ہوگا لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو ان دونوں شہروں کی گورنری دینے سے انکار کردیا اور چاہا کہ ان کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسا سلوک کریں اور ان کو اپنے ساتھ مدینے میں روک رکھیں جس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے پہلے ممتاز مہاجر صحابہ کو مدینے میں روک رکھا تھا لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کے ساتھ وہ سختی نہیں برتی جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ جہاد کی اجازت مانگنے والے صحابہ کے ساتھ کرتے تھے بلکہ ایک مہربان دوست کی طرح ان سے کہا--- میں چاہتا ہوں کہ آپ دونوں حضرات کو اپنے ساتھ رکھوں کہ آپ کی جدائی سے مجھے وحشت ہوگی۔

اب ان دونوں کو معلوم ہوا کہ ان کا خیال اور اندازہ غلط تھا اور یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ وہ دروازہ کھولنے والے ہیں جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر خنجر سے وار کے بعد بند ہوچکا تھا اور ان کا انجام مدینے میں ان ممتاز مہاجر صحابہ کا انجام ہوگا جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ چنانچہ ان کو مدینہ میں قیام کرنا ہوگا۔ ہر سال وہ اپنا مقررہ وظیفہ حاصل کرسکیں گے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی نرمی' رواداری اور چشم پوشی سے جو کچھ مل جایا کرتا تھا وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کسی صورت میں نہیں ملے گا' پس انہوں نے نہ کوفہ مانگا نہ بصرہ بلکہ رنجیدہ ہوکر چپ چاپ بیٹھ رہے اور سنجیدگی اور غور کے ساتھ اپنا معاملہ ٹھیک کرنے میں مصروف ہوگئے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور صوبوں کے گورنر

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نرم اور مدبرانہ جواب سن لینے کے بعد بھی حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے دل سے بصرہ اور کوفہ کا خیال نہیں نکلا' بلاذری کا بیان ہے کہ مغیرہ بن شعبہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ انتظامات میں مضبوطی کے پیش نظر آپ شام پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو برقرار رکھنے اور عراق کے دونوں شہروں پر حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو مقرر کر دیجئے لیکن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے اس رائے کی مخالفت کی اور کہا بصرہ اور کوفہ دولت اور خراج کے چشمے ہیں اگر ان پر ان دونوں کو حکمران بنا دیا گیا تو یہ مدینہ میں مقیم خلیفہ کو تنگ کریں گے اور شام پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا باقی رہنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے مفید ہونے سے زیادہ نقصان پہنچانے والا ہو گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی رائے مان لی اور مغیرہ بن شعبہ کا مشورہ قبول نہیں کیا۔

دوسرے مورخوں نے اس کو ایک دوسری طرح بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ مغیرہ بن شعبہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے معلوم کرنے کی غرض سے ان کو مشورہ دیا کہ ایک سال تک عثمانی گورنروں کو جن میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی تھے ان کے عہدوں پر باقی رکھئے تاکہ لوگ آپ کے حق میں پکے ہو جائیں اور صوبوں سے وفاداری کی اطلاع بھی آپ تک آ جائے۔ ایک سال گزرنے کے بعد جیسی تبدیلی مناسب سمجھئے کر لیجئے گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ مشورہ قبول کرنے سے انکار کر دیا اس لیے کہ چالبازی آپ کو طبعاً ناپسند تھی اس کے بعد مغیرہ دوسرے دن آئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے میں نے اپنی پہلی رائے بدل دی اور اب مجھے آپ کی رائے سے اتفاق ہے' مغیرہ واپس ہو رہے تھے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ان کو دیکھ لیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آکر ان سے دریافت کیا کہ مغیرہ کیا کہہ رہے تھے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کی دونوں باتیں بتادیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کل اس نے جو کچھ کہا اس میں آپ کی خیرخواہی اور اخلاص تھا اور آج اس نے جو بات کہی وہ فریب اور دھوکا ہے۔ اس کے بعد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اصرار کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر زور ڈالا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کو ان کی جگہ کم از کم ضرور برقرار رکھیں لیکن اپنے دامن پر مکر و فریب کے داغ سے ڈر کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ منظور نہیں کیا اور شام کی حکومت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو دینا چاہی لیکن انہوں نے قبول کرنے سے معذرت کی۔

مورخین میں چاہے جیسا اختلاف ہو لیکن اس میں شک نہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گورنروں کو حضرت علی رضی اللہ عنہ برقرار نہیں رکھ سکتے تھے۔ ایک تو یہ بات ان کی راستبازی کے خلاف تھی کہ انہوں نے بار بار حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو انہی گورنروں کے تقرر پر ٹوکا تھا

لوگوں کے ساتھ ان کے طرز عمل سے اپنی ناگواری کا اظہار کیا تھا۔ پھر یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ کل تک تو ان کے معزول کرنے کا مطالبہ کرتے رہے اور آج ان کے برقرار رکھنے پر رضامند ہو جاتے دوسرے سیاست کا تقاضا بھی اس کے خلاف تھا اس لیے کہ فتنہ کی آگ لگانے والے یہ باغی صرف خلیفہ کی تبدیلی نہیں چاہتے تھے وہ تو سیاست کا کل نقشہ بدل دینا چاہتے تھے جس میں گورنروں کا تبادلہ پہلا قدم تھا ہاں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو یہ لوگ شاید معاف کر دیتے جن کو کوفہ والوں نے خود پسند کیا تھا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی لوگوں کی اصلاح اور فتنے کی روک تھام کے خیال سے اس کو منظور کر لیا تھا۔

بہرحال مدینہ والوں کی بیعت سے فرصت پاکر پہلا کام جس کی طرف حضرت علی رضی اللہ عنہ نے توجہ کی وہ صوبوں کے لیے گورنروں کا تقرر تھا چنانچہ آپ نے نہایت مناسب انتخاب کیا بصرہ کے لیے حضرت عثمان بن حنیف ایک مشہور اور ممتاز انصاری کا تقرر اور شام کے لیے انہی کے بھائی حضرت سہل ابن حنیف کو روانہ کیا اور حضرت قیس بن سعد بن عبادہ کو مصر کی طرف روانہ کیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ انصار کو خوش کرنا چاہتے تھے اس لیے کہ بصرہ، کوفہ اور شام جیسے اہم مقامات کے لیے آپ نے انہی میں سے تین افراد کو پسند کیا۔

اب رہ گیا کوفہ تو بعض مورخوں نے روایت کی ہے کہ اس کے لیے آپ نے عمارہ بن شہاب کو چنا تھا لیکن ابھی وہ راستے ہی میں تھے کہ ایک کوفی نے ان کو واپس ہو جانے کے لیے کہا اور دھمکی دی کہ اگر واپس نہ ہوں گے تو قتل کر دے گا۔ اس نے یہ بھی کہا کہ کوفہ کے لوگ اپنے امیر حضرت موسیٰ کے سوا کسی کو پسند نہیں کریں گے چنانچہ عمارہ واپس آ گئے اور حضرت ابو موسیٰ نے اپنی اور کوفہ والوں کی بیعت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیج دی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یمن کا حاکم اپنے چچازاد بھائی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا جب یہ یمن پہنچے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گورنر یعلی بن امیہ مکہ روانہ ہو گئے اور اپنے ساتھ سارا مال بھی لیتے گئے۔

مکہ کی حکومت پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شروع میں بنی مخزوم کے ایک آدمی خالد بن عاص بن ہشام ابن مغیرہ کا تقرر کیا لیکن مکہ والوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے اس کی بیعت سے انکار کر دیا۔ کہا جاتا ہے کہ ایک نوجوان مکی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مکتوب چبا کر پھینک دیا جو زمزم کے حوض میں جا گرا اور مکہ سے متعلق ایک اور بات ہے جس کا ہم آگے چل کر

تذکرہ کریں گے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گورنر اپنے اپنے صوبوں کی طرف روانہ ہوگئے۔ قیس بن سعد تو آسانی سے مصر پہنچ گئے اور عام مصریوں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے بیعت لے لی' البتہ ایک جماعت مقام خربتا میں جمع ہو کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کا مطالبہ کرنے لگی۔ لیکن اس جماعت نے نہ کسی پر ہاتھ اٹھایا' نہ کوئی حکم توڑا۔ البتہ قصاص کا انتظار کرتی رہی۔

عثمان بن حنیف جب بصرہ پہنچے تو لوگوں نے ان کے ساتھ کوئی بے ہودگی اور چالبازی نہیں کی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حاکم عبداللہ بن عامر جو کچھ لے سکے سب لاد کر مکہ چلے آئے اور وہیں مقیم ہوگئے۔

کوفہ میں اپنا حاکم بھیجنے کی روایت ہرچند کہ میں نے پہلے پیش کردی ہے لیکن میرا خیال ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وہاں کسی کو حاکم بنا کر نہیں بھیجا بلکہ حضرت ابو موسیٰ ہی کو باقی رکھا اس لیے کہ وہ کوفہ والوں کی مرضی کے مطابق تھے۔

حضرت سہل بن حنیف شام کی طرف روانہ ہوئے ابھی وہ شامی حدود تک پہنچے ہی تھے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سواروں سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ سواروں کے پوچھنے پر حضرت سہل نے کہا وہ حاکم ہو کر آئے ہیں۔ سواروں نے جواب دیا کہ اگر آپ حضرت عثمان کی طرف سے ہیں تو حکومت حاضر ہے لیکن اگر کسی اور نے بھیجا ہے تو جس نے بھیجا ہے اسی کے پاس چلے جایئے' چنانچہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس چلے آئے۔ جیسے ہی لوگوں کو یہ معلوم ہوا' سخت رنجیدہ ہوئے اور یقین کرلیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ لڑائی پر آمادہ ہیں۔ اب لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خیال معلوم کرنا چاہا کہ وہ کیا چاہتے ہیں لڑیں گے یا صلح کریں گے یا پھر انتظار کرنا پسند کریں گے؟

لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر رہنے کے بعد جھکنے کے قائل نہ تھے' وہ چال کرنے اور تاک میں رہنے کا کام نہیں کرتے تھے اور نہ باتوں میں لگی لپٹی یا ڈھکی چھپی رکھتے تھے پھر بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے معاملے میں انہوں نے کسی جلد بازی سے کام نہیں لیا بلکہ مسور ابن مخزمہ کو اپنا ایک خط دے کر بھیجا جس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ وہ بیعت کرلیں اور شام کے رؤسا اور معززین کو ساتھ لے کر مدینہ آجائیں' خط میں یہ نہیں لکھا تھا کہ وہ اپنے علاقے کے حاکم باقی رہیں گے' کہا جاتا ہے کہ خط حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سبرا جہنی کے ہاتھ روانہ کیا تھا' حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب یہ خط پڑھا تو کچھ جواب نہیں دیا بلکہ انتظار میں

رکھا اور خود خفیہ تدبیریں کرنے لگے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نامہ بر جب جواب پر اصرار کرتا تو اس کو خوفناک جنگ کے مناظر پیش کرنے والے اشعار سناتے۔

ادم ادامة حصن او خذ ابیدی
حرباضرو ساتشب الجزل والضرما
فی جار کم و اہلکم انکان مقتلہ
شنعاء شیبت الاصداغ واللمما
اعیا المسود بها والسیدون فلم
یوجد لہا غیرنا مولی ولا حکما

قلعہ کی طرح جے رہو، یا پھر مجھے ایک ہولناک لڑائی کی دعوت دو۔
تمہارے پڑوسیوں اور لڑکوں کی ایسی سخت خونریزی ہوگی کہ کنپٹی اور سر کے بال سفید ہو جائیں گے۔ آقا اور غلام دونوں عاجز ہو جائیں گے اور ہمارے سوا کوئی والی اور حاکم نہ ہوگا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حادثے کا تیسرا مہینہ تھا جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک دن بنی عبس کے ایک آدمی کو بلایا اور اس کو اپنے دستخط کا ایک طومار (پلندا) دیا جس کی سرخی تھی۔۔۔ من جانب معاویہ بن ابی سفیان بنام علی رضی اللہ عنہ ابن ابی طالب۔۔۔ اور اس کی ہدایت کردی کہ جب مدینہ میں داخل ہو تو اس لپٹے ہوئے کاغذ کو اونچا کردے کہ لوگ سرخی پڑھ لیں اس کے بعد اس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالے کردینا اور اگر وہ تمہارے آنے کے بارے میں تم سے کچھ باتیں کریں تو تم ان سے یوں کہنا۔۔۔ اور یوں کہنا۔۔۔ یہ عبس مدینہ پہنچا اور اس طومار کو اتنا بلند کیا کہ لوگوں کو معلوم ہوگیا کہ وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا جواب لے جارہا ہے، اب لوگوں کی آتش شوق تیز ہونے لگی کہ دیکھیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کیا لکھا۔ غالباً بہت سے لوگ عبسی کے پیچھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مکان تک پہنچے ہوں گے، جب وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس نے وہ طومار آپ کو دیا۔ آپ نے اس کو کھولا تو اس میں صرف بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا ہوا پایا اس کے سوا اس میں کچھ نہ تھا۔ تب آپ نے عبسی سے پوچھا کیا خبر لائے ہو اس نے جان کی امان کی طلب کی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے منظور کرلیا اس کے بعد اس نے بتایا کہ شامی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا بدلہ لینے کا پکا ارادہ کرچکے ہیں۔ انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا خون آلود پیرہن عوام کے لیے لٹکا دیا ہے۔

جس کے گرد و پیش لوگ جمع ہیں اور زار و قطار رو رہے ہیں پھر اس نے کہا کہ شامی آپ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا ملزم قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ کے خون کے سوا ہمیں کوئی بات منظور نہیں۔ اس کے بعد عبسی باہر نکلا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف مشتعل مجمع سے بڑی مشقت کے بعد چھٹکارا پاسکا۔

اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مدینہ کے بڑے بڑے لوگوں کو بلایا جن میں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بھی تھے اور سب کے سامنے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا جواب یعنی اعلان جنگ رکھا اور کہا بھلائی اسی میں ہے کہ فتنہ بڑھنے سے پہلے ختم کردیا جائے اور قبل اس کے کہ شامی ان پر حملہ آور ہوں شامیوں پر حملہ کردیا جائے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کی طرف سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تسلی بخش جواب نہیں ملا اور لڑائی کے لیے جس جوش و خروش کی ضرورت تھی اس کا مظاہرہ نہیں کیا گیا۔ پھر حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے آپ سے مکہ جانے کی اجازت چاہی جس میں درخواست کی سی نرمی نہیں بلکہ مطالبہ اور اصرار کی سی شدت تھی اور عدم منظوری کی حالت میں خلاف ورزی کی دھمکی بھی' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا جہاں تک ہو سکے گا روکنے کی کوشش کی جائے گی۔

بہت سے مورخوں کا بیان ہے کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے عمرہ کی غرض سے مکہ جانے کی اجازت چاہی تھی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان کی اس غرض پر شبہ تھا اس لیے ان دونوں نے آپ کو یقین دلایا کہ ان کا مقصد صرف عمرہ ہے' بات جو بھی رہی ہو' یہ دونوں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مرضی سے یا خلاف مرضی' بہر حال مکہ روانہ ہو گئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ شامیوں سے جنگ کی تیاری کرنے لگے کہ ان کے اقدام سے پہلے خود حملہ کردیں۔

ابھی آپ لڑائی کی تیاریوں میں تھے کہ مکہ سے بے چین کردینے والی خبریں آئیں جن سے آپ کی رائے میں تبدیلی پیدا ہو گئی اور آپ نے اپنا منصوبہ اور منزل بدل دی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مخالفین

آپ جانتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا حادثہ حج کے دنوں میں ہوا' اس وقت مدینہ کے بہت سے لوگ حج سے فارغ ہو کر واپس ہو رہے تھے۔ ان کو واقعہ کی اطلاع مدینے کے راستے ہی میں ملی۔ ان میں کچھ تو ایسے تھے جو یہ سن کر مدینہ پہنچے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کرلی اور کچھ ایسے تھے جو خبر پاتے ہی الٹے پاؤں مکہ واپس آگئے اس لیے کہ فتنہ و فساد سے دور رہنا چاہتے تھے یا یہ کہ ان واقعات کا ان پر بہت برا اثر پڑا اور ان کے دلوں میں نئے خلیفہ کے

خلاف غصے اور مخالفت کے جذبات پنہاں تھے' خود مدینہ کے بعض لوگ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کے موقع پر حاضر تھے۔ بیعت کر لینے یا بیعت سے انکار کر دینے کے بعد مدینہ چھوڑ رہے تھے اس لیے کہ ان کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اختلاف تھا یا اس لیے کہ وہ مکہ میں گوشہ نشین ہو جانا چاہتے تھے کیوں کہ مکہ مکرمہ امن و عافیت کا حرم ہے جہاں خون خرابہ نہیں ہو سکتا جہاں پہنچ جانے والے کو ڈرایا دھمکایا نہیں جاسکتا' چنانچہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اپنی جان اور اپنا دین فتنوں سے بچائے مکہ کے لیے نکل پڑے' حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کو واپس بلانے کے لیے سوار دوڑانے کا ارادہ کر رہے تھے کہ آپ کی صاحبزادی ام کلثوم آگئیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یقین دلایا کہ وہ شورش اور مخالفت پیدا کرنے کی غرض سے نہیں جا رہے ہیں' حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے بھی مکے کا رخ کیا اور جانے کا مقصد عمرہ کرنا بتایا' یا اطمینان دلایا کہ وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور شامیوں کی طرف سے جنگ میں حصہ نہیں لیں گے۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گورنروں میں سے جس کو بھی موقع مل سکا وہ مکہ آگیا' عبد اللہ بن عامر آئے' یعلی بن امیہ آئے' اسی طرح بنی امیہ کے بہت سے آدمی آئے انہیں میں سے مروان ابن الحکم اور سعید بن العاص ہیں۔ ازواج مطہرات میں سے مکہ میں حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بنت ابوبکر رضی اللہ عنہ موجود تھیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تو حج سے فراغت پا کر مدینہ روانہ ہو چکی تھیں' راہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کی خبر ملی اور بتایا گیا کہ لوگوں نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی یہ سن کر وہ بہت خوش ہوئیں اس لیے کہ ان کی طرح حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ بھی قبیلہ تیم کے تھے لیکن پھر ان کی ملاقات ایک ایسے آدمی سے ہوئی جس نے ان کو حقیقت حال سے باخبر کر دیا اور بتایا کہ مدینہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کی جا چکی ہے' یہ سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بڑی کوفت ہوئی اور کہا علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ دیکھنے سے پہلے اچھا ہوتا کہ آسمان زمین پر گر پڑتا پھر ساتھ والوں سے کہا کہ مجھے واپس لے چلو چنانچہ مکہ واپس آگئیں' لوگوں میں یہ بات عام ہو چکی تھی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے خوش نہیں ہیں بلکہ افک والی بات کے بعد تو لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سخت ناراض ہیں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ کو طلاق دے دینے کا اشارہ کیا اور کہہ دیا کہ۔۔۔ اور بہت سی عورتیں ہیں۔ یہ واقعہ اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے کا ہے جس میں اللہ نے حضرت عائشہ کی برات کی ہے' پس حضرت عائشہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ بات دل سے بھلا نہ

سکیں' اس زمانے میں مسلمانوں کی تاریخ' جن زبردست اور موثر ترین شخصیتوں سے روشناس ہوسکی ان میں ایک شخصیت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بھی ہے' وہ اپنے والد ماجد کی طرح صرف نرم دل نہ تھیں بلکہ ان میں فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی طرح شدت بھی تھی- پھر وہ اس وراثت کی بھی خاص حصہ دار تھیں جو جاہلیت کے دور نے عربوں کو دیا تھا چنانچہ وہ بہت زیادہ اشعار یاد رکھتی تھیں اور برمحل پیش کیا کرتی تھیں- اپنے والد کو حالت نزع میں دیکھ آپ نے جب شاعر کا یہ شعر پڑھا-

لعمرک مایغنی الثراء عن الفتی
اذا حشرجت یوما وضاق بہا الصدد

(یہ شعر عرب کے مشہور سخی حاتم طائی کا ہے- مترجم)

زندگی کی قسم نزع کی حالت میں دولت انسان کو ذرا بھی فائدہ نہیں پہنچا سکتی-

تو سن کر خلیفہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ناگواری کا اظہار کیا اور فرمایا ام المومنین کیا تم یہ آیت تلاوت نہیں کر سکتی تھیں-

وجاء ت سکرت الموت بالحق ذلک ماکنت منہ تحید ۝

موت کی سختی قریب آپہنچی یہی وہ ہے جس سے تو بدکتا تھا-

ازواج مطہرات میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی سب سے زیادہ مخالف حضرت عائشہ تھیں' اتنی مخالف کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ منبر پر کھڑے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے خلاف حد سے بڑھ کر بول رہے تھے تو پردے کی آڑ سے چلانے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں سمجھا' وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بہت سے کاموں پر اور ان کے گورنروں کے طرز عمل پر معترض ہونے سے کبھی رکتی نہ تھیں- یہاں تک کہ بہت سے لوگ یہ خیال کرنے لگے کہ بغاوت پر آمادہ کرنے والوں میں ایک آپ بھی ہیں- میرے خیال میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اختیار کو کچھ دخل نہ تھا- حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شادی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ہوئی تھی جن سے حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے اور اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آنے والی نسل کے آپ باپ بنے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی اولاد نہیں ہوئی حالانکہ حضرت ام المومنین ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے آخری دنوں میں ابراہیم کی ماں بن سکیں پس یہ لاولدی کا غم آپ کو ایک حد تک

ستاتا تھا خصوصاً ایسی حالت میں جب کہ اللہ کے رسول ﷺ آپ کے ساتھ سب سے زیادہ محبت رکھتے تھے۔

دوسرا سبب یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد اسماء خثعمیہ سے نکاح کرلیا تھا' یہ اسماء محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ماں ہیں' اس کے بعد محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہ کی پرورش حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زیر تربیت ہوئی انہیں باتوں کی وجہ سے حضرت عائشہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ناراض تھیں۔

پس جب ان کو معلوم ہوا کہ مدینہ والوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کرلی ہے تو غضب ناک ہوکر مکہ واپس آئیں اور صحن خانہ میں فروکش ہوکر پردہ ڈال لیا' لوگ آپ کے پاس جمع ہونے لگے جن سے آپ پردے کے اندر سے باتیں کرتیں' حضرت عثمان کے خون پر ناراض ہوکر فرماتیں... حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی زبان اور کوڑے نے ہم کو برہم کردیا اور ہم نے ان پر عتاب کیا جس پر وہ نادم ہوئے اور معذرت چاہی' مسلمانوں نے ان کا عذر قبول کرلیا اب اس کے بعد دیہاتیوں اور شورش پسندوں نے ان کے خلاف بغاوت کی اور دھلے ہوئے کپڑے کی طرح ان کو نچوڑا یہاں تک کہ مار ڈالا اور اس طرح ایک حرام خون کو حلال جانا وہ بھی حج کے مہینے میں اور مدینہ جیسے مقام میں جس کی حرمت کا حکم ہے۔

لوگ آپ کی یہ باتیں سنتے تھے اور متاثر ہوتے تھے اور کیوں نہ متاثر ہوتے آپ ام المومنین تھیں اللہ کے رسول ﷺ کی وہ بیوی جن کی آغوش میں آپ کی وفات ہوئی' ایسے باپ کی بیٹی جو ہجرت میں آنحضرت ﷺ کے یار غار تھے' جن کے بارے میں قرآن میں آیتیں اتریں جن کو مسلمان رسول اللہ ﷺ کے بعد سب سے بڑا مانتے تھے۔

حضرت عائشہ کی باتیں سن سن کر مکہ بغاوت کے جذبات سے بھڑک اٹھا تھا ایسی حالت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا وہ فرمان پہنچا جس میں خالد بن عاص بن مغیرہ کو مکہ کا حاکم مقرر کیا گیا تھا نتیجہ یہ ہوا کہ بیعت کا انکار کردیا گیا اس کے بعد حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بھی مکہ پہنچے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مخالفین کے ساتھ مل گئے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے غصے میں بھرے تھے' اسی دن سے مکہ شامیوں کے علاوہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت کے مخالفوں کا مرکز بن گیا۔

مشورہ

قوم آپس میں مشورہ کرنے لگی' اس بات پر سب کا اتفاق ہوا کہ یہ فتنہ اسلام میں ایک

زبردست حادثے کا باعث بنا اور خلیفہ بحالت مظلومی شہید کردیے گئے' اب ایسا اقدام ضروری ہے جس سے یہ سوراخ بند ہو اور اللہ کا دین اپنی شان کے مطابق برقرار رہے اور اس سلسلہ کی پہلی کڑی یہ ہو کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں سے خون کا بدلہ لیا جائے خواہ وہ کوئی ہو۔ اس کے بعد خلافت کا معاملہ مسلمانوں کے مشورے کے حوالے کیا جائے' مسلمان اپنی رضا و رغبت اور دلی اطمینان کے ساتھ اسلام اور مسلمانوں کی خیرخواہی کو سامنے رکھ کر جس کو چاہیں اپنا خلیفہ بنالیں اور اس معاملہ میں کوئی سختی اور زبردستی نہ کی جائے نہ گردنوں پر معلق تلواروں کی دھمکی دی جائے' پھر اس بات پر غور ہوا کہ حصول مقصد کا طریقہ کیا ہو؟

بعض نے اپنا یہ خیال پیش کیا کہ مدینہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں پر حملہ کردیا جائے لیکن بقول مورخین مدینہ والوں کی قوت سے ڈر کر یہ تجویز رد کردی گئی اور اس لیے بھی کہ ایسا کرنا مدینتہ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ اور واقعہ احزاب کو دہرانا ہے جو شاید حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے باغیوں نے کیا تھا۔ بعض نے یہ رائے دی کہ ہم کو کوفہ جانا چاہیے اور وہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے خلاف جنگ کا علم بلند کردینا چاہیے لیکن یہ رائے بھی رد کردی گئی اس لیے کہ کوفہ پر حضرت موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا بڑا اثر تھا اور وہ شورش پسند نہ تھے اور اس لیے بھی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے کٹر باغی اور جم کر کام کرنے والے مخالف کوفہ ہی میں تھے پس وہ طبعی طور پر قوم کو روکتے اور یہ بے عزتی گوارا نہیں کرتے۔ پھر ان کی نظر انتخاب بصرہ پر پڑی اس لیے کہ اس میں قبیلہ مضر کے لوگ بکثرت آباد تھے اور اس لیے کہ عبداللہ بن عامر نے ان کو یقین دلایا کہ بصرہ والوں پر اس کے بڑے بڑے احسانات اور ان سے دوستی کے تعلقات ہیں وہ اس کی سنیں گے اور خاطر خواہ امداد بھی کریں گے' مکہ کو اپنی جنگی سرگرمیوں کا مرکز بنانے کا خیال ان کو اس لیے نہیں آیا کہ وہ امن و امان کا حرم محترم ہے جہاں خونریزی نہیں کی جاسکتی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وجہ سے وہ شام کی طرف سے بالکل مطمئن تھے اور اگر یہ لوگ عراق اور اس کے آگے کی سرحدوں پر غالب آجائیں تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس موقف میں تھے کہ مصر کی فکر سے بھی ان کو بے نیاز کردیں۔ چنانچہ یہ لوگ کوچ کی تیاری کرنے لگے۔ عبداللہ بن عامر اور یعلی بن امیہ نے ساز و سامان سے ان کی بہت کچھ مدد کی پھر عوام کو ساتھ چلنے کی دعوت دی گئی اور تقریباً تین ہزار کی جمعیت ساتھ ہوگئی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ان کے بیان کا عوام پر یہ اثر دیکھ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے ام المومنین سے درخواست کی کہ وہ بصرہ تک ساتھ چلیں

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب میں کہا تم دونوں مجھے لڑائی کرنے کا حکم دیتے ہو انہوں نے کہا نہیں نہیں، ہمارا مقصد تو یہ ہے کہ آپ لوگوں کو نصیحت فرمائیں گی اور ان کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کا مطالبہ کرنے پر آمادہ کریں گی۔ تب آپ نے بلا پس و پیش منظور کر لیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو بھی ساتھ چلنے پر رضامند کر لیا تھا لیکن ان کے بھائی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو روکا اور ازواج مطہرات کے لیے اللہ نے جو حکم دیا ہے اس کی خلاف ورزی نہیں ہونے دی، اللہ کا حکم ہے۔

وقرن فی بیوتکن ولاتبرجن تبرج الجاهلية الاولى الخ

اور تم اپنے گھروں میں قرار سے رہو قدیم جاہلیت کے مطابق نہ پھرو۔

قوم کوچ کے لیے پابہ رکاب تھی، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جب یہ خبریں ملیں تو انہوں نے شامیوں سے جنگ کا خیال چھوڑ دیا تاکہ ان باغیوں کو ان کے ارادے سے باز رکھیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور سابق خلفاء

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی خلافت کا جس طرح استقبال کیا، سابق خلفاء میں اس کی کوئی مثال نہیں، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے وقت کوئی صحابی ان کا مخالف نہ تھا۔ ہاں سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی ایک بات تھی۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے بھی کسی نے اختلاف نہیں کیا۔ لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ دیکھتے ہیں کہ بڑے بڑے صحابہ کی ایک جماعت ان کی بیعت سے اختلاف رکھتی ہے، اختلاف رکھنے والوں میں بعض وہ صحابی ہیں جنھیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت سے نوازا ہے بعض تو فتنے سے بچنا چاہتے ہیں اور بعض لڑنے کے لیے آمادہ ہیں شائد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بڑے صاحبزادے حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے بصرہ جاتے ہوئے راستے میں اپنے باپ کو بالکل صحیح مشورہ دیا تھا کہ جب تک فتنے کا زمانہ ہے آپ حضرت عثمان کے معاملہ سے بے تعلق ہو جایئے اور مکہ چلے جایئے بعض روایات میں ہے کہ اپنی زمین واقع ینبع میں چلے جایئے۔ لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی موجودگی پر مصر تھے اور کہیں نہیں گئے اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا حادثہ ہو جانے پر حسن رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ اب لوگوں سے کنارہ کشی کر لیجئے اور کہیں چلے جایئے تاآنکہ عربوں کی گئی ہوئی عقل واپس ہو جائے، آپ تو اگر سانڈے کے سوراخ میں بھی ہوں گے تو لوگ وہاں سے نکال کر آپ کی بیعت کریں گے اور اس کی ضرورت نہ ہوگی کہ آپ کچھ عرض کریں، بصرہ کے اسی

راستے میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے رائے دی کہ عراق نہ جایئے مبادا بے یارومددگار جان سے جائیں لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کی ایک بات بھی نہیں مانی- یہ ان سے کس طرح ہوسکتا تھا کہ لوگوں کو فتنے میں مبتلا دیکھیں اور امربالمعروف اور نہی عن المنکر کا جو عہدو پیمان انہوں نے اللہ سے کر رکھا تھا اس سے پہلو تہی کریں- چنانچہ انہوں نے خلیفہ کی خیرخواہی کی- کبھی نرمی سے اور کبھی سختی سے ان کے ساتھ پیش آئے انہوں نے رعایا کے ساتھ بھی خیرخواہی کی ان کو گناہ اور نافرمانی سے روکتے رہے خلیفہ کی خوشنودی حاصل کرنے میں ان کی امداد کرتے رہے- علاوہ ازیں حقدار ہوتے ہوئے بھی آپ نے لوگوں سے اپنی خلافت کی بیعت کا مطالبہ نہیں کیا- بلکہ لوگوں نے آپ کو مجبور کیا' باغیوں نے مجبور کیا کہ بغاوت کا خمیازہ بھگتنے سے بچ سکیں' مہاجر اور انصار نے مجبور کیا کہ امام کے تقرر کی کوئی صورت بن پڑے اور لوگوں میں اللہ کے احکام کا اجراعمل میں آئے-

پھر یہ صورت بھی قابل قبول نہ تھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ مدینہ میں بیٹھے اس کا انتظار کرتے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور شامی آکر ان پر حملہ کریں' یا حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ عراق اور اس کے بعد کی سرحدوں کو گھیرتے ہوئے اور خراج کا مال سمیٹتے ہوئے مدینہ پر چڑھائی کردیں تو پھر مقابلے کے لیے نکلیں' پس ضروری تھا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے انکار بیعت کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ شام سے معرکہ آرائی کے لیے نکل کھڑے ہوں' حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف ان کی دلیل قوی تھی' پورے حجاز اور صوبوں کے مسلمانوں کی زبردست اکثریت آپ کی بیعت کرچکی تھی اور آپ کی اطاعت سے گریز نہیں کیا جاسکتا تھا-

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اگر اپنے معاملہ میں انصاف اور اخلاص سے کام لینا چاہتے تو ان کا فرض تھا کہ لوگوں کی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کرلیتے اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے وارثوں کو لے کر آپ کے پاس آتے اور قاتلوں سے قصاص کا مطالبہ کرتے لیکن ان کو تو قصاص سے کہیں زیادہ اس کی فکر کی تھی کہ خلافت کا رخ کسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پھیر دیا جائے چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وفات اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے مصالحت کے بعد جب ان کے لیے حکومت کا میدان صاف ہوگیا تو قصاص یاد رہا نہ قاتلوں کی تلاش- اب ان کو امن وامان یکجہتی اور اتحاد اچھا معلوم ہونے لگا-

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے خلاف بھی حضرت علی

رضی اللہ عنہ کی دلیل حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے کچھ کم قوی نہ تھی' حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے بیعت کرلی تھی' اب ان کا فرض تھا کہ عہد کی پابندی کرتے اور بیعت میں صداقت باقی رکھتے' اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اطاعت ان کو پسند نہ تھی اور بعض کاموں میں ان کی مدد کرنا نہیں چاہتے تھے تو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ' حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ' حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ بن زید رضی اللہ عنہ محمد ابن مسلمہ رضی اللہ عنہ وغیرہ ممتاز صحابہ کی طرح کنارہ کشی کرلیتے لڑائی تو کھڑی نہ کرتے' لوگوں کو باہمی جنگ کی آگ میں تو نہ جھونکتے مسلمانوں میں اس بری طرح پھوٹ تو نہ ڈالتے جس کا منظر آگے چل کر آپ دیکھیں گے۔

اب رہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا معاملہ تو اللہ نے ان کو حکم دیا تھا کہ وہ اپنے گھر میں بیٹھتیں' اچھی باتوں کا حکم دیتیں' پس ضروری تھا کہ پہلے خلفاء کی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد میں بھی وہ اللہ کے حکم کی پابند رہتیں۔ گھر میں بیٹھتیں' اچھی باتوں کا حکم دیتیں' بری باتوں سے منع کرتیں' دوسری امہات المومنین کی طرح نماز اور زکوٰۃ ادا کرتیں اللہ کی جن حکمتوں اور آیتوں کی آپ پر تلاوت کی گئی ہے ان کی یاد دلاتیں' حضرت علی کی بیعت سے انکار اور ان کی خلافت کے تسلیم نہ کرنے پر بھی انہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے کوئی تکلیف اور کوئی ناگواری پیش نہ آئی کہ وہ ام المومنین تھیں' نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غیر معمولی محبت ان سے وابستہ تھی وہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں' بہرحال اتنا تو ضرور تھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا درجہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نگاہ میں کنارہ کشوں کے برابر ہوتا۔ یوم جمل کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ کی جس طرح توقیر باقی رکھی اس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نقطۂ نظر کا پتہ چلتا ہے۔ شاید کوئی یہ کہے کہ قوم کو صرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا غصہ نہ تھا بلکہ لوگ اس کے بھی خلاف تھے کہ باغی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہی جیسا ایک دوسرا امام ان پر مسلط کردیں' حالانکہ ان کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کے باہم مشورہ سے خلیفہ کا انتخاب ہو لیکن جواب یہ ہے کہ خلافت کے لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت مسلمانوں کے باہم مشورے سے نہیں ہوئی بلکہ وہ تو ایک اتفاقی بات تھی۔ بقول حضرت عمر رضی اللہ عنہ اللہ نے اس کے شر سے مسلمانوں کو محفوظ رکھا اور خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیعت بھی مسلمانوں کے مشورے سے عمل نہیں آئی بلکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ کو نامزد کیا اور مسلمانوں نے یہ نامزدگی منظور کرلی اس لیے کہ ان کو شیخین پر اعتماد تھا اور وہ ان سے محبت بھی کرتے تھے۔ لیکن وہ مجلس شوریٰ جس نے حضرت عثمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خلیفہ منتخب کیا اطمینان بخش رضامندی کی

حال نہ تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قریش کے چھ آدمیوں کو مقرر کیا کہ اپنے میں سے کسی ایک کا انتخاب کرلیں۔ چنانچہ انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو چن لیا اور کہا جاسکتا ہے کہ اس کارروائی میں انہوں نے بڑی حد تک اختلاف اور فتنے سے بچنے اور مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی کرنے کی کوشش کی۔

پس حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا اور ان تمام حضرات کا جو کنارہ کشی اختیار کرچکے تھے یہ فرض تھا کہ جتنا ہوسکتا معاملے کو روکتے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت مجبوری سے نہیں رضامندی کے ساتھ کرلیتے اور پھر ان کے ساتھ مل کر ایک طرف ان خرابیوں کی اصلاح اور درستی کی کوشش کرتے جو باغیوں نے پیدا کردی تھیں اور دوسری طرف ایک مضبوط اور مستقل نظام وضع کرنے میں وقت صرف کرتے جو خلیفہ کے انتخاب اور حکومت کے چلانے میں رہنمائی کرتا اور مسلمانوں کو عہد عثمانی جیسے مصائب کا شکار ہونے سے بچاتا لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس وقت قوم نے جو کچھ سوچا اور سمجھا وہ ہمارے دل و دماغ جیسی بات نہ تھی' ان سے دین کے لیے اور اپنے لیے جو کچھ ہوسکتا تھا انہوں نے کیا۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو خلافت کے ابتدائی دور میں جو کچھ پیش آیا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی اسی جیسی ایک بات سے دوچار ہونا پڑا۔ عہد صدیقی میں تمام عربوں نے خلیفہ کی مخالفت کی اور زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کردیا۔ لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو صحابہ کی امداد اور حمایت حاصل تھی۔ انہوں نے بڑی تیزی کے ساتھ فتنے کی آگ بجھادی اور عربوں کو زمین کے مختلف حصوں میں روانہ کردیا جہاں وہ فتوحات میں مشغول ہوگئے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ آئے تو انہوں نے فتوحات کی رفتار میں اور تیزی پیدا کردی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی شیخین کے نقش قدم پر چلے اور مسلمانوں کے ابتدائی دور میں فتوحات کا دائرہ بڑھاتے ہی چلے گئے۔

لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلیفہ ہوتے ہی انہی میں سے کچھ لوگ بدل گئے جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حامی اور معاون تھے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ بہت جلد پھوٹ پڑگئی اور مسلمان آپس میں لڑنے لگے۔ سرحد کی فوجی پیش قدمی چھوڑ کر اپنی جگہ رک گئے۔ شام میں تو بعض نے یہاں تک کیا کہ سرحد کو چھوڑ کر اپنے ان بھائیوں سے مقابلہ کے لیے چلے آئے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حامی تھے۔ یہ دیکھ کر رومی آرزو کرنے لگے کہ ان کے جن مقامات پر مسلمان قابض ہوچکے ہیں ان سے واپس لے لیں اور اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کچھ دیکر ان سے مصالحت خرید نہ لیتے تو وہ شام پر حملے کا ارادہ کرہی چکے تھے۔ پھر جب فضا ٹھیک

ہو گئی تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ رومیوں کے لیے فرصت پا چکے تھے۔

بہر حال حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور عائشہ بصرہ جانے کے ارادے سے نکل پڑے اور ادھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شام سے اپنی توجہ ہٹالی اور طے کر لیا کہ ان تینوں کو جا کر سمجھائیں گے اور واپس لائیں گے۔ ادھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو کافی وقت اور موقع ملا کہ اپنی حکومت مضبوط کر لیں اور فوجی تیاری کے ساتھ ساتھ مصر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف خفیہ کارروائیوں کی بھی تکمیل کر دیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ مدینہ سے نکلے، لوگوں کی مرضی کے خلاف نکلے، آپ کے اس سفر کو لوگ فال بد تصور کرتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اندازہ نہ تھا کہ اب وہ مدینہ سے ہمیشہ کے لیے جا رہے ہیں، ان کا خیال تھا کہ وہ بہت جلد ان تینوں سے مل کر بحث و مباحثے کے بعد انہیں راضی کر کے جماعت میں شامل کر لیں گے اور پھر ان تینوں کو مدینہ لائیں گے اور خود دوسرے خلفاء کی طرح مدینہ ہی میں قیام کریں گے لیکن ابھی وہ تھوڑی ہی دور چلے تھے کہ معلوم ہوا کہ لوگ آگے بڑھ چکے ہیں اور اب وہ بصرہ پہنچے ہوں گے اور مسلمانوں کو وہاں بیعت سے روکتے ہوں گے لیکن اس کے بعد بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ مصالحت سے مایوس نہیں ہوئے۔ البتہ اس کی بڑی احتیاط کی کہ یکایک لڑائی نہ چھڑ جائے۔ چنانچہ آپ نے راستہ طے کرتے ہوئے کوفہ والوں کے پاس آدمی بھیجے کہ ان کو حمایت اور تعاون کی دعوت دیں۔

حضرت علیؓ اور کوفہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے آدمی کوفہ آئے تو انہوں نے دیکھا کہ یہاں کے حاکم ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ شورش اور خوں ریزی سے گریز کرتے ہوئے لوگوں کو امام کی حمایت سے روکنے پر زور دے رہے ہیں، ان کی دلیل اس معاملے میں پھسی پھسی تھی ان کے خیال میں امام کسی کافر دشمن سے تو لڑنا نہیں چاہتے تھے اس میں تو ان کے بالمقابل انہی کی جیسی ایک قوم ہے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والی۔ پس انہوں نے اس کو بہت برا سمجھا کہ مسلمان مسلمانوں سے لڑیں۔ اپنے اسی نقطۂ نظر کو انہوں نے شہر والوں کے لیے بھی ضروری قرار دیا اور دین کا عام حکم ہے کہ انسان جو بات اپنے لیے پسند کرے دوسروں کے لیے بھی اسی پر رضامند ہو۔ پس ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے کوفہ والوں کو لڑائی سے باز رکھ کر ان کو امام کی امداد سے دور رہنے کا مشورہ دے کر گویا اپنے شہر والوں کے ساتھ بڑی خیر خواہی کی اور خلوص برتا۔ لیکن ابو موسیٰ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کر چکے تھے اور کوفہ

والوں کی بیعت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے بھی لے چلے تھے' یہ بیعت ان پر اور شہر والوں پر خلیفہ کی حمایت اور اعانت فرض کر دیتی ہے اگر اس میں ان کے لیے کوئی مضائقہ کی بات تھی تو خلیفہ کے سامنے اپنا استعفیٰ پیش کر کے کام چھوڑ دیتے اور کنارہ کشی اختیار کر کے اوروں کی طرح فتنے سے دور رہتے۔ لیکن یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی انہی کی طرف سے حاکم ہونا بھی قبول کر لیا اور پھر ان کے حکم سے سرتابی۔ یہ کوئی معقول بات نہ تھی یہی وجہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو سخت سست کہا اور معزول بھی کر دیا اور ان کی جگہ حضرت قرظہ بن کعب انصاری کو نیا حاکم بنا کر بھیجا پھر صاحبزادے حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو روانہ کیا کہ وہ کوفہ والوں کو حمایت پر آمادہ کریں' بعض مورخوں نے لکھا ہے کہ اشتر نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اجازت مانگی کہ مجھے کوفہ جانے دیجئے' آپ نے اجازت دے دی۔ شہر میں پہنچ کر اشتر نے اپنی قوم کے چند رعب داب والے آدمیوں کو اکٹھا کیا اور حاکم کی کوٹھی پر ہلہ بول دیا۔ اس وقت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ لوگوں کے سامنے تقریر کر رہے تھے اور جو کچھ بھی کوٹھی میں اور بیت المال میں تھا سب سمیٹ لیا اور کنارہ کشوں کے ساتھ رہنے لگے۔ اشتر نے کوفہ والوں کو خلیفہ کی حمایت کی دعوت عام دی اور ان کو مقام ذی وقار تک لائے جہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے منتظر تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور بصرہ

بصرہ کا معاملہ کوفہ سے بھی ٹیڑھا تھا۔ یہاں کے لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کر چکے تھے اور آپ کے عامل عثمان بن حنیف کے فرماں بردار تھے۔ لیکن بہت جلد ان پر حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور عائشہ رضی اللہ عنہا اور ان کی فوج کا سایہ پڑ گیا' یہ دیکھ کر عثمان بن حنیف نے اپنے دو سفیر ان کے پاس بھیجے' ایک عمران بن حصین خزاعی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی رضی اللہ عنہ دوسرے ابوالاسود دولی' ان دونوں نے ان کے پاس پہنچ کر سوال کیا کہ آپ لوگ یہاں آ کر کیا چاہتے ہیں؟ جواب ملا ہم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا بدلہ چاہتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ خلافت کا مسئلہ مسلمانوں کے سپرد کیا جائے وہ اپنے مشورے سے جس کو چاہیں خلیفہ بنائیں' سفیروں نے اس سلسلے میں مزید گفتگو کرنی چاہی لیکن وہ لوگ کچھ سننے کے لیے تیار نہیں ہوئے پھر یہ دونوں واپس آئے اور عثمان بن حنیف کو بتایا کہ وہ لوگ لڑائی کرنے کے سوا کوئی دوسری بات نہیں چاہتے۔ تب انہوں نے لڑائی کی تیاری کی اور بصرہ والوں کے ساتھ نکلے اور مقابلے میں آ کر کھڑے ہو گئے۔ اس کے بعد بحث و مباحثہ ہونے لگا جو بے نتیجہ

رہا۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنی تقریروں میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا بدلہ لینے پر زور دیا اور خلافت کے لیے مسلمانوں کا مشورہ ضروری قرار دیا۔ اس کے جواب میں بصرہ کے ان لوگوں نے تقریریں کیں جن کے پاس حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے خطوط آئے تھے۔ جن میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل پر ابھارا گیا تھا اس کے بعد بصرہ کے لوگوں میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ ایک طرف سے آواز آئی کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ ٹھیک کہتے ہیں دوسری طرف سے آواز آئی جھوٹ کہتے ہیں اور گمراہی پر ہیں۔ اب کیا تھا ہر طرف سے شور وغل کی آوازیں آنے لگیں' اختلاف میں شدت پیدا ہو گئی اور بصرہ کے لوگ آپس میں گالی گلوچ کرنے لگے۔

اس کے بعد حضرت عائشہ اپنے اونٹ پر لائی گئیں۔ آپ نے خطبہ دیا اور بڑی بلاغت کے ساتھ دیا۔ شگفتہ زبان' میٹھے بول اور استدلال کی پوری قوت کے ساتھ آپ نے فرمایا۔۔۔ تمہاری خاطر ہم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عصا اور کوڑے سے خفا ہوتے رہے تو کیا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خاطر ہم تلوار پر طیش میں نہ آجائیں یاد رکھو تمہارے خلیفہ مظلوم مارے گئے ہیں' ان کی بعض باتیں ہم کو پسند نہ تھیں ان پر ہم نے ان کو کہا سنا پھر باز آگئے اور اللہ سے توبہ کی' اور ایک مسلمان سے' اگر اس نے خطا کی ہے' اس سے زیادہ کیا مطالبہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ اللہ سے توبہ کرے اور لوگوں کو راضی' لیکن پھر بھی ان کے دشمنوں نے ان پر حملہ کر کے ان کو قتل کر دیا اور اس طرح تین حرمتوں کا بیک وقت خون کیا' خون کی حرمت کا' مہینے کی حرمت کا' اور مدینہ منورہ کی حرمت کا۔

لوگوں نے گہری خاموشی سے سنا لیکن تقریر ختم ہوتے ہی پھر شور و غوغا کی آوازیں آنے لگیں' کچھ تائید میں کچھ تردید میں۔ اس کے بعد لوگوں میں گالی گلوچ اور جوتی پیزار ہونے لگی۔ مگر اس کے باوجود عثمان بن حنیف کے ساتھ بصرہ والوں کی ایک زبردست فوج جمی رہی اور شدید معرکہ رہا اور کافی لوگ زخمی ہوئے اس کے بعد روک تھام ہوئی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے آنے تک مصالحت ہو گئی۔ ایک معاہدہ لکھا گیا جس کی رو سے عثمان بن حنیف بدستور حاکم مقرر رہے اور انہی کے قبضے میں ہتھیار اور بیت المال رکھا گیا اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ کو یہ آزادی دی گئی کہ وہ بصرہ میں جہاں چاہیں قیام کریں۔

بظاہر لوگوں میں امن و امان کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ عثمان بن حنیف معمول کے مطابق

نماز پڑھانے ' بال تقسیم کرنے اور شہر کا انتظام کرنے چلے گئے لیکن بصرہ میں آنے والی یہ قوم آپس میں مشورہ کرنے لگی۔ ایک نے کہا اگر ہم علی رضی اللہ عنہ کے آنے تک رکے رہے تو وہ ہماری گردنیں اڑا دیں گے چنانچہ انہوں نے عثمان بن حنیف پر شب خون مارنے کا فیصلہ کرلیا۔ رات نہایت تاریک تھی اور اس میں سخت آندھی چل رہی تھی۔ ان لوگوں نے موقع غنیمت جان کر عثمان پر ایسی حالت میں حملہ کردیا کہ وہ عشا کی نماز پڑھا رہے تھے ' ان کو بری طرح مارا پیٹا ' ان کی داڑھی مونچھ کے بال نوچ لیے اس کے بعد بیت المال کا رخ کیا اور وہاں کے چالیس پہرہ داروں کو قتل کردیا جو سب کے سب غیر عرب تھے اور عثمان بن حنیف کو قید کرکے انہیں اذیتیں پہنچائیں۔ اب تو بصرہ والوں کی ایک جماعت برافروختہ ہوگئی اس کو بدعہدی کا ' امیر کے ساتھ اس زیادتی کا اور بیت المال پر اس طرح دھاوا کرنے کا بڑا رنج ہوا۔ وہ شہر سے بچتے ہوئے ایک طرف نکل آئی تاکہ لڑائی شروع کردے اور جس بات پر اتفاق ہوا تھا کہ کوئی کسی سے تعرض نہ کرے ' اس کی حمایت کرے۔

یہ جماعت قبیلہ ربیعہ کے لوگوں کی تھی اور اس کی قیادت حکیم بن جبلہ عبدی کررہا تھا اس کے مقابلے کے لیے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اپنی قوم کے کچھ لوگوں کو ساتھ لے کر نکلے اور لڑنے لگے۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں نے حریف کے ستر سے زیادہ آدمیوں کا صفایا کردیا ' حکیم ابن جبلہ بھی بڑی بے جگری سے مقابلہ کرنے کے بعد مارا گیا بعد میں اس کے قصاص کا معاملہ بڑی اہمیت اختیار کرگیا۔ کہتے ہیں کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے آدمیوں میں سے کسی نے اس پر ایسا وار کیا جس سے اس کی ایک ٹانگ کٹ گئی۔ حکیم اپنی کٹی ہوئی ٹانگ کے پاس آیا اور اس کو پھینک کر حملہ آور کو اس طرح مارا کہ وہ گر پڑا۔ اس وقت حکیم کی زبان پر یہ رجز جاری تھا۔

یانفس لا تراعی
ان قطعو کراعی
ان معی ذراعی

اے دل کچھ حرج نہیں اگر میرا پاؤں کاٹ لیا گیا ہے میرا ہاتھ تو سلامت ہے۔

اس قدر شدید زخمی ہونے پر بھی وہ لڑتا رہا اور یہ رجز پڑھتا رہا۔

لیس ذلی فی الممات عار
والعار فی الحرب ہو الفرار

والمجد الایفضح الذمار

مرنے میں میرے لیے شرم کی کوئی بات نہیں شرم تو لڑائی سے بھاگنے میں ہے
بزرگی یہ ہے کہ غیرت زندہ کی جائے اور لڑتے لڑتے جان دے دی۔

اس طرح لوگوں نے نہ صرف یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت توڑ دی بلکہ عثمان بن حنیف کے ساتھ معاہدے کی بدعہدی کا بھی اضافہ کردیا اور شہریوں میں سے جن لوگوں نے بھی اس بدعہدی پر اعتراض اور حاکم کے قید کردینے کی' بیت المال کی چیزوں پر قابض ہوجانے کی اور پہرہ داروں کو قتل کردینے کی مذمت کی ان کو قتل کردیا۔ اسی پر بس نہیں کیا بلکہ چاہا کہ عثمان پر بھی وار کردیں لیکن انہوں نے ان کو آگاہ کردیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے شہر کے ناظم اس وقت ان کے بھائی سہل بن حنیف ہیں اگر مجھے کچھ تکلیف پہنچی تو وہ ان کی اولاد کی گردنیں اڑادیں گے تو انہوں نے ان کو چھوڑ دیا اور وہاں سے چل پڑے۔ پھر بصرہ کے ایک راستے پر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملے اور مذاق کرتے ہوئے کہا آپ نے مجھے بوڑھا بھیجا تھا اور میں جوان ہوکر واپس آیا ہوں۔

بصرہ میں مخالفین کی ان تمام حرکتوں کا نتیجہ اس کے سوا کیا ہوسکتا تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں میں غصے اور دشمنی کی آگ بھڑک اٹھے اور بصرہ کے لوگوں میں جو بری طرح پھوٹ کے شکار تھے مزید نفاق اور شقاق پیدا ہو' چنانچہ حکیم ابن جبلہ کے حادثے پر عبد القیس کے لوگ غضبناک ہوکر اعلانیہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج میں شامل ہوگئے' اور معرکے سے بچ نکلنے والے حرقوص ابن زہیر کے آدمی بھی اس کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہوئے اور اس کو سپرد کرنے سے انکار کردیا' بعد میں یہ لوگ احنف ابن قیس کے ساتھ چھ ہزار کے جمعیت میں کنارہ کش ہوگئے۔ یہ حرقوص ابن زہیر عثمان پر ٹوٹ پڑنے والوں میں بڑا سخت تھا۔

اس کے بعد لوگوں میں بڑی پھوٹ اور سخت اختلاف ہوا۔ ایک گروہ چپکے سے یا کھلے بند حضرت علی رضی اللہ عنہ تک پہنچا ایک گروہ منتظر رہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ آئیں تو ان کے ساتھ ہولے۔ ایک جماعت حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی ساتھی بنی تاکہ حضرت عائشہ کی حمایت ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حواری حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی امداد کرے۔ ایک گروہ چاہتا تھا کہ اپنے دین کی حفاظت کرتے ہوئے فتنے کی لپیٹ سے دور رہے۔ چنانچہ کچھ لوگوں کو کنارہ کشی کا موقع ملا اور کچھ فتنے پر مجبور ہوئے لیکن ان تمام باتوں کے بلوجود لیڈروں کا یہ

حال تھا کہ وہ ایک دوسرے سے مطمئن نہ تھے۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ میں اس بات کا اختلاف تھا کہ نماز کون پڑھائے؟ بڑی مشکل کے بعد اس پر اتفاق ہوا کہ ایک دن حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ پڑھائیں اور دوسرے دن حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ کی یہ کیفیت کہ دل رنج و ملال سے لبریز' راستے میں جب پانی کے ایک چشمے پر گزرنے لگیں تو کتوں نے بھونکا آپ نے چشمہ کا نام پوچھا تو لوگوں نے بتایا کہ اس کو حواب کا چشمہ کہتے ہیں۔ تب تو آپ گھبرا کر کہنے لگیں مجھے واپس لے چلو' واپس لے چلو۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے ازواج میں بیٹھتے کہتے سنا... تم میں سے کون ہے کس کو حواب کے کتے بھونکیں گے۔ یہ دیکھ کر حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ آئے اور آپ کو مطمئن کرنے کی یہ تدبیر کی کہ بنی عامر کے پچاس آدمی آپ کی خدمت میں حاضر کیے جنھوں نے شہادت دی کہ یہ چشمہ حواب کا چشمہ نہیں ہے۔

کھلی ہوئی پھوٹ' کھلا ہوا تفرقہ اور دلوں میں چھپا ہوا رنج و ملال' پھر مطلب اور خود غرضی کی باتیں اور ان پر پردہ ڈالنے کی کوششیں۔ یہ تھا قوم کا نقشہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک بڑی فوج کے ساتھ تشریف لائے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کا حال اس کے بالکل برعکس تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس میں کبھی شک نہیں رہا کہ خلافت کے وہ سب سے زیادہ حقدار ہیں۔ پھر جب اس کا موقع آیا تو یہ خیال کر کے کہ حق حقدار کو مل گیا آپ نے عنان خلافت ہاتھ میں لے لی' اور ظاہر ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے باغی مدینہ کے بڑے بڑے مہاجر اور انصار صحابہ رضی اللہ عنہم کو ان کی مرضی کے خلاف مجبور نہیں کر سکتے تھے۔ یہ تو وہ تھے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوات میں شریک رہے۔ ان میں بہت سے آزمائش کے موقع پر ثابت قدم رہے۔ سختی کے مختلف حالات میں ان کا امتحان لیا گیا۔ انہوں نے دنیا چھوڑی' دین کو اختیار کیا۔ اپنی راہ میں زندہ رہنے سے اللہ کی راہ میں مرجانا پسند کیا' جن لوگوں کے یہ اوصاف ہوں وہ دین کی مخالف کسی بات پر مجبور نہیں کئے جا سکتے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ بلا کسی خوف اور ڈر کے اپنی رضا اور رغبت سے ان لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کی تھی اور اس کا پتہ اس طرح بھی چلتا ہے کہ جو چند آدمی اس بیعت سے مطمئن نہیں تھے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو مجبور نہیں کیا بلکہ ان کو آزادی دے دی اور ان کی معذرت قبول کرلی۔ پھر باغیوں کو منع کیا کہ وہ ایسے

حضرات سے کوئی تعرض نہ کریں اور نہ ان تک پہنچیں' حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے جب ضمانت دینے سے انکار کیا تو خود اس کے ضامن بن گئے۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو بھی آپ نے مجبور نہیں کیا' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے موقع پر یہ دونوں ان کے مخالف رہے اور ان کے لیے کوئی کوشش نہیں کی۔ ان میں سے ہر ایک اپنے لیے خلافت کا خواستگار تھا اس لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان سے فتنے کا اندیشہ ہوا۔

پس شامیوں کے انکار بیعت پر جب حضرت علی رضی اللہ عنہ ان سے مقابلے کی تیاری کر رہے تھے یا حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی بد عہدی اور مخالفت دیکھ کر جب شام سے اپنی توجہ ہٹا رہے تھے تو آپ کے دل میں کوئی تردد یا شک نہ تھا تاہم آپ نے ایک مغموم نادم کی طرح بعض مواقع پر فرمایا... اگر مجھے معلوم ہوتا کہ نوبت یہاں تک پہنچے گی تو میں اس میں حصہ نہ لیتا۔ مطلب یہ تھا کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں تصور نہیں تھا کہ ان کے ہاتھوں میں مسلمانوں کی تفریق ہوگی اور ایک دوسرے کے خلاف تلوار اٹھائیں گے اور اگر آپ کو معلوم ہوتا کہ آپ کی خلافت فتنہ اور نفاق کا سرچشمہ بنے گی تو مسلمانوں کے امن و اتحاد کی خاطر اس سے اسی طرح باز رہتے جس طرح اس سے قبل تینوں خلفاء کی بیعت کے موقع پر باز رہے اور طبیعت پر جبر کر کے صبر و برداشت سے کام لیتے مگر اب جب کہ عام اور خاص مسلمانوں نے آپ کی بیعت کر لی ہے اور یہ اچھا نہیں سمجھا کہ چلنے کے بعد واپس ہوں یا اقدام کے بعد رکے رہیں۔ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے۔ بخدا میں اپنے رب کی طرف سے ایک روشن راہ پر ہوں نہ میں نے جھوٹ کہا نہ مجھ سے جھوٹ کہا گیا نہ میں گم کردہ راہ ہوں نہ میری وجہ سے کوئی گمراہ ہوا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرح ان کے ساتھیوں کے دل بھی جب وہ بصرہ جا رہے تھے تردد اور شبہ سے خالی تھے۔ ہاں ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی ایک بات تھی۔ لیکن یہ سب کو معلوم ہو چکا تھا کہ بصرہ کے لوگ ان کے ہم خیال نہ تھے' حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کچھ ساتھیوں نے اپنے دین اور خاص طور پر اپنی عاقبت کے بارے میں اطمینان حاصل کرنے کی غرض سے سوال کیا کہ بصرہ آنے سے اور ان کو ساتھ لانے سے آپ کا مقصد کیا ہے؟ حضرت علی علیہ السلام نے جواب دیا... تاکہ آپ لوگوں کی موجودگی میں بصرہ کے بھائیوں سے ملاقات کروں' انہیں امن و عافیت کی دعوت دوں' ان پر حق اور صداقت کا اظہار کروں اور اس معاملے میں ان سے بحث و مباحثہ کروں شاید وہ سمجھ جائیں اور ہم آہنگی پیدا ہو کر جماعت میں

وحدت کی صورت نکل آئے۔ ان لوگوں نے سوال کیا--- اگر حق بات نہ مانی گئی اور امن و صلح کی باتوں کو نامنظور کر دیا گیا' آپ نے جواب دیا تو ان سے جنگ میں پہل نہیں کروں گا۔ سوال کیا گیا کہ اگر انہوں نے شروع کر دی' آپ نے جواب دیا--- تو حق کے لیے ہم ان سے لڑیں گے تا آں کہ وہ تسلیم کر لیں۔

اپنی عاقبت پر اطمینان کرنے کے لیے انہی میں سے بعض نے سوال کیا--- لڑائی میں مارے جانے والوں کا حشر کیا ہو گا؟ آپ نے جواب دیا--- حق کی حمایت میں سچی نیت کے ساتھ اللہ کی خوشنودی کے لیے جس نے جنگ کی اس کا انجام شہداء کا انجام ہو گا۔

انہی میں سے ایک آدمی نے ایک دن حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سوال کیا--- کیا یہ ممکن ہے کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا باطل پر متفق ہو جائیں۔ آپ نے جواب میں کہا--- حقیقت تم پر کھل نہ سکی' حق اور باطل افراد کی قدروں سے جانا جاتا ہے۔ حق کو پہچانو اہل حق کا پتہ چل جائے گا۔ باطل کو سمجھو اہل باطل سمجھ میں آ جائیں گے۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس سے زیادہ جامع اور دل نشیں جواب اور کوئی ہو سکتا ہے جس سے وحی کا سلسلہ ختم ہو جانے کے بعد کوئی بھی خطا کی زد سے بچ نہیں سکتا خواہ کیسا ہی عالی مرتبہ ہو اور کوئی حق کا ٹھیکے دار نہیں بن سکتا خواہ کیسی ہی پوزیشن کا مالک ہو۔

پس حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی بصیرت کی روشنی میں قدم بڑھا رہے تھے وہ اپنے ہی جیسے مسلمانوں پر ہاتھ اٹھانے سے ڈرتے تھے لیکن ضرورت پڑنے پر وہ اس سے رک بھی نہیں سکتے تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ چاہتے تھے کہ مصالحت کے لیے گفت و شنید ہو اور حق کے لیے بحث و مباحثہ بھی لیکن اگر جنگ ہو تو اس کی ابتداء وہ خود نہ کریں۔ پس طرفین کی کیفیت میں فرق تھا۔ بصرہ کے لوگ جیسا کہ ہم ابھی بتا چکے ہیں باہم مختلف تھے' حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جماعت متحد تھی۔ بصرہ کے لوگ مذبذب اور متردد تھے' حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھی ایک روشن اور مقرر مسلک رکھتے تھے' بصرہ کے لوگ تعداد میں کم ہو رہے تھے کچھ تو فتنے سے دل گرفتہ ہو کر اور کچھ امن پسند بن کر اور کچھ خفیہ اور اعلانیہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوتے جا رہے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں کی تعداد بڑھتی جا رہی تھی' لوگ بصرہ سے کوفہ سے اور دیہاتوں سے آ کر شریک ہو رہے تھے۔ اس حالت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بصرہ پہنچے اور پہنچتے ہی حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس اپنے سفیر بھیجے۔

سیرت و کردار

یوں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں جو قابل ذکر اور امت کے لیے قابل تقلید نہ ہو۔ وہ اُن مقدس لوگوں میں سے تھے جو دنیا میں انسانیت کو سربلند کرنے کے لیے آتے ہیں۔ جو زندہ رہتے ہیں تو انسانیت کے لیے اور مرتے ہیں تو انسانیت کے لیے۔ وہ اپنے وجود اور ان اغراض کو جو ان سے وابستہ ہوتی ہیں تج دیتے ہیں۔ اپنے معاشرے کی بہتری کے لیے سرگرم کار رہتے ہیں اور اس راستے میں آنے والی ہر مشکل کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتے ہیں۔ حضرت علی کی ساری زندگی انسانیت کے بلند اصولوں اور اسلام کی پاکیزہ تعلیم کی خدمت کرتے ہوئے بسر ہوئی اور اسی راستے میں انہوں نے اپنی جان' جان آفریں کے سپرد کی ان کی شخصیت بڑی ہمہ گیر اور ہمہ جہت تھی۔ وہ قلم اور تلوار دونوں کے دھنی تھے۔ جنگ کا میدان ہو یا رشد و ہدایت کا منبر' عدالت کی کرسی ہو یا فقر کی مسند' خطابت کا معرکہ ہو یا بذلہ سنجی کی محفل' غرض کوئی میدان' کوئی راستہ' کوئی کوچہ اور کوئی منزل ایسی نہیں۔ جہاں حضرت علی کی عظمت کے آفتاب نے طلوع ہو کر ضیاپاشی نہ کی ہو۔ ان کا زہد و تقویٰ' ان کی فیاضی' ان کا عدل' ان کی پاکبازی ان کی اصابت رائے' ان کی فراست' ان کا علم دین' ان کی بے نفسی' ان کی عوام دوستی اور ان کا خلق--- کون سا پہلو ہے جو پکار پکار کر نہ کہتا ہو کہ اس کا مثل مشکل سے ملے گا۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان تو مسلمان غیر مسلم بھی ان کی شخصیت سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور دانشوران یورپ کو بھی اعتراف کرنا پڑا کہ۔

"ان (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کی تنہا ذات میں متعدد اوصاف جمع ہو گئے تھے۔ وہ شاعر بھی تھے اور صاحب شمشیر بھی تھے' صاحب زہد و تقویٰ بھی تھے۔ ان کے اخلاقیات اور معاملات دین پر مشتمل اقوال کا مجموعہ آج بھی ان کی دانائی کا اظہار کرتا ہے۔ انہوں نے میدان جنگ میں ہر دشمن کو شکست دی۔ جنگ خواہ تلوار کی ہو یا زبان کی۔ جو بھی ان کے مقابلے پر آیا ان کی خطابت اور شجاعت سے مات کھا گیا۔"

(زوال روما۔ ایڈورڈ گبن)

"یہ خلیفہ (حضرت علی) بہادری' حوصلہ' سخاوت اور قلب کی صفائی کے اعتبار سے آئینہ کی مثل تھے۔"

(سنن اسلام۔ ڈاکٹر جی ڈبلیو لائٹز)

ذیل میں مستند کتابوں کی مدد سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کردار کے بعض پہلوؤں پر روشنی ڈالی جائے گی۔

خدمت خلق

اسلام خدمت خلق کا سب سے بڑا معلم اور اس کی تعلیم خدمت خلق کا سب سے بڑا لائحہ عمل ہے۔ خود حضور ﷺ سرور کائنات نے اپنی زندگی کے آخری لمحے تک مخلوق خدا کی خدمت کی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ جو حضور ﷺ کے بعد سب سے زیادہ منشائے الٰہی کو سمجھنے والے تھے۔ خلق خدا کے بہت بڑے خادم تھے۔ وہ اپنے عمل سے لوگوں کو ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک کرنا چاہتے تھے۔ وہ ایک ایسے معاشرے کو جنم دینے کے آرزومند تھے جس کے افراد اس انتظار میں رہیں کہ ہمیں کب موقعہ ملے اور ہم دوسروں کا ہاتھ بٹائیں۔ یہی وجہ ہے کہ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کوشش میں رہتے تھے کہ خدمت خلق کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے پائے۔

مورخین کا بیان ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب بازار سے گزرتے تھے.... تو بھولے بھٹکوں کو راستہ بتاتے۔ بوجھ اٹھانے والوں کی مدد کرتے اور ان کا بوجھ اٹھوا کر سروں پر رکھواتے۔ اگر کسی کی کوئی چیز گر جاتی تو اٹھا کر دے دیتے۔ خواہ جوتے کا تسمہ ہی کیوں نہ ہو۔ (الریاض النضرہ جلد دوم)

انہیں اپنا کام اپنے ہاتھ سے کرنے میں کوئی عار نہیں محسوس ہوتا تھا اور وہ اپنے معاشرے کے ہر فرد سے بھی یہی توقع رکھتے تھے کہ وہ دوسروں کے سہارے جینے کے بجائے اپنے سہارے جینے کا ڈھنگ سیکھیں۔ چنانچہ ایک بار انہوں نے بازار سے کچھ کھجوریں خریدیں۔ انہیں کپڑے میں باندھ کر چاہتے تھے کہ کندھے پر رکھ لیں کہ ایک شخص نے انہیں روکا اور عرض کیا کہ اے امیر المومنین! یہ بوجھ ہمارے سر پر رکھ دیجئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنا بوجھ اس کے سر پر رکھنے سے انکار کر دیا اور فرمایا۔ "کہ یہ بوجھ بچوں کے باپ کو ہی اٹھانا چاہیے۔"

اکل حلال

حضرت علی رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں سے تھے جو دوسروں کی پیدا کی ہوئی روزی پر اپنی زندگی کی بنا رکھنے سے مر جانا بہتر سمجھتے ہیں۔ انہوں نے ساری زندگی تن آسانی کے خلاف جدوجہد کی، سعی و جہد ان کی زندگی کا مقصد تھا کہنے کو وہ رسول خدا ﷺ کے بھائی اور داماد تھے۔ اس رسول ﷺ کے بھائی جس کے ادنیٰ اشارے پر ہزارہا مسلمان اپنی زندگیاں قربان

کرنے کو تیار رہتے تھے۔ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ چاہتے تو مسلمانوں پر ان کا جو اثر و نفوذ تھا اس کے سہارے ساری زندگی عیش و آرام سے گزار دیتے اور مسلمان بخوشی سیدۃ النساء رضی اللہ عنہا کے عزیز شوہر کے قدموں میں دولت کے انبار لگا دیتے مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا کردار گواہ ہے کہ جب تک ان کے سر کا پسینہ ایڑیوں تک نہ بہہ گیا انہوں نے لقمہ کو ہاتھ تک نہ لگایا۔ انہوں نے فاقہ کرنا گوارا کر لیا مگر کسی کے آگے ہاتھ پھیلانا یا کسی کی امداد پر بھروسہ کرنا گوارا نہ کیا۔ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ "قیام مدینہ کے زمانے میں ایک روز میں سخت بھوکا تھا۔ گھر میں کھانے کی کوئی چیز نہ تھی۔ آخر مزدوری کرنے کے لیے نکلا ایک یہودی عورت ملی۔ جو مٹی کے ڈھیلے جمع کر کے انہیں بھگونا چاہتی تھی۔ میں نے اس سے مزدوری کی خواہش ظاہر کی اور ایک کھجور فی ڈول پر معاملہ طے کر لیا۔ میں نے اتنے ڈول کھینچے کہ میرے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے۔ تب کچھ کھجوریں ملیں۔ یہ کھجوریں لے کر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے ساتھ یہ کھجوریں تناول فرمائیں۔ (ازالۃ الحق)

(نوٹ۔ کھجوروں کی تعداد میں اختلاف ہے۔ شاہ ولی اللہ نے ازالۃ الحق میں ان کی تعداد ۱۶ لکھی ہے)

سادگی

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نمود و نمائش ظاہرداری اور تصنع و تکلف سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ ان کی زندگی بے حد سادہ تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد اس سادگی کی مثال بمشکل ملے گی جو خلیفہ وقت امیرالمومنین علی بن ابی طالب کی زندگی کے ہر پہلو سے ظاہر ہوتی تھی وہ بہت سادہ غذا استعمال کرتے تھے اور بہت معمولی لباس پہنتے تھے۔ اپنا سودا بازار سے خرید کر خود لاتے تھے۔

طبری کا بیان ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی سادگی زمانہ خلافت میں بھی قائم رکھی ان کا لباس بہت معمولی کپڑے کا ہوتا تھا۔ کرتا اونچا پہنتے تھے اور اس کی آستینیں بھی اونچی ہوتی تھیں۔ موٹے جھوٹے کپڑے کی تہ بند استعمال کرتے۔ بازار میں سے گزرتے ہوئے اگر کوئی بہ نظر تعظیم پیچھے پیچھے چلنے لگتا تو اسے منع کر دیتے اور فرماتے کہ یہ امر والی کے لیے فتنے کا موجب بن سکتا ہے۔ (طبری کی تاریخ)

حضرت زید رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک روز حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مجھے دعوت دی کہ کل نماز ظہر کے بعد تم میرے ساتھ کھانا کھانا۔ دوسرے دن ظہر کی نماز پڑھ کر میں ان کی خدمت

میں حاضر ہوا۔ دیکھا کہ بیٹھے ہوئے ہیں اور پانی کا لوٹا قریب رکھا ہوا ہے۔ مجھے دیکھ کر گھر میں تشریف لے گئے اور سربند برتن لائے۔ میں نے خیال کیا کہ شاید اس میں سے جواہرات وغیرہ نکال کر مجھے عطا فرمائیں گے یا کوئی اور چیز دیں گے۔ مگر جب انہوں نے مہر توڑی اور مٹھی بھر ستو نکال کر میرے سامنے پیالے میں ڈالے تو مجھ سے ضبط نہ ہو سکا اور میں نے عرض کیا کہ اے امیر المومنین! آپ عراق میں رہتے ہوئے ستو کھاتے ہیں۔ حالانکہ عراق تو انواع و اقسام کے کھانوں کے لیے مشہور ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ (تم نہیں جانتے) اس کی وجہ کنجوسی نہیں ہے۔ میں صرف اسی قدر کھاتا ہوں جو زندہ رہنے کے لیے کافی ہو اور برتن پر مہر صرف اس لیے لگا دیتا ہوں تاکہ اس میں سوائے ستو کے اور کوئی چیز نہ ڈال دی جائے۔ میں پاک چیزوں کے علاوہ دوسری چیزوں سے پیٹ بھرنا مکروہ سمجھتا ہوں۔

سوید بن غفلہ کا بیان ہے کہ ایک روز میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا دیکھا کہ سامنے جو کی روٹی اور دودھ کا پیالہ رکھا ہے۔ روٹی اس قدر خشک تھی کہ کبھی آپ ہاتھوں سے اور کبھی گھٹنوں سے دبا دبا کر توڑتے تھے۔

علامہ ابن حدید کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سرکہ اور نمک روٹی سے کھاتے تھے۔ کبھی کبھی ترکاری اور بہت کم اونٹنی کا دودھ استعمال کرتے تھے۔ گوشت تو شاذ ہی کھاتے تھے۔ (شرح نہج البلاغہ)

حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک بار میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا وہ عید کا دن تھا۔ انہوں نے حلیم سے میری تواضع فرمائی۔ حلیم کھانے کے بعد میں نے ان کی خدمت میں عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مال و دولت عطا فرمائی ہے اس لیے کیا اچھا ہو تاکہ آپ بطخ کے گوشت سے میری دعوت کرتے۔ اس کے جواب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اے ابن زبیر رضی اللہ عنہ میں نے رسول اللہ کا یہ ارشاد سنا ہے کہ خلیفہ کے لیے بیت المال سے دو پیالے لینا جائز ہیں ایک اپنے اور اپنے اہل و عیال کے لیے اور دوسرا مہمانوں کے لیے۔ (مطالب السئول)

یہ تو تھا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی غذا میں سادگی کا بیان لباس کے معاملے میں بھی ان کی سادگی کچھ اسی قسم کی تھی۔ چنانچہ ایک شخص کا بیان ہے کہ میں حضرت علی سے ملنے گیا۔ یہ سردیوں کا موسم تھا۔ کڑاکے کا جاڑا پڑ رہا تھا اور سردی کی شدت سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا جسم لرز رہا تھا کیونکہ وہ صرف ایک کپڑا اوڑھے ہوئے تھے۔ میں نے ان کی خدمت میں عرض کیا

کہ اے امیرالمومنین! اللہ تعالیٰ نے بیت المال میں سے آپ کا حصہ بھی مقرر کیا ہے پھر آپ اپنے نفس پر اس قدر تکلیف کیوں برداشت کر رہے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ "خدا کی قسم! میں تمہارے مال میں سے کوئی چیز لینا گوارا نہیں کرتا۔ یہ وہی چادر ہے جو مدینہ سے میں اپنے ساتھ لایا تھا۔" (ابن اثیر)

عبد اللہ ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ ایک روز میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا کیا دیکھتا ہوں کہ اپنا جوتا سی رہے ہیں میں نے عرض کیا کہ آپ کا جوتا کتنے کا ہے؟ فرمانے لگے خدا کی قسم! یہ مجھے تمہاری دنیا سے زیادہ عزیز ہے کیونکہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے جوتے خود سیتے تھے۔ اپنے کپڑوں میں پیوند لگاتے تھے اور خچر پر سوار ہو کر دوسرے کو اپنے پیچھے بٹھا لیتے تھے۔

ایک شخص نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ آپ اپنے کرتے میں پیوند کیوں لگاتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کپڑے میں پیوند لگا کر پہننے سے انکساری کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور دل نرم ہوتا ہے اور اس سے لوگوں کے سامنے پیروی کرنے کے لیے اچھی مثال قائم ہوتی ہے۔ (کنز العمال)

حسن معاملہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے اثر و اقتدار کا رعب ڈالنے سے ہمیشہ گریز کرتے تھے۔ خصوصاً روزمرہ کی زندگی اور نجی معاملات میں اپنے آپ کو دوسروں کے برابر سمجھتے تھے اور اس امر کی کوشش کرتے تھے کہ ان کی شخصیت سے کسی کو نقصان نہ پہنچ جائے۔ ان کی سیرت کا یہ پہلو اس وقت خاص طور سے اجاگر ہو جاتا تھا جب وہ خرید و فروخت کے لیے جاتے تھے۔ چنانچہ اسی قسم کا ایک واقعہ جس میں ایک لطیف سبق بھی ہے' ان کی شخصیت کے اس پہلو پر بڑی خوبصورتی سے روشنی ڈالتا ہے۔

ایک روز وہ تہ بند باندھے' چادر اوڑھے بازار میں تشریف لے گئے اور ایک دکاندار سے کہا کہ ہمیں تین درہم کی قیمت والا کرتہ دے دو۔ مگر یہ دیکھ کر کہ دکاندار انہیں پہچان گیا ہے کہیں قیمت میں رعایت نہ کر دے۔ آگے بڑھ گئے۔ دوسری دکان پر پہنچے' اس نے بھی پہچان لیا۔ پھر تیسری دکان پر گئے۔ یہاں ایک نوعمر لڑکا بیٹھا تھا۔ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نہ پہچان سکا۔ انہوں نے اس سے کرتہ خریدا اور گھر آ گئے۔ اتنے میں اس نوعمر دکاندار کا والد جو کسی کام سے گیا ہوا تھا' دکان پر آ گیا۔ جب لڑکے نے اسے کرتہ کی بکری کا واقعہ سنایا تو اس

نے اندازہ کر لیا کہ میرے بیٹے نے جس شخص کے ہاتھ کرتہ بیچا ہے وہ تو امیرالمومنین تھے۔ چنانچہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یہ کرتہ دو درہم کا ہے۔ لڑکے نے غلطی سے تین درہم لے لیے۔ آپ یہ ایک درہم واپس لے لیجئے مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے درہم واپس لینے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ۔

"میرے اور اس کے درمیان یہ سودا بہ رضا و رغبت ہوا تھا۔ اس لیے واپس لینے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔"

بے غرض سلوک

دنیا میں ایسی مثالوں کی کمی نہیں ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگوں کے دلوں میں خلق خدا سے ہمدردی کے کسی قدر پاکیزہ جذبات موجزن رہتے تھے۔ لیکن کہا جا سکتا ہے کہ جس شخص کے ساتھ بھلائی یا ہمدردی کا سلوک کیا جاتا ہے اس سے غرض یہ ہوتی ہے کہ اسے اپنا زیر بار احسان اور گرویدہ بنا لیا جائے۔ مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کردار کا جوہر عنقا کا حکم رکھتا ہے کہ وہ بے غرض اور بے لوث ہمدردی رکھتے تھے اور لوگوں کو یہ سبق دینا چاہتے تھے کہ کسی کے ساتھ غرض کے تحت حسن سلوک' حسن سلوک نہیں کہلاتا۔ اس قسم کا ایک واقعہ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔

ایک بار حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک شخص کی نماز جنازہ پڑھانے کے لیے تشریف لے گئے۔ حسب معمول آپ نے دریافت فرمایا۔ کہ اس پر کسی کا قرض تو نہیں ہے لوگوں نے کہا۔ ہاں یہ دو دینار کا مقروض ہے۔ یہ سن کر آپ پیچھے ہٹ گئے اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ تم لوگ نماز جنازہ پڑھ لو۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ "میں ذمہ لیتا ہوں کہ مرنے والے کا قرض دو دینار میں ادا کروں گا۔"

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس جذبہ کی بہت تعریف کی' ان کے حق میں دعائے خیر فرمائی اور پھر مرنے والے کا جنازہ پڑھا۔ (روایت حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ خدری)

مہمان نوازی

حضرت علی رضی اللہ عنہ میں اہل عرب کی مخصوص روایات مہمان نوازی بدرجہ اتم موجود تھیں' کبھی ایسا نہ ہوا کہ ان کے یہاں کوئی مہمان آیا ہو اور آپ کی پیشانی پر شکن بھی آئی

ہو۔ بلکہ آپ مہمان کے آنے سے بے حد خوش ہوتے تھے اور گھر میں جو کچھ موجود ہوتا تھا۔ اس کے سامنے رکھ دیتے تھے۔ اگر کسی روز ایک بھی مہمان نہ آتا تو آپ بہت رنجیدہ ہو جاتے تھے۔ چنانچہ۔

"ایک روز لوگوں نے دیکھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ رو رہے ہیں۔ لوگوں نے وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا کہ آج سات روز ہونے کو آئے ہیں کہ میرے یہاں ایک بھی مہمان نہیں آیا۔ میں ڈرتا ہوں کہ خدا نے مجھے حقیر نہ سمجھا ہو۔"

(اسنی المطالب)

سخاوت

حضرت علی رضی اللہ عنہ شجاعت کی طرح سخاوت میں بھی مشہور تھے کبھی ایسا نہ ہوا کہ کسی سائل نے کوئی سوال کیا ہو، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے رد کر دیا ہو۔ تاریخ ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے۔ ذیل میں نمونہ کے طور پر چند واقعات پیش کئے جاتے ہیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک موقعہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس صرف چار درہم کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ مگر اس کے باوجود آپ نے وہ چاروں درہم ضرورت مندوں کو دے دیئے۔

شعبی کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اتنے بڑے سخی تھے کہ سائل کے جواب میں آپ کی زبان پر "لا" یعنی نہیں کا لفظ نہیں آیا۔ آپ دن بھر یہودیوں کے نخلستان میں پانی دیتے تھے۔ اس مشقت کی وجہ سے آپ کے ہاتھوں میں چھالے پڑ جاتے تھے اور شام کو جو کچھ ملتا تھا اس کا بڑا حصہ حاجت مندوں کو دے دیتے تھے اور کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ اپنے پیٹ پر پتھر باندھ کر سو جاتے تھے۔

علامہ کفوی طبقات میں بیان کرتے ہیں کہ کفار سے جنگ ہو رہی تھی۔ مسلمانوں کے لشکر کی تعداد نسبتاً کم تھی۔ اسی اثنا میں دشمن کی فوج کے ایک شخص نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا۔ کہ ذرا اپنی تلوار مجھے دکھائیے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی تلوار اسے دیدی۔ تلوار لے کر وہ ان سے کہنے لگا۔ آپ اپنی تلوار تو مجھے دے چکے ہیں اب مجھ سے کیسے بچ سکتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ۔

"تو نے ایک سائل کی طرح میری طرف ہاتھ بڑھایا۔ میری مروت نے گوارا نہ کیا کہ مانگنے والے کا ہاتھ خالی واپس کروں۔ خواہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو۔"

شجاعت

شجاعت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زندگی کا وہ پہلو ہے جس کے متعلق کہا جاسکتا ہے کہ یہ انہی پر ختم ہے۔ اس میدان میں کوئی ان کا ہم پلہ نہ تھا۔ انہوں نے زندگی بھر جنگ کی مگر ایک واقعہ بھی ایسا پیش نہیں کیا جاسکتا کہ کبھی ان کو شکست ہوئی ہو یا گھبراہٹ کے آثار ظاہر ہوئے ہوں۔ جو ان کے مقابلے پر آیا۔ وہ ہزیمت خوردہ ہو کر ہی واپس گیا۔ اکثر تو ایسا ہوا کہ مدمقابل نے ایک وار کیا۔ ابھی دوسرا وار کرنے کا ارادہ ہی کر رہا تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے وار نے اس کا رشتہ حیات منقطع کر دیا۔ ان کی شجاعت کے دوست تو دوست دشمن بھی معترف تھے۔ اسی کتاب کے کسی صفحہ پر وہ واقعہ بیان کیا جاچکا ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ میدان صفین میں جنگ کرتے ہوئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے قریب پہنچے اور انہیں للکارا کہ اے معاویہ رضی اللہ عنہ خلق خدا کا خون بہانے سے کیا فائدہ آؤ ہم دونوں نپٹ لیں جو غالب آجائے وہی امیر ہو۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا اس طریق فیصلہ کو قبول کرنے سے گریز صاف بتا رہا ہے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شجاعت سے خائف تھے اور جانتے تھے کہ اگر میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دوبدو جنگ کی تو مجھے ذبح کر دیا جائے گا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شجاعت کا اس سے بڑا سرٹیفکیٹ شاید ہی کسی نے دیا ہو جو ان کے ایک دشمن کی طرف سے انہیں ملا۔ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شجاعت ہی تھی کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں متعدد موقعوں پر علم عطا فرمایا بعض محاذ جو کسی سے سر نہ ہوتے تھے۔ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر فتح ہو جایا کرتے تھے۔

مصعب بن زبیر کا بیان ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ دوران جنگ میں بہت چوکنے رہتے تھے۔ جنگ کے داؤ پیچ سے اس قدر واقف تھے کہ ممکن نہ تھا کہ کوئی کاری وار لگانے میں کامیاب ہو سکے۔ آپ زرہ صرف سامنے کے لیے استعمال کرتے تھے۔ پشت کے لیے نہیں۔ لوگوں نے آپ سے دریافت کیا کہ کیا آپ کو خوف نہیں معلوم نہیں ہوتا کہ کوئی پیچھے سے حملہ کر دے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ خدا مجھے باقی نہ رکھے۔ اگر میں دشمن کو پچھلی طرف سے حملہ آور ہونے دوں۔

ایک شخص نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے میدان صفین میں بہ نفس نفیس جنگ کی تھی (یا صرف فوجوں کو لڑاتے تھے) ابن عباس نے

جواب دیا کہ میں نے ان کی طرح کسی کو اپنی جان پر کھیلتے اور اسے ہلاکت میں ڈالتے نہیں دیکھا میں نے دیکھا کہ وہ میدان جنگ میں برہنہ سر نکلا کرتے تھے ایک ہاتھ میں عمامہ ہوتا تھا اور دوسرے ہاتھ میں تلوار۔

صاحب حیات الحیوان کا بیان ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ضرب ایک ہی وار میں جسم کا پورا حصہ کاٹ ڈالتی تھی اگر سر پر پڑتی تھی تو نیچے تک تسمہ لگا نہ چھوڑتی تھی اگر پہلو پر پڑتی تو دوسرے پہلو تک صفایا کرتی گزر جاتی تھی۔

فن حرب

حضرت علی رضی اللہ عنہ صرف جری اور شجاع ہی نہیں تھے۔ بلکہ فن حرب کے ماہر بھی تھے وہ لڑائی کے داؤ پیچ سے پوری طرح واقف تھے۔ بلکہ ان پر حیرت انگیز عبور بھی رکھتے تھے اور جب دشمن کو زیر کرنے کے لیے ان کی ضرورت پیش آتی تھی تو بڑی فن کارانہ چابکدستی کے ساتھ ان سے کام لیتے تھے۔ چنانچہ جنگ خندق کا مشہور واقعہ ہے کہ جب عرب کا نامور شہ سوار عمرو بن عبدود حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلے پر آیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کی تلوار سے زخمی ہوگئے تو فوراً آپ نے داؤ پیچ سے کام لیا۔ اسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عسکری فراست سے بھی تعبیر کیا جاسکتا ہے آپ نے اس سے کہا کہ۔

> "اے عمرو تو عرب کا مشہور و معروف جنگ آزما ہے پھر تجھے مددگار بلانے کی کیا ضرورت تھی۔ کیا تو تنہا میرے لیے کافی نہیں ہے۔" اس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ تھا کہ دشمن کی توجہ دوسری طرف ہو جائے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تدبیر کامیاب رہی اور عمرو نے فوراً مڑ کر پیچھے کی طرف دیکھا۔ ابھی اس کی گردن کو جنبش ہی ہوئی تھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تلوار بجلی کی طرح کوندی اور عمرو وہیں ڈھیر ہوگیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جتنی جنگیں لڑیں ان سب میں فریق مخالف کے مقابلے میں ان کی فوج کی تعداد بہت کم ہوتی تھی۔ مگر اس کے باوجود ان سب میں فتح حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی کو حاصل ہوتی تھی۔ یہ امر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مہارت فن حرب کا بھی بہت بڑا ثبوت ہے۔ چنانچہ جنگ جمل میں جب حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فوجوں کا مقابلہ ہوا تو کامیابی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قدم چومے۔ باوجودیکہ ان کے ساتھ صرف بیس ہزار کی جمعیت تھی اور حضرت عائشہ کے ساتھ تیس ہزار کا لشکر جرار تھا۔

(سیرت عائشہ رضی اللہ عنہا۔ سید سلیمان ندوی)

اس کے بعد جنگ صفین میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار تھی مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا لشکر نوے ہزار پر مشتمل تھا۔ اس کے باوجود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فوجیں ہمت ہار گئیں۔ وہ میدان چھوڑ کر بھاگنے لگیں۔ خود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا حوصلہ بھی پست ہو گیا اور ایک موقعہ تو ایسا بھی آیا جب وہ بھی میدان سے فرار ہونا چاہتے تھے کہ عین وقت پر عمرو بن العاص کی ایک تدبیر سے وہ شکست کی بدنامی سے بچ گئے مگر تاریخ جانتی ہے کہ جہاں تک زور بازو سے میدان جنگ کی فتح کا تعلق ہے وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حصے میں آئی۔ کیونکہ صلح کی درخواست وہی فریق پیش کرتا ہے جس میں لڑنے کی سکت باقی نہیں رہتی۔ اس جنگ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر میں پینتالیس ہزار آدمی شہید ہوئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے شہید ہونے والوں کی تعداد پچیس ہزار سے زائد نہ تھی۔

(زوال سلطنت روما۔ ایڈورڈ گبن)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے لشکر کی ترتیب حملہ کرنے کے اصول اور مدافعت کرنے کے طریقوں میں پورا کمال رکھتے تھے ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ کم تعداد کے باوجود فتح بھی انہی کی ہو اور شہید ہونے والوں کی تعداد بھی مقابلتاً تقریباً نصف رہے۔ یہ صرف مفروضہ نہیں ہے بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایک خط سے اس پر بخوبی روشنی پڑتی ہے کہ وہ فن حرب میں کتنی دستگاہ رکھتے تھے۔ خط درج ذیل ہے یہ خط شام کی طرف روانہ ہونے والے مقدمتہ الجیش کے سپہ سالاروں کے نام ہے۔

"اللہ کے بندے علی امیرالمومنین کی طرف سے زیادہ بن النضر اور شریح بن ہانی کے نام۔"

تم پر سلامتی ہو' حمد الٰہی کے بعد کہتا ہوں کہ میں نے مقدمتہ الجیش کا سپہ سالار زیاد بن النضر کو بنایا ہے اور شریح بن ہانی اس کے ایک حصہ کا افسر ہے۔ جب تم دونوں کسی جگہ اکٹھے ہو جاؤ تو پوری فوج کی کمان زیاد بن النضر کے ہاتھ میں رہے گی اور جب الگ الگ کوچ کر رہے ہو تو شریح اپنے حصہ فوج کا امیر ہوگا۔

تمہیں جاننا چاہیے کہ مقدمتہ الجیش (لشکر) کی آنکھ ہوتا ہے اور ہراول دستے مقدمتہ الجیش کی آنکھوں کا کام کرتے ہیں۔ جب تم اپنا علاقہ پار کر کے آگے بڑھنا تو ہراول دستے پھیلانے' ٹیلے' درخت اور چھپنے کی جگہیں ہموار کرنے سے نہ اکتانا

تاکہ دشمن تم پر اچانک ٹوٹ نہ پڑے۔ یا کسی کمین گاہ سے چھاپہ نہ مار دے۔
اور دیکھو' صبح سے شام تک پوری فوج کو لگاتار نہ چلاتے رہنا بلکہ اس طرح کوچ کرنا (کہ) کچھ فوج پیچھے رہے اور کچھ آگے بڑھتی جائے یہ اس لیے کہ اگر دشمن اچانک ٹوٹ پڑے تو تم آسانی سے صف بند ہو کر مقابلہ کر سکو۔
اور جب تم دشمن کے سامنے اترو یا دشمن تمہارے سامنے اترے تو اپنا پڑاؤ ہمیشہ بلندیوں کی طرف پہاڑی دامنوں میں اور ندی نالوں کے درمیان رکھنا تاکہ یہ موقع تمہارے بچاؤ کا کام دے اور تمہاری لڑائی ایک یا دو ہی طرف سے ہو۔ تمہارے پاسبان دستے پہاڑی چوٹیوں' نشیبوں (اور) ندی نالوں کی اطراف میں ضرور پھیلے رہیں تاکہ دشمن پر نگاہ رہے اور وہ کسی طرف سے تم پر ناگہانی حملہ نہ کر سکے۔ خبردار پھٹ کر پڑاؤ نہ ڈالنا۔ جب اترو اور جب کوچ کرو ساتھ ساتھ کوچ کرو اور دیکھو جب رات ہو جائے تو پڑاؤ کو چاروں طرف سے تیروں اور ڈھالوں سے گھیر دینا۔ تمہارے تیرانداز برابر اپنی سپروں کے پیچھے موجود رہیں اور نیزے ان سے ملے رہیں۔ جب تک ٹھہرو اسی طرح ٹھہرو تاکہ غفلت سے نقصان نہ اٹھاؤ اور شب خون کا شکار نہ ہو جاؤ۔ یاد رکھو جس کا پڑاؤ تیروں اور ڈھالوں سے گھرا ہوتا ہے وہ فوج گویا قلعے میں محفوظ ہوتی ہے اور دیکھو تم دونوں بذات خود پڑاؤ کا پہرہ دیا کرنا۔ خبردار صبح تک سونا نہیں' الایہ کہ یونہی جھپکیاں لے لو۔ تمہارا یہی وطیرہ ہے' یہاں تک کہ دشمنوں کے سامنے پہنچ جاؤ۔

اور دیکھو! تمہاری خبریں اور قاصد روز میرے پاس پہنچیں۔ میں انشاء اللہ تیزی سے تمہارے پیچھے دھاوا کرتا ہوں گا۔ ہمیشہ سوچ سمجھ سے کام لینا۔ جلد بازی کا شکار نہ بن جانا۔ دشمن پر اپنی حجت قائم کر چکنے کے بعد کسی موقع سے فائدہ اٹھا لینے کی تمہیں اجازت ہے۔ خبردار جب تک میں نہ آجاؤں لڑائی شروع نہ کرنا۔ یہ بات دوسری ہے کہ تم پر حملہ ہو جائے یا لڑائی شروع کرنے کا حکم میں خود بھیج دوں۔ انشاء اللہ۔۔۔"
(نہج البلاغہ۔ اردو ترجمہ)

یہ خط آج سے تقریباً ساڑھے تیرہ سو سال پہلے کا لکھا ہوا ہے۔ جب جنگ میں مشین گنوں' برین گنوں' گرنیڈوں' مارٹروں' ہوائی جہازوں اور اسی قسم کے دوسرے جدید آلات حرب سے کام نہیں لیا جاتا تھا۔ جب عسکری تربیت کے ایسے ترقی یافتہ ادارے بھی نہیں تھے

جیسے آج کل ہیں مگر اس کے باوجود کون ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مندرجہ بالا خط دیکھ کر حیرت زدہ نہیں رہ جائے گا اور ان کی عسکری صلاحیتوں پر ایمان لائے بغیر نہیں رہ سکے گا۔ آج فنون جنگ حیرت انگیز طور پر ترقی کر گئے ہیں لیکن اس کے باوجود ایڈوانس پارٹی کے طریق کار' ڈیفنس کے اصول' حملہ آور دستوں کی ایڈوانس دشمن کے علاقے میں پٹرولنگ کے وقت فارمیشن کا طریق اور دشمن کے مقابلے میں پوزیشن لینے کا انداز' ان تمام پہلوؤں پر نظر ڈالئے اور دیکھئے کہ کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اختیار کردہ طریق آج بھی رائج نہیں ہیں۔ اس کا جواب آپ کو اثبات میں ملے گا۔ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نہ صرف اپنے زمانے کے اور نہ صرف عرب کے بلکہ دنیا کے چند اولوالعزم اور تجربہ کار جرنیلوں میں سے تھے' مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہ باب ختم کرنے سے پہلے جنگ نہروان کا بھی ذکر کر دیا جائے۔

نہروان کی جنگ میں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور خارجیوں کے درمیان ہوئی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عسکری قابلیتوں کے جوہر پوری طرح چمکتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ جب خارجیوں نے دیکھا کہ اب سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہیں ہے کہ یک بارگی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج پر حملہ کر دیا جائے۔ چنانچہ وہ نعرہ لگاتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج کی جانب بڑھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ تم حملہ نہ کرو۔ تاوقتیکہ وہ تمہاری زد پر نہ آ جائیں اور جب خارجی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج کے قریب آ گئے تو آپ نے اپنی فوج کو دو حصوں میں تقسیم کر کے یوں پھیلا دیا کہ خارجی چاروں طرف سے اس کے نرغے میں گھر گئے اور پھر انہیں اس طرح کاٹنا شروع کیا کہ ایک روایت کے مطابق چار ہزار آدمیوں میں سے صرف نو آدمی باقی بچے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے شہید ہونے والوں کی تعداد با آسانی انگلیوں پر گنی جا سکتی ہے۔ یعنی صرف سات۔۔۔

جہاد

اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خانہ جنگی نے فرصت مل جاتی تو وہ جہاد اور توسیع مملکت کی طرف پوری توجہ دیتے مگر اس خانہ جنگی کے باوجود وہ اس پہلو سے غافل نہ ہوئے۔ تاریخ سے کم از کم تین واقعات ایسے ملتے ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کفار سے جہاد کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ حارث بن مرہ العبدی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اجازت سے سندھ پر حملہ کیا۔ اس جہاد میں ابتدا میں تو خاصی کامیابی ہوئی اور حارث کے ساتھیوں نے صرف ایک دن میں ایک ہزار غلام اور لونڈیاں گرفتار کیں۔ مگر آخر کار حارث اپنے

بہت سے ساتھیوں کے ہمراہ اس جہاد ہی میں شہید ہو گئے۔ ("الکامل"۔ ابن اثیر)

اس کے علاوہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عمار بن یاسر، سہیل بن حنیف، قیس بن سعد اور عدی بن حاتم کو مختلف قبائل کے لشکر کے ساتھ قزوین اور رے کی طرف جہاد کرنے کی غرض سے بھیجا۔ (روضۃ الصفا)

ڈاکٹر علی شریعتی
(ترجمہ) ادیب الہندی

علی اور تنہائی

یہ "جملہ" دنیا کے تمام انسانوں کو مخاطب کر رہا ہے' البتہ ان انسانوں کے لیے جن میں انسانیت ہے' جو مولائے کائنات کو پہچانتے ہیں ۲۵ سال کی خاموشی کوئی معمولی چیز نہیں وہ بھی سختیوں اور مصیبتوں کے ساتھ' پھر کسی گوشہ نشین اور تنہائی پسند شخص کی خاموشی نہیں' بلکہ فعال اور زبردست شخص کی خاموشی۔ ان کی یہ خاموشی خود ایک بولتا ہوا جملہ ہے۔ بلکہ ایک کتاب ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام کبھی لفظوں سے بولتا ہے اور کبھی سکوت کے ذریعے۔ کبھی کامیابیوں کے ذریعے اور کبھی ظلم کے خلاف شہادت پیش کرتے ہوئے۔ ان کا تخاطب ہم سے ہے اور ہماری ذمہ داری بھی ہم کو معلوم ہے کہ ہم اس سبق کو یاد رکھیں۔ ان باتوں پر غور کریں اور ان خاموشیوں کو سمجھیں۔

ایک اور بات جس کا میں یہاں ذکر کردوں ایک اہم بیماری یہ ہے کہ کوئی مذہب یا کسی کی تعلیمات عوامیت کا شکار ہو جاتی ہیں جیسا کہ اکثر مذاہب شکار ہو گئے' کیوں---؟ اس کو میں اس طرح واضح کروں کہ آئن شائن کی تھیوری عوامیات کا شکار نہ ہو سکی کیونکہ اس کا موضوع ایسا ہے کہ فقط ایک خاص علمی طبقہ وہ بھی صرف ریاضی اور فزکس کے ماہرین ہی کا اس سے متعلق ہے اور چونکہ وہ آئن شائن کی زبان کو بخوبی سمجھتے ہیں اس لیے وہ اسے مسخ نہیں کرسکتے' یا اس میں تحریف و تبدیلی نہیں کرسکتے۔ یعنی جن تھیوریوں اور فلسفوں کا تعلق ایک خاص طبقہ سے ہے اور وہ طبقہ بھی اس چیز میں مہارت کامل رکھتا ہو تو وہ تھیوری اور

فلسفہ اسی دائرے میں رہتا ہے اور محفوظ رہتا ہے' لیکن جو چیزیں کسی طبقہ میں گھری نہیں رہتیں' کیونکہ ان کا تعلق عوام اور پورے انسانی گروہ سے ہے' وہاں یہ بیماری جس کا ذکر میں نے کیا اکثر آجاتی ہے' اور اس بیماری کی ایک صورت یہ ہوتی ہے کہ اس دین کی کسی اہم حقیقت کو غلط طریقہ سے سمجھا جائے یا پیش کیا جائے۔ یہ ایک ایسی بیماری ہے کہ جو کسی بھی حقیقت کو نیست و نابود کر سکتی ہے۔کیونکہ عوام اپنی سمجھ کے مطابق (وہ بھی بہت پست فکر کے ساتھ) اس کو اپنے ذہن میں لاتے ہیں اور پھر اپنی عادت اپنے سلیقے اور اپنی شخصیت و تربیت کے اعتبار سے اسی رنگ میں لا کر اس حقیقت کو اپنے اصل مرکز سے بہت دور کر دیتے ہیں۔

میں مثال کے طور پر ایک چیز عرض کرتا ہوں کہ آپ دیکھ سکیں کہ حقائق کس طرح عوامیت کا شکار ہوتے ہیں مثلاً ہمارے مذہب کی جو اہم اور مقدس شخصیات ہیں ان کی معرفت ہم ایک انسان کی اپنی اصلیت و عظمت کا پورے طور سے ادراک نہیں کرپاتے۔ مثلاً ہم مولائے کائنات کے بارے میں یہ نہیں جانتے کہ کیوں وہ اہم ہیں؟ بس یہ جانتے ہیں کہ وہ بہت اہم ہیں۔ ہم کو معلوم ہے کہ عظیم ہیں ہماری ان سے کوئی نسبت ہی نہیں۔ "ہم خاک وہ عالم پاک"

اس لیے ہم ان کی محبت میں سرشار ہیں ان کی الفت میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ لیکن وہ کیوں اہمیت رکھتے ہیں؟ ان کی شخصیت کیوں اتنی بلند و بالا ہے؟--- ہم اس سے ناآشنا ہیں۔ وہ معیار وہ کسوٹی جو مولائے کائنات نے ہمیں دی تھی جو معیار اسلام نے عطا کیا تھا' اس کو کام میں نہیں لاتے۔ کیوں؟

اس لیے کہ ہمیں اس اسلامی معیار یا مولائے کائنات کے بتائے ہوئے راستے کا پتہ ہی نہیں۔

ہم صرف پرانی عادت اور وراثت میں ملی ہوئی علمیت جو نسل در نسل ہم تک چلی آرہی ہے۔ اس کے ذریعے مولائے کائنات کو پہچانتے ہیں۔ ان کے تمام فضائل و مناقب کو ہم صرف معجزات و کرامات پر منحصر کر دیتے ہیں۔ فقط ان کے معجزات و کرامات کی جستجو میں ہیں یا اس پر سر دھنتے ہیں۔ مثلاً جب آپ گہوارے میں تھے تو ایک اژدھا آیا تھا۔ آپ نے ننھے ننھے ہاتھ گہوارے میں سے نکالے اور اژدھے کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ اس لیے مولائے کائنات بہت عظیم ہیں۔ ہمیں اس روایت سے سروکار نہیں۔ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جب وہ امام ہیں یعنی اگر ان کی پیروی کی جائے تو ہم نجات پا جائیں گے۔ وہ ہمارے رہنما ہیں'

ہمارے رہبر ہیں یعنی ہم سب کو ان کے نقش قدم پر چلنا چاہیے تاکہ ہم ایک اچھا سماج ' ایک آزاد معاشرہ اور ایک کامیاب تہذیب سے ہمکنار ہو سکیں لیکن ہم اس بچے کی پیروی کس طرح کریں جس نے گہوارہ میں اژدھے کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ یہ کیسے ممکن ہے کوئی سماج و معاشرہ اس شخص کی تقلید کرے جو محیر العقول کام انجام دیتا ہے ' آخر کیسے انجام دے اور پھر ترقی بھی کر جائے یہ کیسے ممکن ہے؟ میری سمجھ میں نہیں آتا۔

یہ صحیح ہے کہ مولائے کائنات نے اس طرح کے معجزات بھی دکھائے لیکن ہم اس کی تعریف کر کے کس طرح پیروی کریں اور کس طرح آگے بڑھ سکیں گے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم ایسا کیوں کرتے ہیں؟ صرف اس لیے کہ ہزاروں سال سے مذہبی نظریہ یہ تھا کہ دنیائے خاکی جس میں ہم رہتے ہیں ' پست ہے ' معمولی ہے اور سب سے کمتر ہے اس کے اوپر بھی چند افلاک ہیں اسی حساب سے ان کے درجات بلند ہوتے جاتے ہیں ' یہاں تک کہ اس ملک کی باری آتی ہے جو فرشتوں کا مسکن ہے جو زمین سے بہت زیادہ بلند درجہ رکھتا ہے اور انسان سے کہیں زیادہ مرتبے والا ہے۔ پھر فرشتوں کے آسمان سے اوپر فلک ہے جو خداؤں کا مسکن ہے ' یہ وہ تعلیم ہے جو ہزاروں سال سے مختلف مذاہب دے رہے تھے اور ہم اس کے قائل تھے۔

اس نظریہ کے مطابق انسان سب سے زیادہ پست ہے۔ اس کے بعد فرشتوں کا نمبر ہے اور پھر خدا یا خداؤں کی منزل ہے۔ یہ طرز فکر اور یہ نظریہ جب اسلام میں داخل ہوتا ہے تو ہم اسلام کو اور مولائے کائنات کو بلکہ تم بانیان مذاہب کو اسی غیر اسلامی نظریئے کے تحت دیکھتے ہیں ' اور پھر ان کی عظمت کے قائل ہوتے ہیں اور ان کی تعریف و توصیف میں مشغول ہو جاتے ہیں اور اس سے کوئی ثمرہ ہمیں نہیں ملتا۔

میرے اساتذہ میں جناب گوروتیج جو مشہور ماہر سماجیات ہیں ' کہتے ہیں کہ ۷۰ سال علم اجتماع میں Structualism کے نظریئے کی سخت مخالفت کی اور جم کر مقابلہ کیا اور اس کے بعد جب میں نے لاروس کی ایک کتاب پڑھی جس میں میری زندگی اور کارناموں سے بحث کی گئی تھی تو اس میں وہ رقمطراز تھا کہ جناب گوروتیج دنیا کے ماہر سماجیات ہیں اور وہ Structualism کے نظریئے کے بانیوں میں تھے۔ یہ ہے ہماری ۷۰ سالہ محنت کا صلہ ' اب اس بات کو لکھنے کے بعد وہ چاہے جتنی تعریف کرے۔ چاہے جتنا ان کو عظیم بتائے جس قدر بھی انہیں ماہر سماجیات بتائے جس قدر بھی ان کی خدمات کا اعتراف کرے ' کوئی فائدہ نہیں

کیونکہ ان کے اصل نظریئے کو ختم کردیا۔

اسلام میں خلقت انسان کے بارے میں ملتا ہے کہ خداوند عالم نے بہت واضح طور پر اپنی امانت کو زمین، پہاڑ، فرشتوں حتیٰ کہ مقرب فرشتوں کے سامنے پیش کیا لیکن کوئی اس امانت کے بوجھ کو اٹھانے پر تیار نہ ہوا، صرف انسان تھا جو آگے بڑھا اور وہ اس عظیم منصب کو لینے پر تیار ہو گیا۔

تو پھر خداوند عالم نے تمام فرشتوں کو حکم دیا کہ سب اس عظیم مخلوق کو سجدہ کریں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ انسان فرشتوں کا مسجود رہ چکا ہے۔ بلند درجہ رکھتا ہے، آدمیت، بشریت اور انسانیت فرشتوں سے اعلیٰ واشرف ہے۔

اس لیے اگر ہم اسلام کی روشنی میں غور کریں اور مولائے کائنات کو اس عنوان کے تحت دیکھیں کہ ایک مسلمان، ایک پیرو اپنے امام کے لیے کیا کہتا ہے اور اسلامی نقطۂ نظر سے مولائے کائنات کے بارے میں کچھ کہا گیا تو ہمیں فضائل تلاش کرنا ہوں گے جو ایک انسان میں ہونے چاہیں، وہ انسان جو مسجود ملائکہ ہے۔ وہ انسان جو مقرب فرشتوں سے بھی برتر ہے۔ مگرافسوس۔۔۔ ہم میں یہ ادارک نہیں ہے۔ یہ طرزِ فکر ابھی تک ہمارے ذہنوں میں جگہ نہ پاسکا، اسی وجہ سے جب ہم اپنے آئمہ اور انبیاء کی تعریف و توصیف کرتے ہیں تو ان کو فرشتہ صفت کہتے ہوئے فخر محسوس کرتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ اس طرح ہم نے امام کو فرشتوں کی منزل پر پہنچا دیا اور ان کو ہم انسانیت کی منزل سے بہت اوپر لے آئے۔ درآں حالیکہ حقیقت میں فرشتوں کے برابر لاکر ہم نے ان کی منزلت کو کم کیا ہے۔

اور تمام وہ صفات جو فرشتوں کے لیے ہیں۔ اگر ہم ان کی نسبت اپنے آئمہ کی طرف دیں اور ان کو مقرب فرشتوں کی منزل پر لاکر رکھیں تو قرآن کی روشنی میں ہم نے ان کے مرتبے کو آدمیت اور انسانیت سے کم کردیا ہے، پیغمبر اسلام کی یہ فضیلت نہیں کہ ان کا سایہ نہ تھا کیونکہ روح کا سایہ نہیں ہوتا، فرشتوں کا سایہ نہیں ہوتا، بہت سی مخلوقات ہیں جن کا سایہ نہیں ہے تو یہ پیغمبر کی فضیلت نہیں ہوئی اور اسی طرح اس قسم کی باتیں مولائے کائنات میں ہوں تو علی علیہ السلام کی تعریف فرشتوں کے برابر ہو جائے گی جبکہ مولائے کائنات کی منزل فرشتوں سے بہت بلند ہے۔ وہ تو مسجود ملائکہ ہیں۔

اس لیے ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم ان میں انسانیت کے کمال کو تلاش کریں نہ کہ فرشتوں کی صفات کو لیکن اب تک ہمارا طرز فکر غیر اسلامی ہے بلکہ یہ طرز فکر اسلام سے پہلے

کا ہے' اس کے تحت ہم علی علیہ السلام کو دیکھتے ہیں اور پھر علی اور اپنے دوسرے رہبروں کو فرشتہ ثابت کرتے ہیں جس کا رہبری سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ فرشتوں کی پیروی نہیں ہو سکتی اور فرشتہ انسانی معاشرے کو نجات عطا نہیں کر سکتا- یہ صرف عظیم انسان کا کمال ہے کہ وہ انسانیت کو نجات بخش سکتا ہے وہ عظیم انسان کوئی اور نہیں علی ہے' علی ہے' علی-

لیکن مولائے کائنات کے انسانی کمالات کیا ہیں-- وہ مسئلہ جس کے بارے میں شاید اب تک سوچا ہی نہیں گیا جب کہ یہ سب سے ضروری تھا وہ ہے مولائے کائنات کی تنہائی' یوں تو ہر انسان ایک تنہا مخلوق ہے' تمام قصوں' کہانیوں میں' تمام پرانی الف لیلوی داستانوں میں' تمام مذاہب میں' انسانیت کی پوری تاریخ میں مختلف طریقوں سے مختلف زبانوں میں یہ کہا گیا ہے کہ انسان کی سب سے بڑی مصیبت اس کی تنہائی ہے--- یہ تنہائی کیوں---؟

"اریک فروم" کا کہنا ہے کہ تنہائی عشق' بیگانگی کی پیداوار ہے یہ بالکل صحیح بات ہے کیونکہ جو شخص اپنے معبود' اپنے معشوق کے عشق میں مبتلا ہے وہ دوسری تمام چیزوں سے بیگانہ ہو جاتا ہے- کیونکہ اسے اب کسی اور کی آرزو نہیں- جب یہ ہو تو تنہا رہ جاتا ہے' جو شخص لوگوں سے اور تمام چیزوں سے بیگانہ ہے' کسی سے انس نہیں ہے کسی سے مطابقت نہیں ہے تو وہ تنہا رہ جاتا ہے- اسے تنہائی کا احساس ہوتا ہے-

انسان جیسے جیسے "انسان" ہونے لگتا ہے- اسے تنہائی کا زیادہ احساس ہونے لگتا ہے' عام طور سے دیکھا جاتا ہے کہ جو لوگ گہرے ہوتے ہیں یا جو انسانیت کے ممتاز افراد ہوتے ہیں' وہ لوگوں کی ہوس ولذت کو دیکھ کر رنجیدہ ہوتے ہیں اور افسوس کرتے ہیں یا وہ لوگ جو رفتہ رفتہ انسانی بلندیوں کی طرف قدم بڑھاتے ہیں وہ رفتہ رفتہ معاشرے سے دور ہوتے رہتے ہیں اور اکیلے رہ جاتے ہیں-

دنیا کی اہم علمی شخصیات کو اگر دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ ان کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ وہ اپنے وقت اور زمانہ میں تنہا تھیں یا خود اپنے دور میں غیر معروف تھیں' اجنبی تھیں' خود اپنے وطن میں بیگانہ تھیں اور ان کو--- ان کی باتوں کو--- ان کی تحقیقات کو--- اور ان کے طرز فکر اور سطح فکر کو' فن کو ان کے بعد والوں نے زیادہ بہتر سمجھا-

ہر فلسفہ اور طرز فکر میں انسان تنہا نظر آتا ہے--- تنہائی کی مصیبت کو برداشت کرتا نظر آتا ہے اور جیسے جیسے اپنی انسانیت کی منزل کو طے کرتا چلا جاتا ہے- اپنے گردوپیش سے اجنبی

ہوتا جاتا ہے زندگی کے ہنگاموں سے الگ ہوتا جاتا ہے اور تنہا ہوتا چلا جاتا ہے۔

جن وجوہات سے انسان معاشرہ سے کٹ جاتا ہے۔ ان میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ وہ ان چیزوں سے بیگانہ ہو جاتا ہے جن کی طرف عام طور پر رغبت ہوتی ہے' اس کی وہ پیاس جو دوسروں کو ایک چشمہ سے سیراب ہوتا دیکھتی ہے لیکن خود ادھر مائل نہیں ہوتی' اس کی بھوک لوگوں کو ایک دستر خوان پر آزادی سے کھاتا ہوا دیکھتی ہے لیکن خود ادھر مائل نہیں ہوتی۔ جیسے جیسے روح بلندیوں کی طرف بڑھتی ہے' اور عظمتوں کو حاصل کرتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ عظمت جس کو قرآن قصہ آدم کی صورت میں ہمارے سامنے پیش کرتا ہے' وہ بالکل تنہا ہو چکی ہوتی ہے۔

دنیا میں کون تنہا نہیں؟---وہ شخص تنہا نہیں ہے جو سب کے ساتھ ہے' یعنی سب کی سطح فکر میں مساوی ہے' سب کے انداز فکر سے سوچتا ہے اور سب کے انداز سے دیکھتا ہے' یعنی وہ جو زمانے کے رنگ میں رنگ جاتا ہے اور پھر وہ ان ہی کے رنگ میں ان ہی کے انداز میں ان ہی کی سطح پر سوچتا ہے' دیکھتا ہے سنتا ہے اور پھر ہر چیز میں ان کے ساتھ ہو کر ان ہی میں سے ایک ہو جاتا ہے' یہ انسان پھر کبھی تنہائی کا احساس نہیں کرتا' کیوں؟---کہ سب کی طرح سے ہے---ان ہی میں سے ایک ہے' وہ ان ہی کے ساتھ ہے---سب کے ساتھ کھاتا پیتا ہے---سب کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا ہے اور ان کی لذات سے بہرہ اندوز ہوتا ہے۔

اجنبیت اور تنہائی کا احساس تو اس کو ہوتا ہے جو اپنے معاشرے کی اور اپنے زمانے کی برائیوں کو دیکھتا ہے' اسے محسوس کرتا ہے اور پھر اس سے اجتناب کر کے پھر تنہا رہ جاتا ہے اور یہی اجتناب اور احساس تنہائی اپنے ماحول سے' اپنی دنیا سے کھینچ کر اسے اس کی طرف لے جاتا ہے جس کی وہ پرستش کرتا ہے' جہاں اس کے احساسات کو سکون ملتا ہے' وہ جگہ جو اس کے لیے مناسب ہے' وہ منزل جو اس کی شخصیت کے لائق ہے۔

یہی احساس روح کے کامل ہونے کے ساتھ بڑھتا رہتا ہے' شدید سے شدید تر ہو جاتا ہے اور اس اعتبار سے تکلیف میں اضافہ ہو جاتا ہے' انسان کے لیے سب سے دردناک چیز (وہ انسان جو بلندیوں تک پہنچ چکا ہے) تنہائی ہے۔

ہم مولائے کائنات کی زندگی میں دیکھتے ہیں جس حد تک بھی ہماری معرفت ہے کہ وہی مولائے کائنات نالۂ نیم شبی میں مشغول ہیں' فریاد کناں ہیں' ان کی خاموشی دیکھ کر دل ڈرنے لگتا ہے۔ ان کی باتیں سن کر دل میں ایک درد سا اٹھتا ہے کیونکہ یہ وہی علی ہیں جنہوں

نے مدتوں تلوار چلائی' جنگیں کیں' قربانیاں دیں اور اس کے بعد جب اپنی بے پناہ کوشش اور قربانیوں سے ایک جدید معاشرے کی بنیاد ڈالی' لوگوں کو ایک نئی زندگی دی اور اپنے مشن میں کامیاب ہوئے تو خود اپنے ہی ساتھیوں میں تنہا ہیں' خود اپنے ہی لوگوں میں اجنبی ہیں۔ صرف یہی نہیں ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ رات کی تاریکی میں شہر سے باہر نکلتے ہیں۔ صحرا کے کسی کنوئیں میں منہ ڈال کر حال دل کہتے ہیں' آنسو بہاتے ہیں۔ پھر خاموشی سے "اجنبیوں" میں آجاتے ہیں' اتنے سب اصحاب... مدینہ کی اتنی بڑی آبادی... اتنے بہت سے لوگوں کا آنا جانا... پیغمبر اکرم ﷺ کے چاہنے والے... لیکن کوئی بھی نہیں جو مولائے کائنات سے مانوس ہو یا جس سے وہ مانوس ہو سکیں... کوئی اہل دل نہیں ہے... کوئی سننے والا نہیں... کوئی مونس نہیں... مدینہ میں... اپنا وہ شہر... اور وہ معاشرہ' وہ سماج جو خود انہوں نے بنایا... ان کی کوششوں سے وجود میں آیا... کوئی غم خوار نہیں... کوئی اپنا نہیں... اندھیری رات میں شہر سے باہر صحرا میں چلے جاتے ہیں کہ انہیں کوئی نہ دیکھے؛ قریب نہ آئے...

سب سے بڑی مصیبت کسی انسان کے لیے یہ ہوتی ہے کہ پست و نادان اشخاص اپنی تنگ نظری پست فطرتی اور گناہوں اور رذالتوں سے آلودہ ذہن ہونے کی وجہ سے... اس کی عظمت کو... منزلت کو... اور اس کی شخصیت کو... نہ صرف یہ کہ نہ سمجھ سکیں بلکہ کم سمجھیں۔

ایسی عظیم شخصیتیں ان حالات میں یہ سوچتی رہتی ہیں کہ کاش... یہ لوگ... یہ ذہن... یہ نظریں... یہ بظاہر زندہ انسان... یہ چلتی پھرتی مخلوق... اسے دیکھے... اسے پرکھے... غور کرے اور سمجھے پہچانے۔

کسی لکھنے والے نے لکھا ہے کہ "شیر دن میں نہیں روتا... لومڑیوں کے سامنے' بھیڑیوں کے سامنے' عام جانوروں کے سامنے شیر آنسو نہیں بہاتا۔ ان کے سامنے اپنے وقار کو' اپنی عظمت کو خاموشی کی چادر میں لپیٹے رہتا ہے۔ اپنے ناقابل برداشت درد کو بھی چھپائے رکھتا ہے لیکن... جب رات کی تاریکی پھیل جاتی ہے' جب اندھیرا ساری کائنات پر چھا جاتا ہے تو وہ... تنہا... اس وقت صبر کے بندھن ٹوٹ جاتے ہیں۔ اندھیری تاریک رات میں وہ جنگلوں' صحراؤں میں... ایسی جگہ جہاں کوئی نہ ہو... جس وقت لوگ اپنے گھروں میں آرام سے سو رہے ہوں... کوئی تکلیف' کوئی مصیبت کوئی فکر ان کے لیے باعث بیداری نہ ہو... اس وقت یہ تنہا... جو پوری کائنات میں اپنے کو تنہا محسوس کر رہا ہے... یہ

زمین' یہ آسمان' سب اس کے لیے اجنبی ہیں--- اگر اس کا کوئی ساتھی ہے' کوئی غمخوار ہے' کوئی ہمدم ہے تو صرف اور صرف اس کا احساس ذمہ داری جو معاشرہ سے منسلک کئے ہوئے ہے--- اس کی امامت ہے جو لوگوں سے ملنے پر مجبور کرتی ہے--- ورنہ جب وہ اپنے چاروں طرف دیکھتا ہے تو پھر وہی نظر آتا ہے اور یہ تنہا ہے--- پھر تنہائی کی تلاش کرتا ہے اور پھر آبادیوں سے دور' ان اجنبیوں سے دور' بہت دور کسی تاریک کنویں میں منہ ڈال کر اپنا حال دل کہتا ہے' صرف اس لیے کہ اس کی یہ فریاد اس کی سرد آہیں' کسی پست فطرت اور کم ظرف کے کانوں تک نہ پہنچیں' کوئی کوتاہ نظر اسے نہ دیکھ سکے--- یہ سرد آہیں کیوں؟ اس کی یہ سسکتی ہوئی آواز کیوں بلند ہوتی ہے---

افسوس کہ یہ سرد آہیں سب کے لیے عقدہ لاینحل ہیں--- یہ سسکیاں سب کے لیے معمہ ہیں حتیٰ کہ ان کے چاہنے والے--- ان کے شیعہ یہ نہیں جانتے کہ یہ کیوں؟--- کیا اس لیے کہ خلافت چھن گئی---؟

کیا اس لیے کہ فدک غصب کر لیا گیا۔؟

کیا اس لیے کہ منصب کسی اور نے چھین لیا؟

کیا اس لیے کہ اس کی منزلت کو--- یا اس لیے کہ--- یا خدا جانے--- کیا وجہ ہے؟

ایک تنہا روح اس دنیا میں' جو اس کے لیے اجنبی ہے' اس معاشرہ میں جس میں وہ زندگی گزار رہا ہے لیکن وہ اپنے کو ان کی سطح پر نہیں لا سکتا--- وہ سطح جو جہالت کی سطح ہے' وہ سطح جو قبائلی نظام کی پیداوار ہے' وہ اپنی اس بلند و بالا منزل سے اس قدر نیچے نہیں اتر سکتا کہ--- ان کے ساتھ نظر آئے وہ--- خود خواہشوں میں لگے ہوئے ہیں--- وہ جو لوٹ مار کو ایمان بنائے ہوئے ہیں' وہ جو دنیا میں غرق ہوئے جا رہے ہیں--- وہ اپنے کو اس سطح پر ہرگز نہیں لا سکتا--- جہاں رسول ﷺ کے نام لیوا نظر آ رہے ہیں--- اس لیے وہ تنہا ہے اکیلا ہے---

مولائے کائنات اس طرح احساس تنہائی کر رہے ہیں جیسے کہ انسانیت تنہائی محسوس کرتی ہے جس طرح مختلف نظریات نے اس کو بیان کیا ہے' میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اس احساس تنہائی کے بارے میں اگر تمام مذاہب نہیں تو اکثر مذاہب اس کے معتقد نظر آئیں گے اور دین و مذہب سے بیگانہ' سارتر بھی یہی کہتا نظر آتا ہے' وہ انسان کو ایک الگ' ایک جدا مخلوق ماہیت اور بعد میں ان کا وجود--- سوائے انسان کے--- کیونکہ یہاں اس کے برعکس ہے پہلے

اس کا وجود' بعد میں ماہیت۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ سارتر جو خدا اور مذاہب پر ایمان نہیں رکھتا وہ بھی یہی کہتا ہے کہ انسان ایک ایسا عنصر ہے جو پوری مادی کائنات سے جدا ہے اور اجنبی اور بیگانہ--- اور انسان حیوانیت اور خواہشات سے جو اس کی فطرت سے ملے ہیں جس رفتار سے دور ہوتا جاتا ہے تو وہ تنہا ہوتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ جب صرف انسان رہ جاتا ہے تو سب سے الگ' سب سے جدا--- اور مولائے کائنات ایک انسان مطلق ہیں---

مولائے کائنات انسانیت کی پوری تاریخ میں ایک ایسی شخصیت ہیں جس میں مختلف بلکہ متضاد چیزیں جمع ہو گئی تھیں کبھی وہ ایک عام مزدور کی طرح نظر آتے ہیں کہ اپنے ہاتھوں سے اپنے بازوؤں سے مٹی کھود رہے ہیں' تپش ہوئی ہے چلچلاتی دھوپ ہے مگر وہ کام میں مشغول ہیں اور پھر کبھی فلسفی کے روپ میں سوچتے نظر آتے ہیں--- کبھی اپنے خالق کی راہ میں کسی پہنچے ہوئے عارف کی طرح دریائے معرفت میں غوطہ زن ہیں--- تو کبھی بہادر جنگجو کی طرح تلوار لے کر میدان میں نظر آتے ہیں--- کبھی ایک سیاستدان کی طرح ملک و قوم کی رہنمائی کرتے نظر آتے ہیں--- تو کبھی معلم اخلاق' فضائل انسانی کا سرچشمہ نظر آتے ہیں--- باپ بھی ہیں--- اور وفادار دوست بھی ہیں--- بے مثال شوہر بھی ہیں--- پھر ایسے کمالات والے انسان' اتنی بلند سطح والی شخصیت کو اتنے پست فطرت انسانوں کے درمیان اجنبیت بھی محسوس کرنا چاہیے۔

ایک ایسا انسان اپنے معاشرے میں اپنے ان ساتھیوں کے درمیان' جو مدتوں اس کے ساتھ میدان جنگ میں رہے' وہ ساتھی جو بظاہر ایک ہی مقصد کے لیے کوشاں تھے--- جو پیغمبر اسلام کے ساتھ ہر معرکے میں شریک تھے--- وہی ساتھی جو اسی پیغمبر پر ایمان رکھتے ہیں جن پر یہ' لیکن جنھوں نے اعتقاد و ایمان کی منزل میں پہنچ کر بھی اپنی پرانی روایت کو بھلایا نہیں ہے' رسول کے اخلاص کے ساتھ ساتھ اپنی قبائلی زندگی کو ذہن سے ہٹا نہیں سکے ہیں' اپنی خود خواہیوں سے الگ نہیں ہو سکے ہیں' پچھلی زندگی اور اس کے اثرات کو پورے طور سے محو نہیں کر سکے ہیں اور مولائے کائنات کی طرح خلوص و ایثار مطلق کی منزل تک نہیں پہنچ سکے ہیں۔

مولائے کائنات اپنے ان ہی ساتھیوں کے درمیان اجنبی ہیں--- تنہا ہیں۔ مولائے کائنات پیغمبر اسلام کے رشتہ دار ہونے کے جرم میں مبتلا ہیں کیونکہ قبائلی عربوں کے معاشرے میں اسلام سے زیادہ قبیلہ کی اہمیت ہے۔ ابھی یہ معاشرہ اس بات کو برداشت نہیں کر سکتا ہے

کہ پیغمبر بھی "بنی ہاشم" میں سے اور اس کا جانشین بھی۔ اس طرح تو بنی تیم و بنی عدی و بنی زہرہ کچھ نہ رہ جائیں گے بلکہ رفتہ رفتہ تیم' عدی و (بنی عدی) زہرہ سب مٹ جائیں گے۔

اس اہم نکتہ کو کوئی مورخ یا ساجیات کا ماہر نہیں سمجھ سکتا ہے' اس لیے مولائے کائنات کی تنہائی کا باعث ان کی پیغمبر اسلام سے رشتہ داری بھی ہے۔ اگر وہ آج ان کے خاندان میں نہ ہوتے تو شاید اتنی مخالفت نہ ہوتی--- یہ وہ شخصیت ہے جس کو مدینہ کے معاشرے سے کوئی ربط نہ تھا--- لیکن حق کے لیے جو معرکے کئے تھے--- تکلیفیں اٹھائی تھیں--- رنج و مصائب جھیلے تھے--- آج وہی تلوار' وہی جنگیں' وہی معرکے اس کو سب سے الگ کرنے پر تلے ہوئے ہیں' اس لیے آج بھی مدینہ میں تنہا ہیں اور اس سے بھی بڑی مصیبت اور تکلیف وہ بات یہ ہے کہ مولائے کائنات خود اپنے چاہنے والوں کے درمیان تنہا ہیں' اپنی اس قوم کے درمیان جس نے اپنی پوری محبت' الفت' تاریخ' تعلیم سب ان کے سپرد کر دی ہے۔ اسی قوم میں علی تنہا ہیں کیونکہ ان کو عظیم شخصیت سمجھ کر ایک زبردست رہبر کی طرح سے ان کی پرستش کرتے ہیں لیکن--- یہ نہیں جانتے کہ وہ کون ہیں؟--- ان کا غم کیا ہے؟ وہ کہنا کیا چاہتے ہیں؟ ان کی خاموشی کیوں ہے---؟

ہماری زبان میں ابھی تک اس "نہج البلاغہ" کا وجود نہیں ہے جس کو عام طور سے لوگ پڑھیں--- تنہائی اس کے سوا اور کیا ہے؟ آج آپ کو معمولی سے معمولی مصنفین کی وہ کتابیں جن کی کوئی حیثیت نہیں ہے' ہر جگہ مل جائیں گی لیکن افسوس مولائے کائنات کی وہ عظیم کتاب جس کو ہزار سال گزر گئے' آج تک ہاتھوں کی زینت نہ بن سکی' دماغوں پر نہ چھا سکی' ذہنوں میں نہ اتر سکی۔ ابھی تک وہ قوم جس نے پورے طور سے اپنے کو علیؓ کا پرستار کر دیا ہے جس کے خون کا قطرہ قطرہ ان کی راہ میں بہنے کے لیے تڑپ رہا ہے۔ وہی قوم ان کی باتوں سے واقف نہیں ہے۔ ان کے کلمات سے ناآشنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مولائے کائنات کی اتنی مدح و ستائش کے باوجود ناآشنا ہیں۔ مولائے کائنات کو دو طرح کی تکلیفیں اٹھانی پڑیں ایک وہ زخم جو آپ نے اپنے شہر میں ابن ملجم کی تلوار سے محسوس کیا اور دوسرا وہ زخم جو آپ کو تاریک رات میں آبادی سے دور لے جاتا ہے' صحراؤں میں لے جاتا ہے اور آنسو بہانے پر مجبور کرتا ہے لیکن ہم صرف اس زخم پر آنسو بہاتے ہیں جو ابن ملجم کی تلوار سے پہنچا تھا' جبکہ وہ اصل میں مولائے کائنات کے لیے زخم نہیں ہے (اس کو تو وہ مسکرا کر جھیل گئے) زخم تو وہ ہے جس نے ان کو آنسو بہانے پر مجبور کر دیا' جس نے انہیں معاشرہ سے دور کر دیا اور وہ ان

کی تنہائی ہے کہ ہم ان کو نہ پہچان سکے ان کی باتوں پر غور نہ کرسکے۔ آیئے اب اس زخم د
تنہائی کو سمجھیں۔ لیکن افسوس کہ تلوار کے زخم کو مولائے کائنات نے محسوس نہیں کیا۔۔۔
اور۔۔۔ ہم۔۔۔ ہم مولائے کائنات کے اس زخم تنہائی کو محسوس نہیں کرتے۔

حجتہ الاسلام عقیقی بخشائش
(ترجمہ) مولانا علی ارشاد نجفی

اسلام کی رگ کا مقدس خون

مولائے کائنات حضرت علیؑ کے سوا کسی فرد بشر نے یہ عظیم شرف نہیں پایا کہ خانہ خدا میں اس کی پیدائش ہو اور خانہ خدا ہی میں درجہ عالیہ شہادت پر فائز ہو۔

چنانچہ مولائے کائنات حضرت علیؑ کی پیدائش' حیات مقدس اور شہادت مکتب جاودان کا ایک درس ہے۔

تیرھویں ماہ رجب تاریخ عالم کے سب سے عظیم مرد اور دنیائے اسلام کی دوسری شخصیت جناب امیرالمومنین حضرت علیؑ کی ولادت کی سالگرہ کا مبارک دن ہے جنہوں نے انسانوں کو اپنی ولادت' حیات اور شہادت کے ذریعہ رزم' عزم' علم و حکمت' مجاہدہ و شہادت کا وہ سبق سکھایا جو بشری زندگی کے نشیب و فراز سے پر تاریخ میں ہمیشہ باقی رہنے والا شجاعت و تہور آفریں ہوگیا' اور ان تمام دوستداروں اور عاشقوں کے لیے جو شمار میں ہزاروں کی تعداد میں ہیں اور تخمیناً۔ ان کی تعداد دسیوں ملین تک پہنچتی ہے ایک بہترین و قابل عمل نمونہ ہے۔

حضرت علیؑ ابن ابی طالب کی ولادت باسعادت زندگی اور پر عظمت شخصیت کی تحقیق اور مطالعہ نیز آپ کی طرز زندگی' آپ کے اسلام و ایمان کی کیفیت اور آپ کے مجاہدات اور جنگوں کے بارے میں غور و فکر اور گہرا مطالعہ نہ صرف اصلاح کن بیداری پیدا کرنے والا امید افزا اور گراں بہا ہے بلکہ حکومت عدل اسلامی کی شگفتگی کی ابتدائی منزلوں میں حکومت

اسلامی کے بنیادی اصول اور اس الہام بخش سرچشمہ ہدایت کے زیر سایہ جو کہ ان ارشادات و فرمائشات سے معمور ہیں دنیا میں بسنے والی ملت اسلامی کی انفرادی و اجتماعی زندگی کے لیے اصلاح کنندہ' بہترین نشانہ اور معیار زندگی اور سبب اصلاح ثابت ہو سکتا ہے اور ہم کو ایک تربیت دہندہ کامل اور نمایاں اسلامی تربیت کے نمونہ کے مقابل کھڑا کر سکتا ہے۔

علیؑ عظمتوں' طہارتوں' تقدسوں اور مطلق احساسات کے گوناگوں انواعُ کے رب النوع کی حیثیت کے حامل ہیں' آپ کی شخصیت وہ بے نظیر شخصیت ہے کہ جس کے سامنے دوست محبت و الفت کے ساتھ اور آپ کے دشمن اور مخالفین حیرت کے ساتھ کھڑے ہیں اور اب بھی آپ کی ملکوتی صدا کی طرف جو فضا شہر کوفہ میں گونج رہی ہے کان لگائے ہوئے ہیں جہاں آپ فرماتے ہیں کہ۔ "خدا کی قسم میرے یہی پیوند دار جوتے میرے نزدیک تم جیسے لوگوں پر حکومت کرنے سے زیادہ عزیز ہیں' الا یہ کہ اس حکومت کے ذریعہ کسی حق کو اس کی جگہ پر قائم کروں یا کسی امر باطل کو اکھاڑ پھینکوں (میرا مقصد حکومت فقط یہی ہے)

مجاہد اعظم یا شجاعوں کا شجاع

آپ فقط میدان جنگ ہی میں شجاع و دلیر نہیں تھے بلکہ ہر موقع و مقام پر دلیر تھے خلوص و صافدلی' وجدان کی پاکیزگی' عظیم الشان قلبی سکون و اطمینان میں مظلوموں کی مدد میں ستمگروں اور جابروں سے جنگ میں خواہ وہ کسی جگہ اور کسی خطہ میں ہو' آپ ان تمام میدانوں میں سب سے بڑے دلیر تھے۔

دنیائے اسلام کی اس عالی قدر شخصیت اور راہ خدا کے اس عظیم مجاہد کے بقاء دوام کا راز ہر نکتہ سے زیادہ اس امر میں پنہاں ہے کہ آپ وقت کے ساتھ آگے بڑھتے گئے تھے اور معین کرنے والے اسباب و عوامل کے ذریعہ ہر زمانہ کے لیے مخصوص فکری ملکہ (انداز) رکھتے تھے اور ان باریکیوں کو موسم بہار کی شگفتگی و برگ و بار کے نقش و نگار سے تشبیہ دی جا سکتی ہے کیونکہ اس وسیع و عریض دنیا کے ہر مقام اور ہر گوشہ میں بہار کھلنے' سرسبزی و شادابی تازگی و خوبصورتی اور شان و شکوہ اور شوکت و عظمت ہی کے معانی رکھتی ہے اور اس سے بہار کے معنی میں کوئی فرق نہیں پڑتا کہ بہار مشرق میں ہے مغرب میں' شمال میں ہے یا جنوب میں صحرا میں ہے کہ پہاڑی علاقہ میں ہے' پرانے باغ میں ہے یا نئے گلشن میں' شہر میں ہے یا دیہات میں' آبادی میں ہے یا ویرانہ میں' غرض ہر جگہ بہار سے ایک ہی معنی اور ایک ہی مفہوم سمجھا جاتا ہے بہار ہر جگہ بہار ہے' اسی معنی و مفہوم میں' بلا کسی ادنیٰ فرق کے اور

بہار بھی کہنگی کا لباس زیب تن نہیں کرتی۔

بالکل اسی بہار کی طرح شاندار پر شکوہ، سرسبز و شاداب ہے۔ ذات علی بن ابی طالبؑ اور آپ کے بلند کردار اور آپ کا سادہ شیوۂ زندگی۔

آپ کی شخصیت ہمیشہ تر و تازہ شاداب و پر شکوہ تمام زمانوں اور مکانوں اور تمام نسلوں اور خانوادوں کیلئے مطابقت پذیر ہے اور سب کیلئے ہمیشہ بہار اور ہمیشہ شاداب، سدا بہار۔

میدان جہاد سے مجلس بحث تک

جس وقت کہ فرزند ارجمند حضرت ابو طالب، پدر بزرگوار امامین ہمامین حسنؑ و حسینؑ و زینب وام کلثوم، شوہر نامدار فاطمۃ الزہرا اور داماد مرسل اعظم ﷺ، خداوند متعال اور کیفیت خدا شناسی کے متعلق گفتگو فرماتے ہیں تو بھی اس طرح محو جمال الٰہی ہو جاتے ہیں اور آپ کی گفتگو اس قدر بلند ہو جاتی ہے، اس افق سے بہت بلند فکر و شعور کے افق میں سیر کرنے لگتی ہے کہ فکر و تصور بشری کے بال و پر اس کی سطح میں پرواز سے عاجز ہو جاتے ہیں اور آپ خداوند متعال کی توصیف و تعریف اس انداز سے فرماتے ہیں کہ انسان اپنی چشم دل سے اسے ہر جگہ دیکھنے لگتا ہے۔ آسمانوں میں زمینوں میں اپنے دل کے اندر اپنی روح کی گہرائی میں اور اپنی بینائی میں ایسی بینائی سے جمال و کمال الٰہی کا مطالعہ کرنے لگتا ہے جو لذت سے بھرپور اور اوج خواہی و بلند پروازی میں مؤاج و متلاطم رہتی ہے۔

اور یہی شخصیت عین اسی مذکورہ حالت میں میدان کارزار میں دشمن سے جنگ اور اسلام کی طرف سے جہاد و دفاع کے موقع پر ایک بہادر کمانڈر اور شائستہ و ماہر سپہ سالار ہے جو لباس جنگ جسم پر سجائے ہوئے اور اپنی فوج کے سامنے جنگی باریک ترین فنون و تدابیر اور فتح و فیروزی کے رموز کی اس طرح تشریح کناں ہے کہ گویا اسے تمام عمر سوائے میدان کارزار و معرکہ نبرد فنون حرب کے کسی اور کام سے کوئی سروکار ہی نہیں رہا ہے اور پھر وہی ذات والا صفات مسند قضاۃ و انصاف پر بہترین قاضی اور معاملات کی تہ تک پہنچ جانے والا ماہر ترین جج اور محراب عبادت میں بزرگ ترین زاہد و عبادت گذار اور مسند تربیت پر بزرگ ترین و شفیق ترین معلم اخلاق اور روحِ رواں بشر مربی و تہذیب کنندہ ہے۔

حضرت علی غیر مسلم دانشمندوں کی نظر میں

آپ کے دوستوں نے آپ کے متعلق بہت لکھا ہے اور اپنی تحریروں سے کتب خانے بھر

دیئے ہیں جن کا دہرانا ممکن نہیں ہے لیکن اس غرض سے کہ ہم یہ جان لیں کہ غیروں نے علیؑ کو کس طرح پہچانا ہے اور حضرت کو کس نقطۂ نظر سے دیکھتے اور پہچانتے ہیں' مناسب معلوم ہوتا ہے کہ غیر اسلامی مفکروں اور دانشمندوں کے افکار و اقوال پر بھی تھوڑی سی نظر ڈالیں تاکہ۔

خوشتر آں باشد کہ سر دلبراں
گفتہ آید در حدیث دیگراں

ہم یہاں جو کچھ بھی پیش کریں گے وہ لاکھوں اقوال اور لاکھوں تحریروں سے منتخب و مقتبس یا ایک بہت بڑے گلشن سے محض گل چینی کی حیثیت سے ہوگا جو اس موقع پر سمندر سے ایک قطرہ لینے کا مصداق ہوگا۔

"جبران خلیل جبران" مشہور و معروف عیسائی مورخ اس یگانہ روزگار (حضرت علیؑ) کے متعلق لکھتا ہے۔

"میرا عقیدہ ہے کہ فرزند ابو طالب وہ سب سے پہلے عرب ہیں جنہوں نے روح کلی (الوہیت) کی ملازمت و ہمسائیگی اختیار کی اور اسی کے ہمراز و دمساز ہو گئے وہ سب سے پہلے عربی تھے جن کے دونوں لبوں نے ترانہ الوہیت کی آواز ان انسانی کانوں تک پہنچائی جنہوں نے اس سے قبل اس نغمہ کو سنا ہی نہیں تھا' علیؑ اس حالت میں دنیا سے رخصت ہوئے کہ اپنی عظمت و بزرگواری کے شہید ہوئے۔ دنیا کی طرف سے آنکھیں بند کرلیں اس حالت میں کہ نماز (تسبیح سجدہ) آپ کے لبوں پر تھی' آپ دنیا سے اس حالت میں گئے کہ آپ کا دل شوق لقاء پروردگار سے معمور تھا' عرب نے آپ کے مقام و رتبہ' قدر و منزلت کو نہیں پہچانا یہاں تک کہ عرب کے ہمسایوں میں سے فارس کے کچھ لوگ کھڑے ہو گئے لیکن (افسوس کہ) اہل عرب نے گوہر آبدار اور سنگریزہ کے درمیان فرق کو نہیں پہچانا۔"

"شبلی شمیل" عرب کا مادہ پرست مورخ جو کیمونزم اور الحاد کا نظریہ رکھتا تھا اور ماوراء الطبیعات کا منکر تھا وہ اس الٰہی و اسلامی بزرگ شخصیت کے متعلق پر جوش و ستائش آمیز لہجہ میں کہتا ہے۔

امام علیؑ دنیا کے بزرگوں سے بزرگ ـــــ اور زمانہ کے واحد و یکتا نسخہ تھے کہ دنیائے مشرق و مغرب نے اپنی آنکھوں سے عصر قدیم و جدید میں کوئی ایسی تصویر

جو اس نسخہ یکتا کی مثال و نظیر ہو اور مطابق اصل ہو نہیں دیکھی ہے۔

یہ وہی مفہوم ہے جسے ایرانی شاعر شہریار نے شعر کی زبان میں یوں بیان کیا ہے۔

گواہ ۔ فضل تو آن بہ کہ دشمناں باشد
مثل خوش است بہ مصداق خوش تری ہم وصل
یکے بہ گفتہ شبلی شمیل زندیق
بہ بیں چہ گفتہ بہ وصف علیؓ خطا بے فصل
علیؓ است نسخہ فردے کہ شرق وغرب جہاں
دگر ندیدہ سوادے ازو مطابق اصل

"جارج جرواق" ایک دوسرا عیسائی مورخ جس نے شخصیت و مکتب علیؓ ابن ابی طالب کی تحلیل و تشریح کے سلسلہ میں پانچ جلدوں میں ایک تاریخی و ادبی شاہکار تحریر کیا ہے اس طرح رقمطراز ہے۔

"تاریخ کے نزدیک.... خواہ تم پہچانو یا نہ پہچانو' نامور شہید شہداء کے پدر بزرگوار عدالت انسانی کی آواز اور مشرق کی جاوداں شخصیت علیؓ ہیں۔"

یہ علی ابن ابی طالب تھے جن کے نزدیک جہاد و قتال و کارزار کی غرض و عافیت دوسری ہی تھی۔ وہ غرض و غایت نہیں جو دوسرے سمجھتے تھے اور دوسری ہی نیت اور دوسرے ہی قصد سے جنگ کرتے تھے اس نیت کے علاوہ جو دوسرے رکھتے تھے' انہوں نے زہد اور روح تقویٰ کے ساتھ جہاد کو اختیار کیا اور عاجزوں' بیچاروں اور مجبوروں کی محبت میں قلعوں کے فتح کرنے پر آمادہ ہوئے اور انہوں نے دشمنان عدل و انصاف کے کام کو خاک میں ملا دیا۔ وہ انسانی اخلاق کریمہ و صفات فاضلہ عالیہ میں بلندی و کمال کی حد تک پہنچے ہوئے تھے۔ اے دنیا! (کیا بگڑ جاتا؟) اگر اس تمام طاقت و توانائی کو جو تو رکھتی ہے کام میں لاتی اور ہر زمانہ میں ایک دوسرا علیؓ جس میں انہی کی عقل و دانش انہی کا دل اور انہی کی زبان اور انہی کی ذوالفقار ہوتی' عالم کو بخش دیا کرتی۔ (صوت العدالۃ الانسانیہ ج۔ا ص ۵۰۱)

"میخائیل نعیمہ" ایک معاصر عرب عیسائی بڑا مورخ اور فلسفی مفکر اور ادیب اس طرح رقمطراز ہے۔

"ایک تاریخ نویس کتنا ہی قابل و ہنرمند ہو شخصیت علیؓ اور ان کے پر آشوب

زمانہ اور فتنہ انگیز ماحول کی کامل تصویر کشی ہرگز نہیں کر سکتا چاہے وہ ہزاروں صفحات اس سلسلہ میں لکھ ڈالے کیونکہ اس عرب کے عنصر کامل اور مرد باکمال نے جو خدمات اپنے اور اپنے خدا کے درمیان انجام دیئے ہیں وہ ایسے ہیں کہ کسی شخص نے نہ دیکھا اور نہ سنا ہے۔ پس اس صورت میں اس شخصیت کی جو شکل بھی ہم کھینچیں گے وہ لامحالہ مبہم، نامکمل اور ایک دھندلی شکل ہوگی۔ وہ میدان جنگ و پیکار کے مقابلہ میں بہت بڑے بہادر شمار ہوتے تھے۔"

"ان کی یہ عظمت و بزرگی، اگرچہ اسے ایک طویل عرصہ گزر چکا ہے لیکن (یہ عظمت علیؑ) ہمیشہ ہمارے لیے ایک گراں بہا خزانہ ثابت ہو سکتا ہے جس کی طرف ضرورت ہے کہ ہم توجہ کریں، آج یا جس روز اور جب کبھی بھی ہمیں شائستہ و سر بلند زندگی گزارنے کی ضرورت محسوس اور خواہش پیدا ہو تو ہم اس روح پر جوش و خروش سے غیبی مدد حاصل کر سکتے ہیں کیونکہ وہ تفکر و اندیشہ کا ختم نہ ہونے والا عنصر ہر زمانہ اور ہر جگہ موجود کار آمد، نفع بخش ہے۔" (علیؑ والقومیتہ العربیہ ص ۱۲۰۴)

"تامس کارلائل" انگریزی مورخ و فلسفی علیؑ کی تاریخی شخصیت و عظمت کی گرہ کشائی اس طرح کرتا ہے۔

"لیکن علیؑ ... ہمارے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کہ ہم انہیں دوست رکھیں اور ان سے عشق کی حد تک محبت کریں کیونکہ وہ ایسے عالیقدر و عظیم الشان جوانمرد تھے جن کے سرچشمہ وجود سے نیکیاں اچھائیاں اور خوبیاں جوش مارتی ابلتی تھیں اور ان کے دل سے جوش و شجاعت عیاں تھی جو مہربانی و پاکیزگی کا پہلو لیے ہوئے اور انسانی نرم و نازک جذبات شفقت اور مروت و نرم دلی سے بھرپور و معمور تھی۔"

ایک اور حوالہ

"وہ مسجد کوفہ میں حالت نماز میں شہید ہوئے اور دشمن کے حیلہ و مکرو فریب کے نتیجہ میں جام شہادت نوش کیا یہ آپ کے عدل و انصاف میں شدت ہی تھی جس کا تسلسل (منافقت کے ہاتھوں) اس جرم کا باعث بنا کیونکہ آپ ہر شخص کو اپنی طرح عادل سمجھتے تھے، جس وقت کہ آپ بستر مرگ پر تڑپ رہے تھے کسی نے آپ کے قاتل کے بارے میں (سزا کے متعلق) پوچھا تو آپ نے جواب میں فرمایا "اگر میں

زندہ رہ گیا تو میں جانتا ہوں کہ اس کے ساتھ کیا کروں گا لیکن اگر میں اس زخم سے جانبر نہ ہو سکا تو یہ مسئلہ تمہارے اختیار میں ہے لیکن اگر تم قصاص لینا چاہو تو اس کی ایک ضرب شمشیر کے بدلے تم بھی اس پر فقط ایک ہی وار کرنا لیکن اگر تم اسے معاف کردو تو یہ تقویٰ سے نزدیک تر ہو گا۔"

(الامام علی بن ابی طالب۔ عبدالفتاح مقصود ص ۱۵)

"بارون کارادوو" فرانسیسی مورخ و محقق ایک مستند و تحقیقی کتاب میں شیعوں کے پہلے امام اور تاریخ الکلام کے عظیم اور بے مثل مجاہد کے متعلق اس طرح رقمطراز ہے۔

"علیؑ وہ شجاع بے نظیر اور دلیر بے مثال اور نڈر و بے باک شہسوار میدان شجاعت تھے جو پیغمبر اسلام کے پہلو بہ پہلو دشمنوں سے جنگ کرتے تھے اور ایسے پسندیدہ و مثال معجزہ کام سرانجام دیتے تھے جن کو تاریخ میں نہایت شان و عظمت کے ساتھ یاد کیا جاتا ہے۔"

آپ نے معرکہ جنگ بدر میں جبکہ آپ ایک بیس سالہ جوان تھے اپنے توانا بازو کی طاقت سے شمشیر آبدار کی صرف ایک ضرب سے سرداران قریش میں سے ایک شخص کے جو خود بھی بڑا تنومند و مشہور پہلوان تھا' دو ٹکڑے کر دیئے جنگ احد میں پیغمبر ﷺ کی تلوار ہاتھ میں لی اور (پھر اس طرح جنگ کی کہ) تلوار کے ایک ایک وار میں کتنے ہی زرہوں اور جوشنوں کو جسموں پر چاک و شگافتہ کر دیا اور خیبر میں یہودیوں کے قلعوں پر حملہ کے موقع پر قلعہ کے آہنی اور بے حد سنگین دروازہ کو ایک ہاتھ سے اکھاڑ لیا اور اسے اپنے سر پر سپر بنالیا۔"

"پیغمبر ﷺ اسلام آپ کو بہت دوست رکھتے اور آپ پر کامل اعتماد و بھروسہ رکھتے تھے یہاں تک کہ ایک روز اس حالت میں کہ نگاہیں آپ کی طرف جمی ہوئی تھیں فرمایا۔ "من کنت مولاہ فعلی مولاہ" (ہر وہ شخص جس کا میں مولیٰ ہوں علیؑ اس کا مولیٰ ہیں)

(الامام علیؑ ص ۱۶)

"گابریل دانگیری" مشہور فرانسیسی محقق و مورخ اپنی تحقیقی و گراں قدر کتاب میں بڑے پُرجوش و ہیجان انداز اور طوفان خیز جذبات قلبی اور ایک خاص بشاشت و شگفتگی کے ساتھ امامؑ کی شخصیت کی عظمت و بزرگی کے متعلق اس طرح لکھتا ہے۔

"علیؑ زبردست خطیب' قادر الکلام انشا پرداز اور عظیم القدر قاضی تھے جو

نظریات کے سب سے پہلے بنیاد رکھنے والوں کی صف میں ایک بہت بلند مقام رکھتے ہیں' جس نظریہ کی بنیاد آپ نے رکھی ہے وہ اپنی صراحت و روشنی اور اپنے استحکام کے لحاظ سے نیز ترقی و تجدد اور حرکت و بیداری کی طرف اپنے نمایاں میلان و رجحان کے لحاظ سے ایک فوق العادہ امتیاز رکھتا ہے۔"

علیؓ کی شخصیت دو ایسی ممتاز اور نمایاں خاصیتوں کی حامل ہے جو تاریخ کے بہادروں اور سورماؤں میں سے کسی ایک میں بھی نہیں پائی جاتیں۔

پہلی خاصیت یہ ہے کہ علیؓ شجاعت و امامت دونوں کے حامل تھے جہاں آپ ناقابل شکست و ہزیمت جنگی سپہ سالار تھے عین اسی حالت میں علوم الٰہی کے زبردست عالم و دانشمند اور صدر اسلام کے فصیح ترین خطیبوں میں بھی شمار ہوتے ہیں۔

دوسری خاصیت یہ ہے کہ علیؓ کو عین اس حالت میں کہ سنی یا شیعی مذاہب میں مسلمانوں کی طرف سے اسلام کے بزرگ ترین قابل فخر اشخاص میں سے ایک شخصیت ہونے کی حیثیت سے دونوں کے نزدیک مدح و ستائش و تکریم و تعظیم کا مقام حاصل ہے' بغیر اس کے کہ آپ نے خود چاہا ہو' تمام مذاہب اور تمام فرقے جو آج تک مسلمان قوم کے درمیان تفرقہ اور جدائی ڈال رہے ہیں یہ سب کے سب بھی آپ کو اپنا پیشوا تسلیم کرتے ہیں۔ چنانچہ اہل سنت کی مساجد کے کتبوں پر پیغمبر ﷺ اور ابوبکرؓ و عمرؓ کے ناموں کے پہلو میں علیؓ کا نام بھی ثبت نظر آتا ہے' اور شیعوں کی محرابوں کی دیوار پر بھی پیغمبر ﷺ کے نام کے بعد علیؓ کا نام نقش ہوتا ہے۔"

(شہسوار اسلام ص ۱۳۹)

"نرسیسیان" جو چند سال قبل بغداد میں برطانوی سفارت خانہ میں مامور اطلاعات تھا اور خود بھی مسیحی دنیا کے فاضلوں اور مفکروں اور مشہور سیاست دانوں میں شمار کیا جاتا ہے' حضرت علیؓ کے بارے میں کہتا ہے۔

"اگر یہ عظیم خطیب علیؓ بن ابی طالب ہمارے زمانہ میں موجود ہوتے اور آج بھی مسجد کوفہ کے منبر پر قدم رکھ دیتے تو تم دیکھ لیتے کہ مسجد کوفہ اتنی طویل و عریض ہونے کے باوجود یورپ کے سرداروں اور بزرگوں (علماء و فضلا مسیحی) سے چھلک جاتی اس لیے کہ سب کے سب یہاں حاضر ہوتے تاکہ آپ کے علم و دانش کے بحر

مواج سے اپنی روحوں کو سیراب کریں۔" (ماہو نہج البلاغہ ص ۳)

"سلیمان کتانی" مسیحی مورخ نے مدت ہائے دراز تک اپنی عمر کے بہترین برسوں کو اس حریت کے عظیم علمبردار کی زندگی کے بارے میں تحقیق کرنے اور آپ کی یگانہ شخصیت کے پہچاننے اور پہنچوانے کے لیے وقف کر دیا تھا' اس نے ایک بیش قیمت کتاب امام علیؑ بن ابی طالب کی مدح و ستائش میں "الامام علیؑ" کے نام سے لکھی ہے اور اپنی اس کتاب کو تاریخی و تحقیقی اعتبار سے قیمتی ہونے کے علاوہ ایک ادبی شاہکار ہونے کی حیثیت سے بھی ہمارے اس زمانہ کی منظر کشی کی خوبصورت ترین شکل میں پیش کیا ہے' چنانچہ ادبیات عرب کے ماہروں فاضل ہنرمندوں' دانشمند ادیبوں اور اس فن میں خاص مہارت و استعداد رکھنے والوں کے سوا کسی میں دم نہیں ہے کہ اس کتاب کے رازوں کو کماحقہ' سمجھ سکے اور اس کے بلند و لطیف معانی کی گہرائیوں تک جیسا چاہیے پہنچ سکے۔

ہم یہاں اس کتاب کا ایک جملہ بطور سند و شاہد پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں جو اس مقالہ کا حسن خاتمہ بھی ہوگا۔

"سخن گفتن دربارۂ امام علیؑ از نظر قرب معنوی کمتر از ایستادن در محراب عبادت نیست"

(امام علیؑ بن ابی طالب کے بارے میں ذکر و گفتگو کرنا (ذات الہی سے) قرب معنوی کے لحاظ سے محراب عبادت میں کھڑے ہونے سے کسی طرح کم نہیں ہے)

غدیر خم --- علیؑ بن ابی طالب کی فضیلت' لیاقت و قابلیت کو منوانے کا دن ---- اس روز پیغمبر ﷺ گرامی قدر اسلام نے اپنی زندگی کے آخری سفر سے مدینہ واپس آتے ہوئے ایک شخصیت کو رہبر و جانشین و ولی امر کے عنوان سے مجمع حجاج کے سامنے معرفی اور شناسائی کے لیے پیش کیا جو ہر لحاظ سے ولایت و سرپرستی امت اسلامی کے لیے لیاقت و شائستگی کی حامل تھی۔

علیؑ وہ نمایاں شخصیت جو ولایت امر الہی کے عہدۂ جلیلہ پر فائز ہونے کے حقدار قرار پائے' آپ کا وجود اسلام کی گرانقدر تعلیمات حد کمال تک پہنچانے والا ایک سراپا نمونہ تھا اور خود آپ ایک مرد جانباز و فداکار اور اصول اساسی اسلام کے بنیان گداز تھے۔

آپ نے راہ اسلام اور مرحلہ آزادی و کمال اور اجتماعی و اقتصادی و علمی و ثقافتی عدالت کے قیام کے سلسلہ میں وہ سرسختی کے ساتھ مبارزات و مجاہدات انجام دیئے تھے کہ

مستکبرین و بزرگان قریش کے دل پر خون اور شدید کینہ سے مملو تھے اور وہ لوگ ہرگز یہ نہیں چاہتے تھے کہ آپ کی الٰہی و آسمانی حکومت عدل کے زیر سایہ رہ جائیں۔

علیؓ کا جانشین پیغمبر ﷺ اور احکام الٰہی کے محافظ اور نافذ کنندہ کے عنوان سے انتخاب وراثت کی بنیاد پر یا جذبہ خاندانی کی بناء پر یا سیاسی و اقتصادی اسباب کی بنا پر نہیں ہوا تھا بلکہ حکم الٰہی کے اور آسمانی امر لازم الاجراء کے علاوہ فضیلت و لیاقت کی اساس اور علم و تقویٰ و شائستگی کی بنیاد پر عمل میں آیا تھا اور اس بنا پر آپ کا انتخاب ہوا تھا کہ آپ ایمان و اخلاص کا مکمل نمونہ اور عدالت و مساوات و اخوت کے مظہر کامل تھے۔

سودۂ ہمدانی ایک مجاہد و دلیر خاتون علیؓ کے ایک سخت ترین دشمن کے سامنے امامؓ کی طرف سے دفاع اور امامؓ کی مدح و توصیف ایسے انداز سے کرتی ہیں جس سے آپ کے اخلاق کریمہ کے ایک گوشہ کی نشاندہی ہوتی ہے۔

"درود الٰہی اس روح پاک و طاہر پر ہو کہ زمین نے جسے اپنے سینہ میں چھپا لیا اور اس کے ساتھ ہی عدالت و انصاف وری بھی دفن ہوگئی۔"

آپ نے حق و حقیقت کے ساتھ وفاداری کا عہد و پیان باندھا تھا اور عہد کر لیا تھا کہ حق کی جگہ پر یا اس کے عوض میں کسی دوسری چیز کو ہرگز اختیار نہیں کریں گے' آپ کا وجود از سرتاپا ایمان و حق طلبی و حقیقت خواہی سے معمور و سرشار تھا۔

علیؓ کا سراسر وجود' علیؓ کی تاریخ و سیرت' علیؓ کی عادت و خصلت اور علیؓ کی بات و گفتگو سب درس ہے' مشق ہے' تعلیم ہے اور رہبری۔ (جاذبہ و دافعہ علیؓ از استاد مطہریؒ ص ۹۱)

یہ مختصری عبارت استاد مطہری جیسی دانشمند شخصیت کی ہے جنہوں نے اپنی عمر کے سالہا سال علیؓ کی راہ میں' علیؓ کے نظریات کی اشاعت اور اس کی طرف سے دفاع کرنے میں اور علوم علیؓ کے نشر کرنے میں صرف کیئے ہیں یہاں تک کہ اپنی جان عزیز بھی اسی راہ میں قربان کر دی اور حکومت عدل علوی کے قائم کرنے کی راہ میں جام شہادت نوش کیا اور درجہ عالیہ شہادت پر فائز ہوئے۔

امام علیؓ امت اسلامی کے سچے رہنما اور حقیقی رہبر اور ان مسلمانوں کی زندگی کے لائحہ عمل کی سرنوشت کے متعین کرنے والے ہیں جو چاہتے ہیں کہ صراط مستقیم الٰہی پر گامزن ہو جائیں اور بین الاقوامی اور جہانی میدان میں اپنی اصلیت و حیثیت و واقعیت کو محفوظ رکھیں بغیر اس کے کہ دنیا کی دوسری قوموں سے کسی قسم کی روحی' فکری علمی و نظریاتی و اقتصادی

وابستگی کے محتاج ہوں۔

علیؑ اور مکتب علیؑ سے دوستی اور محبت کا تقاضا یہ ہے کہ آپ کے مکتب کے مطابق عمل کرنے والے اور آپ کے راستے اور طریقہ پر چلنے والے اس راہ میں ایسے قدم اٹھائیں جیسے آپ اٹھاتے تھے اور اس طرح سوچیں جس طرح آپ سوچتے تھے اور مقصد کی راہ میں اور اس کے حصول کے لیے اس طرح فعالیت کی تلاش اور کوشش کریں جس طرح آپؑ انجام دیتے تھے۔

ڈاکٹر اسرار احمد

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

صحابہ کرام کی مقدس و محترم جماعت میں حضرت علی مرتضیٰ ﷺ جامع الصفات شخصیت کے حامل ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ میں صدیقیت اور شہادت کے دوگانہ اوصاف بیک وقت موجود تھے۔ گویا حضور ﷺ کی شخصیت کا عکس کامل حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ذات میں پوری جامعیت کے ساتھ جلوہ گر نظر آتا ہے۔

شاہکار رسالت

ابتدائی عمر ہی سے آپ رضی اللہ عنہ کو حضور ﷺ کی تربیت میں پرورش پانے کا موقع ملا۔ پھر ایمان لانے کے بعد سے لے کر ہجرت تک اور ہجرت کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح تک آپ حضور ﷺ کے گھر میں رہے۔ گویا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شخصیت شاہکار رسالت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

مکی دور میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے متعلق صرف چند واقعات روایات میں آتے ہیں کیونکہ اس وقت آپؓ رضی اللہ عنہ کی عمر بہت چھوٹی تھی اگرچہ نوعیت کے اعتبار سے یہ واقعات قائم ہیں۔ پہلا واقعہ تیرہ برس کی عمر میں پیش آیا جب حضور ﷺ نے حکم خداوندی کی تعمیل میں بنو ہاشم کے لیے کھانے کی دعوت کا اہتمام کیا تاکہ آپ انہیں اسلام کی دعوت دیں۔ اس کے جواب میں بنو ہاشم میں سے کھڑا ہوا تو کون؟ ایک تیرہ سالہ بچہ علی بن ابی طالب۔ اس

موقع پر ان کی زبان سے تاریخی جملے نکلے۔ ذرا چشم تصور سے دیکھیے کہ رسول ﷺ اپنے خاندان کو اللہ کی طرف بلا رہے ہیں اور حاضرین میں سے کسی کے کان پر جوں تک نہیں رینگی۔ تیرہ برس کا ایک بچہ کھڑا ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ "اگرچہ میں عمر میں سب سے چھوٹا ہوں، اگرچہ میری آنکھیں دکھتی ہیں، اگرچہ میری ٹانگیں پتلی ہیں لیکن میں آپ ﷺ کا ساتھ دوں گا۔" اور تمام لوگ قہقہہ لگا کر دلوں میں یہ کہتے ہوئے چلے گئے کہ یہ ہیں جو دنیا کی تاریخ کا رخ بدلنے کے لیے کھڑے ہوئے ہیں اور یہ تیرہ سالہ بچہ ہے جو ان ﷺ کی مدد اور اعانت کے لیے خود کو پیش کر رہا ہے۔

دوسرا اہم واقعہ ہجرت کی رات حضور ﷺ نے لوگوں کی وہ امانتیں جو آپ ﷺ کے پاس تھیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کیں اور ان کو اپنی جگہ اپنے بستر پر لیٹنے کی ہدایت فرما کر ہجرت کے ارادے سے روانہ ہوئے۔ اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عمر بائیس تیئس برس کے قریب تھی۔ رات بھر دشمنان خدا و رسول ﷺ کا محاصرہ رہا۔ اس خطرہ کی حالت میں بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ نہایت سکون و اطمینان کے ساتھ محو خواب رہے۔ یہ بھی آپ رضی اللہ عنہ کی چھپی ہوئی شجاعت کا ایک مظہر ہے۔

تحمل اور خوف خدا

رسول اللہ ﷺ کا فرمان مبارک ہے کہ "قوی (پہلوان) وہ نہیں جو مقابل کو پچھاڑ لے بلکہ (حقیقی) قوی اور پہلوان وہ ہے جو غصہ اور غیظ کی حالت میں اپنے نفس کو قابو میں رکھے۔" نبی اکرم ﷺ کے اس ارشاد گرامی کی کامل تعمیل سیرت علی رضی اللہ عنہ میں نظر آتی ہے۔ کسی شخص کی ذاتی توہین و تذلیل کی جو مذموم حرکتیں دنیا میں رائج ہیں، ان میں دو نہایت گھناؤنی ہیں۔ ایک یہ کہ کسی کو ماں بہن کی گالی دی جائے اور ایک یہ کہ اس کے منہ پر تھوک دیا جائے۔ ان حرکتوں پر کمزور شخص بھی غصہ سے مغلوب ہو کر کانپنے لگتا ہے، اس کے جسم کا سارا خون اس کے چہرے پر آ جاتا ہے، محسوس ہوتا ہے کہ اگر اس کا بس چلے تو تذلیل کرنے والے کی تکابوٹی کر دے گا۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ایسے مواقع پر کسی قوی شخص کے جذبات کا عالم کیا ہو گا! آخر الذکر صورت کا ایک واقعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ پیش آیا۔ ایک غزوہ میں آنجناب رضی اللہ عنہ نے ایک کافر کو پچھاڑ لیا اور آپ رضی اللہ عنہ تلوار سے اس کا سر قلم کرنے کے لیے آمادہ تھے کہ اس نے لیٹے لیٹے آپ رضی اللہ عنہ کے منہ پر تھوک دیا۔ آپ رضی اللہ عنہ اس توہین و تذلیل پر برافروختہ ہونے کی بجائے اس کو چھوڑ کر الگ

کھڑے ہو گئے۔ کافر حیران و پریشان اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے آپ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ میں نے تو یہ سمجھ کر کہ مجھے تو قتل ہونا ہے ہی' یہ مذموم حرکت کی تھی لیکن آپ رضی اللہ عنہ نے مجھے چھوڑ دیا؟ آپ رضی اللہ عنہ نے اسے جواب دیا کہ میری تم سے کوئی ذاتی دشمنی نہیں تھی۔ میں فی سبیل اللہ تم سے لڑ رہا تھا اور اسی لیے تمہیں قتل کرنا چاہتا تھا لیکن جب تم نے میرے منہ پر تھوکا تو اس کے ردعمل میں تمہارے خلاف میرے دل میں شدید غیظ و غضب پیدا ہوا۔ ساتھ ہی مجھے اللہ کا خوف آیا کہ اگر اس موقع پر میں تمہیں قتل کر دوں تو ہو سکتا ہے کہ تمہارا یہ قتل اللہ کے نزدیک اس کی راہ میں قتل شمار نہ ہو بلکہ میرے ذاتی غصہ کے انتقام میں شمار ہو گا اس لیے میں نے تمہارے قتل سے ہاتھ روک لیا۔ یہ ہے تحمل' خشیت الٰہی اور حقیقی شجاعت کا عملی نمونہ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شخصیت میں پوری طرح جلوہ گر نظر آتا ہے۔

عدل و انصاف اور تفقہ فی الدین

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خصوصی مناقب بیان ہوئے ہیں۔ خطبات جمعہ میں خطیب حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمائے ہوئے ان مناقب کو بیان کرتے ہیں کہ میری امت میں' میری امت کے حق میں سب سے زیادہ رحیم و شفیق ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔ امت میں اللہ کے احکام کے بارے میں سب سے زیادہ سخت' سب سے زیادہ شدید عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔ امت میں سب سے زیادہ حیادار عثمان رضی اللہ عنہ ہیں اور امت میں سب سے بہتر فیصلہ کرنے والے علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں کئی مواقع پر مقدمات کے فیصلے کی ذمہ داری حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمائی۔

جب اہل یمن نے اسلام قبول کیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں کے عہدہ قضا کے لیے آپ رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں نئے نئے مقدمات پیش ہوں گے اور مجھے قضا کا تجربہ اور علم نہیں۔ لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ جوہر شناس آپ رضی اللہ عنہ کی پوشیدہ صلاحیتوں کو جانتی تھی لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ رضی اللہ عنہ کو تسلی دی کہ "اللہ تعالیٰ تمہارے دل کو ثبات و استقلال بخشے گا' تمہاری زبان کو حق بات کہنے کی سعادت عطا فرمائے گا اور صحیح فیصلے کرنے میں تمہاری نصرت فرمائے گا۔"

اس تسلی کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ رضی اللہ عنہ کو قضا و فصل مقدمات کے لیے ہدایات بھی دیں۔ مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا علی رضی اللہ عنہ جب تم دو آدمیوں کا جھگڑا چکانے لگو تو اپنے فیصلہ کو اس وقت تک روکے رکھو جب تک دونوں فریقوں کے بیان اور ضروری شہادتوں کو

نہ سن لو اور حقیقت معلوم کرنے لیے ان سے خوب جرح نہ کرلو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی اور ہدایت کے بعد پھر مجھے مقدمات کے فیصلوں میں کبھی تذبذب نہیں ہوا۔ یمن کے قیام کے دوران آپ رضی اللہ عنہ نے بعض عجیب و غریت مقدمات کا فیصلہ اپنی فراست سے فرمایا۔ ان فیصلوں میں سے بعض کو حجتہ الوداع کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بطور اپیل پیش کیا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فیصلے کو سن کر تبسم فرمایا اور ان کو برقرار رکھا۔ بحیثیت خلیفہ راشد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فیصلے چونکہ قانون شریعت میں نظائر کی حیثیت رکھتے ہیں' اس لیے اہل علم نے ان کو تحریری صورت میں مدون بھی کیا۔ آنجناب رضی اللہ عنہ کے بعض فیصلوں سے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے اپنی فقہ میں استنباط کیا ہے۔

تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہ اس بات کو تسلیم کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مقدمات و منقشات اور تنازعات و خصومات کے فیصلوں اور قضاء کی خصوصی صلاحیت عطا فرمائی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے۔ "ہم میں مقدمات کے فیصلے کے لیے سب سے زیادہ موزوں علی رضی اللہ عنہ ہیں اور قرآن کے سب سے بڑے قاری ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ہیں۔" اسی طرح فقیہ الامت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ تمام صحابہ کہا کرتے تھے کہ مدینہ والوں میں سب سے زیادہ صحیح فیصلہ کرنے والے حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ بڑے بڑے صحابہ یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کو بھی بعض اوقات حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا۔ مسند احمد میں مروی ہے کہ کسی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ وضو کے بعد کتنے دن تک موزوں پر مسح کیا جا سکتا ہے۔ انہوں نے فرمایا علی رضی اللہ عنہ سے معلوم کرو' کیونکہ وہ سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا کرتے تھے۔

جس زمانہ میں آپ رضی اللہ عنہ کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے اختلاف چل رہا تھا' اس زمانے میں بھی ایک دفعہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے خط لکھ کر ایک مسئلہ دریافت کیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے مسکرا کر فرمایا کہ خدا کا شکر ہے کہ ہمارے مخالفین بھی تفقہ فی الدین میں ہماری طرف رجوع کرتے ہیں اور مسئلہ کا جواب بھجوا دیا' جس کے مطابق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے عمل کیا۔

زہد و قناعت

اگر یہ کہا جائے تو غلط نہیں ہو گا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ذات پر وہ زہد ختم ہو گیا جس کا پیکر کامل محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ تھی۔ بچپن میں پچیس برس کی عمر تک حضرت علی

رضی اللہ عنہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پرتو اور عکس آپ رضی اللہ عنہ کی شخصیت میں پیدا ہونا لازمی تھا۔ لہٰذا آپ رضی اللہ عنہ کی زندگی میں دنیوی عیش و آرام کا کیا سوال! حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ رشتہ ازدواج قائم ہوا تو الگ مکان میں رہے۔ اس گھریلو زندگی کی آسائشوں کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ رضی اللہ عنہ کی زرہ فروخت کر کے گھر گرہستی کے لیے جو سامان خرید کر دیا تھا عمر بھر اس میں کوئی اضافہ نہ ہو سکا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاتھوں میں چکی پیستے پیستے گٹے پڑ گئے تھے۔ بخاری شریف کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لخت جگر رضی اللہ عنہا اور آپ رضی اللہ عنہ نے مل کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک کنیز یا غلام دینے کی درخواست کی۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں تم کو اس سے بہتر چیز نہ بتا دوں؟ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم دونوں جب رات کو سونے لگو تو 33 بار تسبیح، 33 بار تحمید اور 34 بار تکبیر کہہ لیا کرو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس وقت سے اب تک میں نے اس تسبیح کو کبھی ترک نہیں کیا۔ کسی نے پوچھا کیا جنگ صفین کی شب میں بھی نہیں؟ فرمایا کہ "ہاں صفین میں بھی نہیں۔"

فقر و درویشی کا یہ عالم تھا کہ ہفتوں گھر میں چولہے کا دھواں نہیں اٹھتا تھا۔ بھوک کی شدت ستاتی تو پیٹ پر پتھر باندھ لیتے۔ عہد فاروقی میں جب آپ رضی اللہ عنہ کا وظیفہ مقرر ہوا تو آپ اپنی ضروریات کے بقدر رکھ کر باقی سارا مال اللہ کی راہ میں دے دیتے۔ عہد خلافت میں بھی آپ کے زہد میں کوئی فرق نہیں آیا۔ موٹا جھوٹا لباس اور روکھا پھیکا کھانا آپ رضی اللہ عنہ کے لیے دنیا کی سب سے بڑی نعمت تھی۔ مسند احمد ہی کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ ایک مہمان شریک طعام تھے، انہوں نے معمولی اور سادہ کھانا دیکھ کر کہا، امیر المومنین رضی اللہ عنہ! بیت المال میں اللہ کے فضل سے مال و اسباب کی کافی بہتات ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا۔ "خلیفہ وقت کو مسلمانوں کے مال میں صرف اتنا حق ہے کہ سادگی کے ساتھ خود کھائے اور اپنے اہل و عیال کو کھلائے، بقیہ سارا مال خلق خدا کے لیے ہے۔" دور خلافت میں جب تک مدینہ میں قیام رہا آپ رضی اللہ عنہ کی رہائش اپنے مٹی اور گارے سے بنے ہوئے حجرے میں ہی رہی۔ جب دارالخلافہ کوفہ منتقل کیا تو دارالامارت میں قیام کی بجائے ایک میدان میں سادہ خیمہ لگوا کر اس میں قیام کیا اور فرمایا کہ "عمر رضی اللہ عنہ نے ہمیشہ محلات کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا ہے، مجھے بھی اس کی حاجت نہیں، میرے لیے میدان میں خیمہ کافی ہے۔" پھر خیمہ پر نہ کوئی دربان تھا نہ کوئی حاجب۔ خلیفہ وقت ایک معمولی غریب آدمی کی طرح زندگی بسر کرتے تھے۔

فیاضی اور داد و دہش کا یہ عالم تھا کہ دور خلافت میں آپ عموماً بیت المال کا سارا مال تقسیم کر کے جھاڑو پھیر دیا کرتے اور دو رکعت نماز شکرانے کے طور پر ادا فرماتے۔ ازالۃ الخفا میں شاہ ولی اللہ نے لکھا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں ایک دفعہ خطبہ دیتے ہوئے فرمایا۔ "میری تلوار کون خرید تا ہے؟ واللہ اگر میرے پاس تہمد کی قیمت ہوتی (جس کی مجھے اشد ضرورت ہے) تو اس کو فروخت نہ کرتا۔" ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا۔ "امیرالمومنین میں آپ رضی اللہ عنہ کو تہمد کی قیمت بطور قرض دیتا ہوں۔"

صحیح بخاری میں روایت ہے کہ سورۃ الدہر کی یہ آیت ویطعمون الطعام علی حبہ مسکینا و یتیما و اسیرا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زہد اور انفاق و ایثار کی ستائش کے طور پر نازل ہوئی۔ ایک دفعہ آپ رضی اللہ عنہ نے رات بھر ایک باغ کو سینچ کر مزدوری میں تھوڑے سے جو حاصل کیے۔ صبح ان کا ایک تہائی حصہ پسا کر حریرہ پکوانے کا انتظام کیا۔ ابھی تیار ہی ہوا تھا کہ ایک مسکین نے صدا لگائی' آپ رضی اللہ عنہ نے سارا حریرہ اٹھا کر اسے دے دیا۔ پھر بقیہ میں سے دوسرے ثلث کے پکوانے کا انتظام کیا لیکن جیسے ہی وہ تیار ہوا ایک مسکین یتیم نے دست سوال بڑھایا' آپ رضی اللہ عنہ نے یہ اس کی نذر کر دیا۔ اب جو تیسرا حصہ بچا تھا وہ پکنے کے بعد ایک مشرک قیدی کے سوال پر اس کو دے دیا گیا اور اس اللہ کے بندے نے رات بھر کی مشقت سے کمائی ہوئی پونجی اللہ کی راہ میں دے کر خود فاقہ کیا اور آپ کے اہل و عیال بھی دن بھر فاقہ سے رہے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے پاس دنیوی دولت نہ تھی لیکن دل اتنا غنی تھا کہ شاید ہی کوئی سائل کبھی آپ رضی اللہ عنہ کے در سے خالی ہاتھ گیا ہو۔

سادگی اور تواضع

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں تمام سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ سادگی اور تواضع آپ رضی اللہ عنہ کی دستار فضیلت کا خوش نما طرہ تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ اپنے ہاتھ سے محنت و مزدوری کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے تھے۔ لوگ مسائل پوچھنے آتے تو آپ کو کبھی جوتے ٹانکتے' کبھی اونٹ چراتے اور کبھی زمین کھودتے ہوئے پاتے۔ مزاج میں سادگی کا یہ عالم تھا کہ فرش خاک پر بے تکلف سو جاتے۔ ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آپ رضی اللہ عنہ کو ڈھونڈتے ہوئے مسجد میں تشریف لائے تو دیکھا کہ آپ رضی اللہ عنہ زمین پر بے تکلفی سے سو رہے ہیں' چادر جسم سے سرکنے سے جسم غبار آلود ہو گیا ہے۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے آپ رضی اللہ عنہ کا بدن صاف کیا اور نہایت محبت بھرے لہجے میں اجلس یا ابا تراب (اے

مٹی والے اب اٹھ بیٹھو) حضور ﷺ کی عطا کردہ یہ کنیت آپ رضی اللہ عنہ کو اتنی عزیز تھی کہ جب کوئی آپ رضی اللہ عنہ کو "یا ابا تراب" کہہ کر مخاطب کرتا تو خوشی کے مارے چہرہ دمک اٹھتا اور ہونٹوں پر تبسم کی لہر آجاتی۔ عہد خلافت میں بھی یہ سادگی قائم رہی۔ معمولی لباس میں بازار کا گشت کرتے۔ اگر کوئی شخص پیچھے پیچھے چلتا یا آپ رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر کھڑا ہو جاتا تو منع فرماتے کہ اس میں والی کے لیے فتنہ اور مومن کے لیے ذلت ہے۔

احساس بندگی اور تقویٰ

حضرت جنید بغدادیؒ کا قول ہے کہ عبادت و ریاضت اور آزمائش و امتحان میں ہمارے شیخ الشیوخ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہیں۔ شاہ ولی اللہ نے ازالتہ الخفا میں لکھا ہے کہ چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضور ﷺ کی صحبت میں رہنے کا طویل ترین موقع ملا تھا اس لیے تقویٰ اور نفلی عبادت میں بھی آپ کو ایک خاص مقام حاصل تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ کی نماز میں خشوع خضوع کی یہ کیفیت ہوتی تھی کہ دوران نماز بید کی چھڑی کی طرح لرزتے تھے۔ یہ عجیب واقعہ بھی ملتا ہے کہ ایک جنگ میں آپ رضی اللہ عنہ کے جسم میں تیر پیوست ہو گیا۔ لوگوں نے تیر کھینچنے کی کوشش کی لیکن وہ نہ نکل سکا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نفل نماز شروع کرتا ہوں' اس حالت میں نکالنے کی کوشش کرنا۔ روایات میں آتا ہے کہ نماز میں آپ کا جسم اتنا نرم پڑ گیا کہ تیر آسانی سے نکل آیا اور آپ رضی اللہ عنہ کو تکلیف کا احساس تک نہ ہوا۔

علم و فضل اور حکمت

آپ رضی اللہ عنہ کے متعلق جامع ترمذی میں حضور ﷺ کا ارشاد بھی ملتا ہے کہ انا مدینتہ العلم و علی بابھا (میں ﷺ علم کا شہر ہوں اور علی رضی اللہ عنہ اس کا دروازہ ہے) اسلام کے علوم و معارف کا سرچشمہ قرآن مجید ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اس سرچشمہ سے پوری طرح سیرابی حاصل کی۔ آپ رضی اللہ عنہ نہ صرف قرآن کے حافظ و قاری تھے بلکہ علوم قرآنی سے بھی آپ کو خصوصی شغف تھا۔ بالخصوص آیات کے شان نزول کے علم میں آپ گہری دلچسپی رکھتے تھے۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ کا شمار قرآن کے مفسرین کے اعلیٰ ترین طبقہ میں ہوتا ہے۔ قرآن مجید سے مسائل کے استنباط میں آپ رضی اللہ عنہ کو ید طولیٰ حاصل تھا۔ خوارج نے تحکیم کے مسئلہ میں فتنہ اٹھایا' تو آپ رضی اللہ عنہ نے بہت سے حفاظ قرآن اور علماء کو جمع کر کے خوارج کے اہم افراد کی موجودگی میں ان سے دریافت فرمایا کہ اگر میاں بیوی میں

اختلاف ہو تو اللہ نے حکم بنانے کی اجازت دی ہے کہ نہیں؟ لہٰذا جب امت کے دو گروہوں میں اختلاف ہو جائے تو حکم بنانا جائز ہو گیا یا نہیں؟ حفاظ و علماء نے آپ رضی اللہ عنہ کی تائید کی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بچپن ہی سے لکھنے پڑھنے کی تعلیم حاصل کر لی تھی۔ بعض دوسرے صحابہ کی طرح آپ رضی اللہ عنہ کا نام بھی کاتبان وحی میں شامل تھا۔ مزید یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جو مکاتب و فرامین لکھے جاتے تھے ان میں سے بعض کو تحریر کرنے کا شرف بھی آپ رضی اللہ عنہ کے حصے میں آیا۔ حدیبیہ کا صلح نامہ بھی آپ رضی اللہ عنہ ہی نے تحریر فرمایا تھا۔

نیابت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

دیگر صحابہ کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے تعلقات کے ذکر سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سیرت کا ایک اہم واقعہ ذہن میں تازہ کر لیا جائے۔ غزوہ تبوک کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے نائب کی حیثیت سے مدینہ میں رہنے کا حکم دیا مگر یہ بات حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مزاج سے بعید تھی کہ وہ شرکت جہاد سے محرومی کو گوارا کر لیں۔ پھر کچھ منافقین نے طعنہ زنی بھی کی۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے رنجیدہ ہو کر شکوہ کے انداز میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ لوگ اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے نکلیں، داد شجاعت دیں اور میں عورتوں، بوڑھوں اور مریضوں کی دیکھ بھال کے لیے مدینہ میں رہ جاؤں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس شکوہ آمیز التجا پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "اے علی! میرے ساتھ تمہارا وہی تعلق ہے جو ہارون کا موسیٰ علیہما السلام کے ساتھ تھا، سوائے اس کے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔"

نیابت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب بیت المقدس کی فتح کے موقع پر یروشلم تشریف لے گئے تو مدینہ میں اپنا نائب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بنا کر گئے۔ کیا کوئی حکمران ایک طویل سفر پر جاتے ہوئے اپنی جگہ کسی ایسے شخص کو اپنا قائم مقام بناتا ہے جس پر اسے اعتماد نہ ہو۔ مدینہ سے بیت المقدس کے فاصلے اور اس دور میں اونٹ کے سفر کی رفتار سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مدینہ سے غیر حاضری کوئی چند روز کی بات نہ تھی۔ دوسری مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب بنایا جب آپ رضی اللہ عنہ اپنے دور خلافت میں حج کے لیے تشریف لے گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عمل کرتے ہوئے حضرت

علی رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر فرمایا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں انتہائی تیزی کے ساتھ فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا! پورے پورے ملک یکے بعد دیگرے اسلامی ریاست میں شامل ہو رہے تھے' بڑی بڑی آبادیاں اپنے تمام وسائل و ذرائع اور وسیع و عریض اراضی سمیت اسلامی حکومت کے زیر نگیں آ رہی تھیں۔ اگر ان کا صحیح انتظام اور بندوبست نہ ہوتا تو بہت بڑی ہلاکت اور تباہی رونما ہوتی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ تاریخ کے صفحات پر ثبت ہیں کہ "اگر علی رضی اللہ عنہ نہ ہوتے تو عمر رضی اللہ عنہ ہلاک ہو جاتا۔" فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے یہ کیوں کہا؟ اس لیے کہ آپ رضی اللہ عنہ پر خلیفتہ المسلمین کی حیثیت سے بہت سی دوسری ذمہ داریاں تھیں' خاص طور پر فوجوں کا انتظام و انصرام' محاذوں سے آنے والی اطلاعات کی روشنی میں فوجوں کی مزید کمک اور سامان رسد کی فراہمی اور ترسیل کے انتظامات' وقتاً فوقتاً پیدا ہونے والے بحرانوں پر قابو پانے کی تدابیر پر غور و فکر اور انکے روبعمل لانے کے انتظامات' ان تمام امور کی انجام دہی میں آپ رضی اللہ عنہ مصروف و منہمک رہتے تھے۔ لہٰذا ریاست اسلامی کے داخلی انتظام کی ذمہ داری حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد تھی۔ گویا حضرت علی رضی اللہ عنہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے مشیر خاص تھے۔

خلافت فاروقی میں جس قدر حکومت کے انتظامی محکمے قائم ہوئے ان میں سے اکثر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فہم و فراست کے رہین منت ہیں۔

شعر و ادب اور فصاحت و بلاغت

حضرت علی رضی اللہ عنہ شعر و ادب میں بھی بڑا اونچا مقام رکھتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ فصاحت و بلاغت کی معراج پر تھے۔ عموماً جو لوگ شجاع اور مرد میدان ہوتے ہیں' ان میں شعر و ادب و فصاحت و بلاغت کا ذوق بہت کم ہوتا ہے لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ اس بحر کے بھی شناور ہیں۔ افصح العرب تو یقیناً جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا قول ہے انا افصح العرب لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خطابت' فصاحت و بلاغت اور شاعری میں صحابہ کرام میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سب سے بڑھ کر ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ عربی گرامر کے موجد اور علم نحو کے ماہر ہیں۔ آپ کے حکیمانہ اشعار دیکھیے ان میں کتنی بے ساختگی ہے۔

یغوص البحر من طلب اللآلی

ومن طلب العلی سہر اللیالی

ومن طلب العلی من غیر کد
اضاع العمر فی طلب المحال

ترجمہ: "جو کوئی موتی چاہتا ہے تو اسے سمندر میں غوطہ لگانا ہی پڑتا ہے۔ جو شخص زندگی میں کوئی اونچا مقام حاصل کرنا چاہتا ہے تو اسے راتوں کو جاگنا پڑتا ہے۔ جو کوئی بلندی بھی چاہے اور محنت نہ کرے وہ شخص اپنی عمر کو ایک محال شے کی طلب میں ضائع کر بیٹھتا ہے۔"

تقریر و خطابت

شاعری کے علاوہ تقریر و خطابت میں بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خداداد ملکہ حاصل تھا۔ مشکل سے مشکل مسائل اور موضوعات پر فی البدیہہ تقاریر فرماتے جو نہایت خطیبانہ' مدلل اور موثر ہوتی تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہ کے خطبات' اشعار اور حکیمانہ اقوال آج بھی "نہج البلاغہ" کے نام سے علماء کے لیے مینارہ نور کی حیثیت رکھتے ہیں۔

شیر خدا رضی اللہ عنہ کی شجاعت

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شخصیت میں کمال درجہ کی شجاعت اور بہادری تھی جو چھپی ہوئی نہیں بلکہ ظاہر و باہر اور نمایاں نظر آتی ہے' وہ شجاعت جو بدر میں ظاہر ہوئی جبکہ شیبہ اور ولید دونوں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں واصل جہنم ہوئے۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ کی تلوار نے بجلی کی طرح چمک کر اعدائے اسلام کے خرمن ہستی کو جلا دیا۔ غزوہ احد میں حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے شہید ہونے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر ان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے علم سنبھالا اور چند صحابیوں کے ساتھ مل کر ایسی بے جگری کے ساتھ لڑتے ہوئے مشرکین کا رخ پھیر دیا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف یلغار کر رہے تھے۔

غزوۂ خیبر کے موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے۔ خیبر میں یہودیوں کے سات قلعے تھے۔ چھ فتح ہو گئے لیکن آخری قلعہ قموص زیادہ سخت ثابت ہوا۔ پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کی تسخیر کے لیے مامور ہوئے لیکن کامیابی نہ ہوئی پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں کل ایک ایسے بہادر کو علم دوں گا جو خدا اور رسول کا محبوب ہے اور اس قلعہ کی فتح اسی کے لیے مقدر ہے۔ صبح ہوئی تو ہر جان نثار متمنی تھا کہ کاش اس فخر و شرف کا تاج اس کے سر کی زینت بنے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دفعتاً" حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پکارا۔ آپ رضی اللہ عنہ آشوب چشم میں مبتلا تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے علی

مرتضٰی رضی اللہ عنہ کی آنکھوں پر لعاب دہن لگایا جس سے آپ رضی اللہ عنہ کی تکلیف جاتی رہی۔ پھر علم مرحمت فرمایا۔ اس قلعہ کا سردار مرحب نامی یہودی تھا جو فنون حرب میں یکتا و یگانہ شمار ہوتا تھا' جسم کے لحاظ سے بھی بڑا لحیم و شحیم تھا۔ علم ہاتھ میں لینے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیا میں قلعہ والوں کو قتل کردوں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر یہ تاریخی جملے فرمائے۔ "نہیں علی رضی اللہ عنہ پہلے ان پر اسلام پیش کرو' کیونکہ تمہاری کوششوں سے اگر ایک شخص بھی مسلمان ہوگیا تو وہ تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے زیادہ بہتر ہے۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب قلعہ قموص کا محاصرہ کیا تو مرحب آہن پوش ہو کر ہتھیار سجا کر بڑے جوش و خروش کے ساتھ متکبرانہ انداز میں یہ رجز پڑھتا ہوا مبارزت کے لیے نکلا۔ "خیبر مجھے جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں' مسلح پوش' بہادر اور تجربہ کار ہوں۔ جب جنگ میرے سامنے آتی ہے تو بھڑک اٹھتی ہے۔" فاتح خیبر علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ نے جواب میں یہ رجز پڑھا۔ "میں وہ ہوں جس کا نام میری ماں نے حیدر رکھا ہے۔ جنگل کے شیر کی طرح مہیب اور ڈراؤنا۔ میں دشمنوں کو نہایت سرعت سے قتل کرتا ہوں۔" اور جھپٹ کر ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کردیا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ایک تاثر

مولانا معین الدین ندوی نے اپنی کتاب "خلفائے راشدین" میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دربار خلافت کا ایک عجیب واقعہ بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ دربار میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ضرار اسدی سے کہا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حامیوں میں رہے تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اوصاف بیان کرو۔ پہلے تو ضرار نے معذرت کی لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اصرار پر وہ بولے کہ اگر اصرار ہے تو سنئے۔

"وہ (حضرت علی رضی اللہ عنہ) بلند حوصلہ اور قوی تھے فیصلہ کن بات کہتے تھے' عادلانہ فیصلے کرتے تھے۔ ان کے ہر جانب علم کا چشمہ پھوٹتا تھا۔ ان کے تمام اطراف سے حکمت ٹپکتی تھی۔ دنیا کی دلفریبی اور شادابی سے وحشت کرتے اور رات کی وحشت ناکی سے انس رکھتے تھے۔ بڑے رونے والے اور بہت غور و فکر کرنے والے تھے' جب ہم ان سے سوال کرتے تھے تو وہ ہمارا جواب دیتے تھے اور جب ہم ان سے انتظار کی درخواست کرتے تو وہ ہمارا انتظار کرتے۔ اس کے باوجود کہ وہ اپنی خوش خلقی سے ہم کو اپنے قریب کرلیتے تھے اور خود ہم سے قریب ہو جاتے تھے'

خدا کی قسم ان کی ہیبت سے ہم ان سے گفتگو نہیں کر سکتے تھے۔ وہ اہل دین کی عزت کرتے تھے۔ غریبوں کو مقرب بناتے تھے۔ قوی کو اس کے باطن میں حرص و طمع کا موقع نہیں دیتے تھے۔ ان کے انصاف سے ضعیف ناامید نہیں ہوتا تھا۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ میں نے ان کو بعض معرکوں میں دیکھا کہ رات گزر چکی ہے' ستارے ڈوب چکے ہیں اور وہ اپنی داڑھی پکڑے ہوئے ایسے مضطرب ہیں جیسے مارگزیدہ مضطرب ہوتا ہے اور اس حالت میں وہ غمزدہ آدمی کی طرح رو رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے دنیا مجھ کو فریب نہ دے' دوسرے کو دے' تو مجھ سے چھیڑ چھاڑ کرتی ہے یا میری مشتاق ہوتی ہے' افسوس افسوس میں نے تجھ کو تین طلاقیں دے دی ہیں' جس سے رجعت نہیں۔ تیری عمر کم اور تیرا مقصد حقیر ہے۔ آہ زاد راہ کم اور سفر دور دراز کا ہے۔ راستہ وحشت خیز ہے۔"

یہ سن کر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ رو پڑے اور فرمایا۔ "اللہ تعالیٰ ابوالحسن یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ پر رحم کرے۔ خدا کی قسم وہ ایسے ہی تھے۔"

نذیر حق

شیر خدا سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ

شیر خدا حضرت علی ؓ ابن ابی طالب کے والد ماجد مکہ کے با اثر اور ذی وقار افراد میں شمار ہوتے تھے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنے دادا حضرت عبدالمطلب کی وفات کے بعد حضرت ابو طالب کی آغوش محبت میں پرورش پائی۔ حضرت ابو طالب حضور اکرم ﷺ کے حقیقی چچا تھے۔ انہوں نے ہی حضور ﷺ کو تجارت کے معزز پیشے سے روشناس کرایا۔ حضرت بی بی خدیجہ ؓ سے حضور نبی کریم ﷺ کے نکاح کا خطبہ بھی حضرت ابو طالب نے ہی پڑھا تھا۔ بعثت کے بعد جب حضور اکرم ﷺ نے اعلان نبوت ﷺ فرمایا تو انہوں نے قدم قدم پر آپ ﷺ کی حمایت کی اور دشمنوں کے ظلم و ستم سے آپ ﷺ کو بچائے رکھا۔ اللہ کے آخری رسول ﷺ کی حمایت کی پاداش میں جب کفار مکہ نے خاندان بنی ہاشم کو شعب ابی طالب میں تین سال محصور رکھا تو اس دوران بھی حضرت ابو طالب نے نہایت جوانمردی' استقلال' جرات اور دانش سے حالات کا مقابلہ کیا۔ تاہم آپ دم آخر تک اپنے آبائی دین پر ہی قائم رہے۔ حضرت علی ؓ کی والدہ محترمہ حضرت فاطمہ ؓ کو اسلام قبول کرنے کی سعادت نصیب ہوئی اور انہوں نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کا شرف بھی حاصل کیا۔ جب حضرت فاطمہ ؓ بنت اسد کا انتقال ہوا تو حضور اکرم ﷺ نے بطور اظہار احسان مندی انہیں اپنا کرتہ مبارک پہنا دیا اور ان کی قبر میں بھی ان کے ساتھ تھوڑی دیر کے لیے لیٹے رہے۔

ابتدائی دور کے ایک مسلمان کا بیان ہے کہ انہوں نے ایک روز یہ عجیب منظر دیکھا کہ ایک شخص (کعبتہ اللہ میں) نماز ادا کر رہا ہے۔ اس کے پیچھے ایک خاتون اور دائیں طرف ایک نوعمر لڑکا بھی اس شخص کی اقتداء کر رہے ہیں۔ جب انہوں نے لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ کون ہیں تو لوگوں نے ان کو بتایا کہ یہ حضرت محمد ﷺ ہیں' ان کے ساتھ ان کی زوجہ محترمہ رضی اللہ عنہا اور لڑکا ان کے چچا کا بیٹا ہے۔ یہ دونوں دین اسلام کے پیروکار بن چکے ہیں۔

مکہ مکرمہ اور ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ رہے اور حق رفاقت ادا کیا۔ چنانچہ اللہ کے آخری رسول ﷺ آپ پر بے حد اعتماد کرتے اور آپ کو بعض اہم فرائض سونپتے رہے۔ جب اللہ کا حکم آ جانے کے بعد نبی کریم ﷺ نے مدینہ منورہ کو ہجرت کا قصد کیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے مشرکین مکہ کی تمام امانتیں' جو انہوں نے نبی کریم ﷺ کے پاس رکھوائی تھیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہی سپرد کیں اور حکم دیا کہ تین دن بعد یہ امانتیں ان کے مالکوں کو لوٹا دی جائیں۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تمام امانتیں ان کے مالکوں کو پہنچا دیں اور پھر قبا میں حضور نبی کریم ﷺ سے جا ملے۔

معرکہ بدر میں جو کفر و اسلام کا اولین معرکہ تھا' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بڑی ہی قابل قدر خدمات انجام دیں۔ حضور نبی کریم ﷺ سپہ سالار اعظم اسلام جب مقام بدر کے قریب پہنچے تو آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چند آزمودہ کار مجاہدین کے ساتھ قریش کے لشکر کی ٹوہ لگانے اور دشمن کی طاقت کے متعلق ضروری معلومات فراہم کرنے کا حکم دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ ڈیوٹی بڑی خوبی کے ساتھ انجام دی۔ جب بدر کے معرکہ میں اسلام اور کفر آمنے سامنے آئے تو مشرکین کی صفوں میں سے تین جنگجو عتبہ بن ربیعہ' شیبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ تلواریں لہراتے ہوئے نکلے اور مسلمانوں کو دعوت مبارزت دی۔ لشکر اسلام سے تین انصار جانباز کافروں کے مقابلہ کے لیے نکلے۔ جب اہل مکہ کو علم ہوا کہ ان کے مقابلے میں آنے والے مدنی لوگ ہیں تو انہوں نے بلند آواز میں پکار کر کہا:

"محمد! (ﷺ) ان لوگوں سے لڑنا ہماری توہین ہے۔ ہمارے مقابلے کے لیے ہماری قوم کے لوگوں کو بھیجو۔ یہ لوگ ہمارے جوڑ کے نہیں۔"

چنانچہ سپہ سالار اعظم ﷺ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ' حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ بن الحارث اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان کے مقابلہ کا حکم دیا۔ حضور ﷺ کا حکم سنتے ہی تینوں جانبازان اسلام کافروں کے مقابل جا کھڑے ہوئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اپنے

مقابل مشرکوں کو منٹوں میں خاک و خون میں رلا دیا لیکن حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ زخمی ہو گئے۔ یہ دیکھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ان کی مدد کو لپکے اور کافر کو قتل کر دیا۔

جنگ بدر کے بعد ہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کیا۔ سیدہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے لیے متعدد شرفائے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی خواہش کا اظہار کیا تھا لیکن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہی انتخاب فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ ان کے پاس حق مہر ادا کرنے کے لیے کوئی چیز ہے۔ انہوں نے بتایا کہ ان کے پاس ایک گھوڑے اور زرہ کے سوا اور کوئی چیز نہیں۔ اس پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"گھوڑا تو جہاد کے لیے ضروری ہے' البتہ زرہ فروخت کر دو۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے زرہ فروخت کر دی اور جو قیمت ملی وہ لا کر حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ بازار سے عطر خرید کر لائیں اور خود حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اپنی جگر گوشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح پڑھایا۔ پھر دونوں پر وضو کا پانی چھڑکا اور خیر و برکت کی دعا فرمائی۔ سیدہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی کوئی دس یا گیارہ ماہ بعد عمل میں آئی۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی لخت جگر کو ایک پلنگ' دو چکیاں' ایک بستر' ایک چادر اور ایک مشکیزہ عطا کیا۔ یہ اشیاء زندگی بھر سیدۃ النساء رضی اللہ عنہا کی رفیق رہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ امیرالمومنین بن جانے کے باوجود اس گھریلو سامان میں کوئی اضافہ نہ کر سکے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دعوت ولیمہ بھی ہوئی جس میں مہمانوں کو کھجور' جو کی روٹی' پنیر اور ایک خاص قسم کا شوربا پیش کیا گیا۔ اس زمانہ کے اعتبار سے یہ خاصی پر تکلف دعوت تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سیدہ رضی اللہ عنہا کی زندگی میں دوسری شادی نہیں کی البتہ ان کے وصال کے بعد متعدد شادیاں کیں' جن سے اولادیں ہوئیں۔ سیدہؓ کے بطن سے جو اولادیں ہوئیں ان میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ شہید کربلا اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ ممتاز ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لاتعداد غزوات میں شرکت کی لیکن غزوہ خیبر اس لیے زیادہ مشہور ہے کہ اس غزوہ میں یہودیوں کے متعدد قلعے فتح کر لیے گئے مگر ایک قلعہ فتح نہیں ہوا تھا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شام کو فرمایا:

"کل میں اس شخص کو حکم دوں گا جس کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ فتح دے گا اور جو

اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کو محبوب رکھتا ہے اور اللہ اور اللہ کا رسول ﷺ اسے محبوب رکھتے ہیں۔"

اب صحابہ رضی اللہ عنہم کو انتظار تھا کہ یہ سعادت کس کے حصے میں آتی ہے۔ دوسرے دن صبح کو حضور پاک ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو طلب فرمایا۔ وہ اس وقت آشوب چشم میں مبتلا تھے۔ حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ ان کو بلا کر لائے اور سہارا دیتے ہوئے لا کر حضور پرنور ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ ﷺ نے اپنا لعاب دہن مبارک حضرت علی رضی اللہ عنہ کی آنکھوں پر لگایا جس سے آشوب چشم جاتا رہا۔ پھر حضور ﷺ نے ان کو علم عطا فرمایا اور ہدایت کی کہ حملہ کرو، مگر اس سے قبل انہیں نرمی سے اسلام کی دعوت بھی دینا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کے فرمان کے مطابق عمل کیا لیکن یہودی تو جنگ پر تلے ہوئے تھے، چنانچہ شیر خدا رضی اللہ عنہ نے حملہ کر کے قلعہ کے مالک اور سپہ سالار مرحب کو قتل کر دیا اور قلعہ فتح ہو گیا۔ جب آپ بعد از فتح واپس آئے تو حضور نبی کریم ﷺ نے اپنے خیمے سے باہر نکل کر آپ رضی اللہ عنہ کا استقبال کیا اور آپ رضی اللہ عنہ کی پیشانی چوم کر فرمایا:

اللہ تم سے راضی ہوا، میں بھی تم سے راضی ہوں۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ ثالث حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مسلمانوں کے امیر مقرر ہوئے۔ یہ 35 ہجری کا دور تھا۔ اس وقت عالم اسلام میں ہر طرف افراتفری مچی ہوئی تھی مگر آپ رضی اللہ عنہ نے حالات پر قابو پانے کی کوششیں کیں اور ملک کا نظم و نسق عمدہ طریقے سے چلایا۔ شورشوں اور بغاوتوں کے باعث اسلامی مملکت میں توسیع تو نہ کر سکے تاہم انہوں نے کابل و سیستان پر اسلامی قبضہ مستحکم کیا اور مسلمانوں کو بحری راستہ سے ہندوستان کی طرف پیش قدمی کی اجازت دی۔ ملک کی انتظامیہ کو احسن طریقہ سے چلایا۔ وہ بیت المال کی بڑی سختی سے حفاظت کرتے اور کسی کو بلاجواز ایک درہم بھی عطا نہ کرتے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھائی حضرت عقیل رضی اللہ عنہ ابن ابی طالب کو رقم کی ضرورت تھی۔ وہ امیرالمومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے اور اپنی حاجت بیان کی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا میرے پاس تو پیسہ نہیں۔ انہوں نے عرض کیا کہ بیت المال سے قرض دلوا دیجئے۔ اس پر آپ رضی اللہ عنہ نے کہا۔ "کہ تم، حسن رضی اللہ عنہ اور عام آدمی میرے لیے برابر ہیں۔" آپ کے زہد اور مسلمانوں کے حال کے بارے میں احتیاط کا ہی نتیجہ تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ کے بھائی حضرت عقیل رضی اللہ عنہ آپ رضی اللہ عنہ کا ساتھ چھوڑ کر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے کیمپ میں چلے

گئے۔

ایک مرتبہ عید کے موقع پر لوگوں نے عرض کیا۔ "یاامیرالمومنین رضی اللہ عنہ آپ کے کپڑوں میں پیوند لگے ہیں۔ آپ دو درہم میں نیا لباس سلوالیں اور عید کے روز اسے زیب تن کرلیں توکیا اچھا ہو۔" آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ "مجھے شرم آتی ہے کہ میں (عید پر) نئے کپڑے پہنوں جبکہ کوفہ میں ہزاروں اشخاص بوسیدہ لباس میں ہوں۔"

کیا آج اسلام کا نام لینے والے حکمران حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں کوئی مثال پیش کر سکتے ہیں؟

حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ

ولادت

آپ کی ولادت ۱۳ رجب المرجب ۳۰ عام الفیل بروز جمعتہ المبارک خانہ کعبہ میں ہوئی۔ اس امر کو بھی فضل خدا ہی سے تعبیر کرنا درست ہو گا کہ محققین اسلام نے ببانگ دہل یہ اعلان کیا ہے کہ یہ شرف حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے لیے ذات احدیت نے مخصوص فرمایا کہ جوف کعبہ کو آپ کا مولد قرار دیا۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ دہلوی لکھتے ہیں کہ "متواتر روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت اسد نے امیرالمومنین علی علیہ السلام کو جوف کعبہ میں بروز جمعہ ۱۳ رجب عام الفیل میں متولد فرمایا۔"

پرورش و تربیت

آپ کی پرورش نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے پہلے اپنا لعاب دہن علی رضی اللہ عنہ کے دہن میں پہنچایا اور اپنی زبان مبارک چوسائی جس کو علامہ برہان الدین حلبی نے اس طرح بیان کیا ہے کہ

"جناب فاطمہ بنت اسد فرماتی ہیں کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ متولد ہوئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا اسم گرامی علی رکھا اور ان کے دہن میں اپنا لعاب دہن داخل کیا پھر اپنی زبان مبارک اس بچے کے دہن میں ڈالی کہ زبان رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے علی غذائے طیب و طاہر حاصل کر کے آرام فرما گئے۔ دوسرے دن ہم نے بچے

کے لیے مرضعہ تلاش کی لیکن علی رضی اللہ عنہ نے کسی مرضعہ کی طرف توجہ نہ کی آخر کار ہم نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو زحمت دی آپ تشریف لائے اور مثل سابق اپنی زبان مبارک علی رضی اللہ عنہ کے دہن میں داخل کی علی اس زبان اطہر کو چوستے رہے یہاں تک کہ آرام فرمایا۔ (سیرت حلبیہ ج ۱ ص ۳۰۳ طبع میمنہ مصر)

خاندان اور نسب

خاندان بنو ہاشم کی مدح میں قصیدے سارے قریش پڑھا کرتے تھے اس خاندان کے افراد علم و فضل شرافت و نجابت اور شجاعت و بسالت میں یگانہ روزگار تھے اسی لیے حضرت ابو طالب فخریہ کہا کرتے تھے کہ

"اس اعلیٰ و ارفع مقام پر فائز ہیں کہ جو شفاعت کے لیے ہوتے ہیں اور مکہ میں دعا مانگتے ہیں تو چشمہ ہائے آب جوش مارنے لگتے ہیں۔"

آپ بھی اسی خاندان کے چشم و چراغ ہیں آپ کا نام و نسب یہ ہے۔

حضرت علی بن ابی طالب بن عبد المطلب بن عبد المناف آپ نجیب الطرفین قریشی الہاشمی ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت میں نسب سے نزدیک سابق الاسلام داماد اور چچازاد بھائی ایسا تقرب اور فضیلت دوسرے کسی فرد کو حاصل نہیں۔

والد گرامی

آپ کے والد حضرت ابو طالب حضرت ہاشم کے پوتے عبد المطلب کے بیٹے اور حضرت عبداللہ کے سگے بھائی تھی۔ آپ کا اصل نام عمران تھا اور کنیت ابو طالب تھی جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی جناب خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے ہوئی تو حضرت ابو طالب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے خطبہ نکاح پڑھا خطبہ ابو طالب رضی اللہ عنہ کے ابتدائی الفاظ یوں ہیں۔

"تمام تعریفیں اس خدا کے لیے زیبا ہیں جس نے ہمیں ذریت ابراہیم علیہ السلام میں قرار دیا۔" (اعجاز القرآن للقاضی ابی بکر الباقلانی جلد ۲ ص ۳ طبع لاہور)

والدہ ماجدہ

آپ کی مادر گرامی حضرت فاطمہ بنت اسد بن ہاشم بن عبد مناف بن ہاشم ہیں آپ ہی کو خداوند عالم نے یہ شرف عطا فرمایا کہ ابوالائمہ حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب کی

والدہ ماجدہ اور باقی گیارہ اماموں کی جدہ طاہرہ قرار پائیں۔ جناب رسالتماب ﷺ کی نصرت و حمایت اور حفاظت کے جو فرائض حضرت ابو طالب اپنے آخری لمحہ حیات تک بجالاتے رہے۔ اس میں جناب فاطمہ بنت اسد بھی برابر کی شریک تھیں اور ابو طالب کی وفات کے بعد جناب رسالتماب ﷺ کو جو نمایاں کمی محسوس ہونا چاہیے تھی وہ ان معظمہ اور ان کے بیٹے علی ابن ابی طالب کی جان فروشیوں کی وجہ سے محسوس نہ ہو سکی اس لیے خود پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا۔

"بے شک ابو طالب کے علاوہ فاطمہ بنت اسد سے بڑھ کر احسان مجھ پر کسی کا نہیں۔"

(ذخائر العقبیٰ ص ۵۶ طبع مکتبہ القدسی قاہرہ)

جب انہوں نے انتقال فرمایا تو آنحضرت ﷺ نے اپنے کرتے سے ان کو کفن پہنایا اور قبر میں لیٹ گئے اور مغفرت کی دعا کی۔

شب ہجرت

شعب ابو طالب رضی اللہ عنہ کے بعد نبی اکرم ﷺ کو قریش کی طرف سے گوناں گوں مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ حکم الٰہی کے پیش نظر آپ ﷺ ہجرت کے لیے آمادہ ہوئے۔ آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے بستر پر لٹا دیا اور خود بحکم خدا نکل گئے بقول علامہ شبلی نعمانی کے یہ سخت خطرے کا موقع تھا اور حضرت امیرالمومنین کو معلوم ہو چکا تھا کہ قریش آپ کے قتل کا ارادہ کر چکے ہیں اور آج رسول اللہ ﷺ کا بستر خواب قتل گاہ کی زمین ہے لیکن فاتح خیبر کے لیے قتل گاہ فرش گل تھا۔ قریش دروازہ توڑ کر داخل خانہ ہوئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سوتا ہوا پایا انہوں نے پوچھا محمد ﷺ کہاں ہیں؟ جواب دیا کہ وہ خدا کی امان میں ہیں۔ علی تلوار سونت کر کھڑے ہو گئے سب قریش بھاگ گئے۔ امام غزالی نے لکھا ہے کہ "حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حفاظت کے لیے اللہ تعالیٰ نے جبرئیل اور میکائیل کو بھیج دیا تھا یہ دونوں ساری رات حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خواب گاہ کا پہرہ دیتے رہے۔"

اعلان رسالت اور دعوت قریش

بعثت سے تین سال تک جناب رسالتماب ﷺ پوشیدہ طور پر دعوت اسلام کرتے تھے یہاں تک کہ اپنے خویش و اقارب کو عذاب الٰہی سے ڈرانے کا حکم ہوا ارشاد باری ہے:

"اے رسول ﷺ تم اپنے قریبی رشتہ داروں کو (عذاب خدا سے) ڈراؤ۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے مجھ سے فرمایا۔ اے علی رضی اللہ عنہ تم کچھ روٹی، بکرے کی ایک ران اور تھوڑے دودھ کا سامان کر رکھو۔ جب شام ہوئی تو آپ نے قریش میں سے چالیس آدمیوں کو بلا بھیجا اور کھانا ان کے سامنے رکھا گیا۔ آپ ﷺ نے اپنا دست مبارک لگا دیا اس کے بعد ان سے کھانے کو فرمایا جب سب کے سب کھانا کھا کر سیر ہو گئے حالانکہ وہ کھانا بظاہر ایک آدمی سے زیادہ کے کھانے کا نہ تھا اب آپ نے چاہا کہ کچھ بات کریں کہ ابولہب نے بات کاٹ کر کہا کہ تمہارے صاحب نے بڑا سخت جادو کیا ہے۔ یہ سننا تھا کہ سب کے سب چل پڑے دوسرے دن پھر آنحضرت ﷺ نے اسی سامان کا حکم دیا اور کھانے کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا۔

"اے فرزندان عبدمناف میں تمہارے ہاں دنیا اور آخرت کی نیکی لے کر آیا ہوں اور اچھی خبر لایا ہوں کہ اس سے پہلے تمہارے پاس کوئی ایسی خبر نہیں لایا اور مجھے خدا نے تمہیں دعوت دینے کا حکم دیا ہے تو تم میں سے کون ایسا ہے جو میرا وزیر ہے اور میرے کام میں میری مدد کرے تاکہ وہ میرا بھائی اور میرا وصی اور میرا خلیفہ ہو۔ کسی نے کوئی جواب نہ دیا مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں آپ ﷺ کے دشمنوں کو نیزہ ماروں گا اور آنکھیں پھوڑوں گا۔ بہرکیف اسی طرح آنحضرت ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سوا کسی نے جواب نہ دیا تب آپ ﷺ نے فرمایا۔ "تو ہی میرا وزیر، میرا وصی اور میرا بھائی اور خلیفہ ہے۔" (تفسیر معالم التنزیل جلد ۵ ص ۱۰۵ طبع بمبئی)

عقد مواخات

ہجرت کے بعد آنحضرت ﷺ نے مہاجر و انصار میں باہمی مواخات قائم کی۔ آپ ﷺ نے اتحاد مزاج، طبیعت اور فطرت کے لحاظ سے ایک دوسرے کو بھائی بنایا تھا۔ مزاج نبوت کا اتحاد فطرت امامت ہی سے ہو سکتا تھا یہی وجہ ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ نے اصحاب کے درمیان بھائی چارہ کر دیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ روتے ہوئے آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم میں بھائی بندی کا رشتہ جوڑا ہے اور مجھے کسی کا بھائی نہیں بنایا تو آنحضرت ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا تم دنیا اور آخرت دونوں میں میرے بھائی ہو۔ (جامع ترمذی جلد ۲ ص ۲۱۳ باب مناقب علی طبع دہلی)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا سے نکاح

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جناب سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے نکاح کے متعلق اللہ تعالیٰ کے حکم کے منتظر تھے۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن ہم جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں مسجد نبوی میں بیٹھے ہوئے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ جبرئیلؑ نے مجھے خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تیرا نکاح میری بیٹی فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا سے کیا ہے اور نکاح پر چالیس ہزار فرشتوں کو گواہ بنایا ہے اور طوبیٰ درخت کو اشارہ کیا ہے کہ ان پر زر و یاقوت نچھاور کرے پس اس نے زر و یاقوت ان پر نثار کیئے۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔ تجھ کو بشارت ہو کہ خداوند کریم نے آسمان پر تیرا نکاح فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کیا ہے تیرے آنے سے پہلے جبرئیلؑ میرے پاس آئے اور حریر بہشت کا ایک پارہ سفید میرے آگے رکھ دیا کہ جس میں دو سطریں نور کے قلم سے لکھی ہوئی تھیں میں نے جبرئیلؑ سے پوچھا کہ یہ حریر کیا ہے؟ اور اس پر کیا لکھا ہوا ہے جواب دیا اللہ تعالیٰ نے تجھے منتخب کیا اور تیرے بھائی علی رضی اللہ عنہ کا نکاح فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کیا۔

(نزہتہ المجالس جلد ۲ ص ۴۳۱ طبع قاہرہ)

علمی کمالات اور فکر و نظر

حضرت امیرالمومنین کی شخصیت اس اعتبار سے بالکل منفرد ہے کہ ان میں وہ تمام کمالات جو نہ کسی میں یکجا ہوئے اور نہ ہی ہرگز ہوں گے پوری طرح جمع تھے۔ یہ اوصاف حمیدہ اپنے تنوع اور تباین کے اعتبار سے انسانی فہم و ادارک سے بالاتر ہیں اس کارگاہ عالم میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اتنی وسیع النظر اور جامع علوم شخصیت کہیں نظر نہیں آتی جس کی فکری اور نظری تجلیوں اور علمی و تحقیقی کرنوں سے ہر دبستان فکر نے روشنی حاصل کی ہو۔ نظر و فکر کی کتنی راہیں تھیں جو آپ کی بدولت کھلیں اور علم و تحقیق کے کتنے مخفی گوشے تھے جو آپ نے بے نقاب کیئے آج دنیا میں جہاں جہاں علم و حکمت کی شمعیں روشن نظر آتی ہیں وہ اسی قندیل درخشاں کی تابندگیوں کا کرشمہ ہیں۔

علم و ادب میں نمایاں مقام

کوفہ کی مسجد اعظم میں ہزاروں اصحاب کی تعداد کے سامنے جس میں نہ صرف عرب ہی

تھے بلکہ غیر عرب موالی و عجمی اور قبطی سب ہی ہوتے تھے روزانہ مختلف عنادین' الہیات' طبیعات' اخلاق و سیاسیات تمدن و معاشرت اور فنون جنگ پر مسلسل روشنی ڈالتے تھے اور اپنے عمال کو جو مرکز سے دور ہوتے تھے بذریعہ مکتوبات ان باتوں کی تعلیم دیتے تھے گویا اس طرح دنیا کو فکر و نظر علوم و ادب کی طرف مائل و آمادہ کیا۔ تاریخ اسلام پر سرسری نظر رکھنے والے پر بھی مخفی نہیں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علمی جواہر بکھیرنے کی بدولت کوفہ دنیائے اسلام کا ایک مشہور علمی مرکز بن گیا جہاں سے اسلامی علوم و فنون عربی لسانیات و ادبیات' کیمیا وہیئت کے چشمے پھوٹے۔ صرف یہی نہیں بلکہ ان کی درسگاہ سے نکلے ہوئے ہزاروں شاگرد (جیسے ابوالاسود الدئلی البصری) جہاں جہاں گئے اس جگہ کو بھی علمی گہوارہ بنانے میں کامیاب ہوئے۔

علم الہیات' توحید و عدل و دیگر علوم

علامہ ابن ابی الحدید معتزلی نے اس کی وضاحت کی ہے کہ اولین مفکرین اسلام جنہوں نے الہیات کے علوم پر بحث و نظر کی ہے اور توحید و عدل' جبر و اختیار' قضا و قدر ایسے مسائل حل کیے ہیں وہ ان علوم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب ہی کے شاگرد تھے۔ اسی طرح جملہ فقہائے اسلام کے معلم اول حضرت امیرالمومنین ہیں۔ علاوہ ازیں اہل کتاب یہود و نصاریٰ اور بعض یونانی فلسفی بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر علمی مسائل پر گفتگو کرتے رہتے تھے جس کا تذکرہ مورخین نے کیا ہے۔ یہ شواہد اس امر کا بین ثبوت ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ بحیثیت مفکر و فلسفی و حکیم کے بھی اپنا ثانی نہیں رکھتے ہیں۔ چنانچہ مشہور مسیحی ادیب و مورخ عبدالمسیح انطاکی حلبی (مدیر الشذور حلب الشہبا و مدیر العمران مصر) تحریر کرتا ہے۔

"حکمت و علوم سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے بکثرت منقول ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ تمام حکماء فلاسفہ کے سردار ہیں اور آپ سے تمام حکمتیں روایت کی جاتی ہیں قطع نظر اس سے کہ آپ تکلیف کی حالت میں ہوں یا راحت کے عالم میں اور آپ کی یہ عقلیات آپ کی زبانی کثیر التعداد رسائل و مکاتیب خطبات و اقوال میں وارد ہوئی ہیں یہاں تک کہ تسلیم کیا گیا ہے کہ آپ ایسے مقالات عقلی ہر مجلس اور ہر فرودگاہ پر بیان فرماتے تھے۔ آپ کے تمام اقوال شریف اور اعمال پاکیزہ عقل و حکمت کے آثار سے پر ہیں۔ جن سے آپ کی ذکاوت و تجربات کی وسعت اور قوت ارادی کی ضیاء باری آشکارا ہوتی ہے۔

(تاریخ الشعری الصدر الاسلام ص ۵۶۷ طبع رعمیس فجالہ مصر)

رعایا کے حقوق کی نگاہ داری

جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے تخت خلافت پر متمکن ہوتے ہی پہلے جس امر کی طرف توجہ فرمائی وہ اس وقت کی موجودہ بدامنی اور پر آشوبی کی اصلاح تھی جس کی مدافعت کے دو طریقے تجویز کیئے گئے اول تو موجودہ اضطرار اور انتشار کی حالتوں میں رعایا کی پوری محافظت اور خبر گیری' ان کے حقوق کی رعایت اور ان کی کافی دلجوئی تھی۔

دوسری تجویز یہ تھی کہ ان بڑے بڑے سرکش مخالفوں کا مقابلہ کیا جائے جو عام طور سے ملک میں بدامنی اور فساد قائم رکھنے کی خاص طور پر کوشش کر رہے تھے مگر اس مدافعانہ مقابلہ سے پہلے جو زمانہ موجودہ کی قانونی اصطلاح میں شفاف حفاظت خود اختیاری کے پورے منشاء ہیں ان کو صلح و آشتی کے راستوں پر لانے کی فکر بھی اس میں ضرور شامل تھی۔ ملکی رعایا کو دو بڑے حصوں میں تقسیم فرمایا۔ ایک حصہ وہ تھا جو سلطنت کا ملازم تھا اور اس میں فوج کاتب' قاضی اور عمال شامل تھے۔ دوسرا حصہ رعایا کا وہ تھا جو سلطنت کا ملازم نہیں تھا ان میں اہل اسلام' اہل جزیہ' اہل صنعت' تجار' فقرا اور محتاج شامل تھے۔

شہادت

حضرت علی نے ۲۱ رمضان المبارک کو شہادت پائی۔ ۱۹ رمضان المبارک کو مسجد کوفہ میں نماز صبح کے نوافل ادا کر رہے تھے کہ عبدالرحمٰن ابن ملجم نے ستون کی آڑ میں کھڑے ہو کر زہر میں بجھی ہوئی تلوار سے زوردار وار کیا۔ تلوار آپ کی پیشانی مبارک پر لگی جس سے آپ مصلیٰ پر گر پڑے۔ اس پر منادی غیب نے ندا دی الا قتل امیرالمومنین' اس ندا کو سن کر آپ کے صحابہ کرام اور جناب حسنین آپ کی طرف متوجہ ہوئے اور دیکھا کہ آپ خون میں غلطاں مصلیٰ پر پڑے ہیں اور فرما رہے تھے فزت برب الکعبہ.... رب کعبہ کی قسم علی رضی اللہ عنہ کامیاب ہو گیا۔ اس کے ساتھ آپ اور دعائیں پڑھ رہے تھے۔ آپ نے حضرت امام حسنؓ کو نماز پڑھانے کا حکم دیا اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سر مبارک کو دیکھا گیا تو معلوم ہوا کہ زخم کافی گہرا ہے۔ عمامہ سے آپ کے سر مبارک کو باندھا گیا آپ کو گھر لایا گیا صحابہ کرام دروازے پر رو رہے تھے اور گھر سے مستورات کے گریہ و بکا کی آوازیں بلند ہوئیں اسی اثناء میں قاتل کو گرفتار کر کے لایا گیا آپ نے وصیت فرمائی کہ اس نے مجھے ایک ضرب لگائی ہے اگر بدلہ لینا ہو تو ایک ہی ضرب لگانا۔ حکیم نے زخم ملاحظہ کر کے کہا کہ زخم کافی گہرا

ہے اور زہر سرایت کر چکا ہے آپ کا بچ نکلنا محال ہے۔ کافی وصیتیں کیں اور بالآخر آپ نے ۲۱ رمضان المبارک کو جام شہادت نوش فرمایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ○ آپ کو کوفہ کے قریب نجف اشرف میں دفن کیا گیا آپ کے دفن کے بعد کئی غرباء و مساکین کو روتے اور آہ و بکا کرتے دیکھا گیا۔

بنا مجھ کو دوزخ کا ایندھن

اے خدا

کہ دشمن علیؑ

کا قلبیہ جلا سکوں

الٰہی آمین

علامہ عباس محمود العقاد (مصری)

حضرت علی بن ابی طالب

آپ کی صفات:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق مشہور ہے کہ آپ پہلے ہاشمی خلیفہ ہیں جو ہاشمی والدین کی اولاد ہیں اور یہ شریف خاندان جن صفات سے مشہور ہے آپ میں ان تمام صفات کا خلاصہ پایا جاتا ہے اور اس کی علامات اور جھلکیاں اس خاندان کے بہت سے پہلے سرداروں میں بھی پائی جاتی ہیں جو مختصرا شرافت و نجابت جوانمردی اور تیز فہمی تھیں ان کے علاوہ کچھ مسلمہ جسمانی علامات بھی تھیں جو اس خاندان کے کئی سرداروں میں پائی جاتی تھیں۔

پس آپ ابن ابی طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف ہیں اور آپ کی ماں کا نام فاطمہ بنت اسد بن ہاشم بن عبد مناف ہے۔

کہتے ہیں کہ آپ کی والدہ نے اپنے باپ اسد کے نام پر آپ کا نام حیدرہ پسند کیا اور حیدرہ شیر کو کہتے ہیں پھر آپ کے باپ نے آپ کا نام تبدیل کر کے علی رکھا اور اس کے بعد آپ اسی نام سے مشہور ہوئے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے والدین کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے اور حضرت جعفر، عقیل اور طالب آپ سے بڑے تھے، ان سب کے اور ان کے بھائی کے درمیان دس سال کا فرق تھا۔

کہتے ہیں کہ ان سب بھائیوں میں سے عقیل رضی اللہ عنہ اپنے باپ کو زیادہ محبوب تھے' جب قریش کو قحط کی مصیبت نے آلیا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں چچاؤں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو آواز دی کہ وہ اس مصیبت میں ابو طالب کے بوجھ کو اٹھائیں' انہوں نے آکر ابو طالب سے کہا کہ وہ انہیں اپنے بیٹے دے دیں تاکہ وہ اسے ان کے معاملے میں بے نیاز کر دیں تو ابو طالب نے کہا کہ عقیل کو میرے لیے چھوڑ دو اور جس کو چاہو لے جاؤ' پس حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے طالب کو' اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے جعفر رضی اللہ عنہ کو اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے علی رضی اللہ عنہ کو لے لیا جیسا کہ مشہور ہے چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے والد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو محبت میں ترجیح دیتے تھے اس لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کے بدلے میں آپ کو محبت میں ترجیح دی اور آپ نے بھی اس ترجیح کو طفولیت کے ابتدائی ایام میں سمجھ لیا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی بقیہ زندگی میں بھی اس کا اثر باقی رہا اور اس ترجیح کے بہت سے لواحق بھی توقع اور استعداد کے مطابق آئے اور ابھی آپ اپنے بچپن میں ہی ترقی کے مدارج طے کر رہے تھے کہ آپ اس بات کے عادی ہو گئے کہ حق و فضیلت کی کوئی بات آپ سے ضائع نہ ہو اور بسا اوقات حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایام طفلی میں آپ کے اوصاف میں یہ بات درست طور پر پائی گئی جبکہ آپ نوخیز بچے تھے کہ آپ اپنے جیسے بچوں سے فہم و طاقت میں آگے تھے کیونکہ آپ نے اپنی عمر کے چھٹے یا ساتویں سال میں اس دعوت نبوی سے کچھ حصہ پایا تھا جسے اس قسم کے نو عمر بچوں کا سمجھنا اور اس سے آگاہ ہونا مشکل ہوتا ہے' جس طرح آپ کو نشو و نما میں آگے بڑھنے کی خوبیاں حاصل تھیں اسی طرح آپ کو اس کے بوجھ اور پریشانیاں بھی حاصل تھیں جو اکثر ہونہاروں کے شامل حال ہوتی ہیں۔ خصوصاً ان بچوں کو جو والدین کے بڑھاپے میں پیدا ہوتے ہیں۔ آپ نے جوانی اور ادھیڑ عمر میں مضبوط بنیاد آدمی کی طرح اپنی مضبوط تکوین کی حفاظت کرتے ہوئے پرورش پائی تھی یہاں تک کہ آپ ساٹھ سال کے قریب پہنچ گئے۔ حلیہ مبارک

جب آپ مکمل مردانگی میں تھے تو آپ کے اوصاف بیان کرنے والوں نے کہا ہے کہ آپ میانہ قد اور چھوٹائی کی طرف مائل تھے۔ شدید گندم گوں' سر کے اگلے حصے کے بال گرے ہوئے' سر اور داڑھی سفید اور لمبی' آنکھیں بھاری اور سیاہ اور فراخ' چہرہ خوبصورت اور مسکراتا ہو' جھکی ہوئی گردن گویا آپ کی گردن چاندی کا لوٹا ہے' چوڑے کندھے جن کی ہڈیوں کے سرے اکڑی ہڈی والے درندے کی طرح تھے' جس کا بازو اس کی

کلائی سے متفاوت نہیں ہوتا اور خوب مضبوط ہوتا ہے' آپ کا پیٹ بڑا اور موٹائی کی طرف زیادہ مائل نہ تھا اور پنڈلی کا پٹھا موٹا اور باریک حصہ دقیق اور کہنی کا پٹھہ موٹا اور باریک حصہ' دقیق تھا۔ ہتھیلیاں موٹی تھیں اور چلنے میں لڑکھڑاتے تھے اور آپ کی چال حضرت نبی کریم ﷺ کی چال کے قریب تھی اور جنگ میں آگے ہوتے تھے اور اس طرح دوڑ کے آگے ہوتے تھے کہ کسی چیز کی طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے۔

اور آپ کے حالات بھی--- آپ کی صفات کی طرح--- بتاتے ہیں کہ آپ کی جسمانی قوت' عوارض و آفات سے بھی سخت تھی' بسا اوقات آپ ایک شہسوار کو اپنے ہاتھ سے اٹھا کر بغیر کسی کوشش اور پرواہ کے زمین پر ٹپک دیتے تھے اور آپ ایک آدمی کو اس کی کہنی سے پکڑ لیتے تو یوں معلوم ہوتا کہ آپ نے اس کا سانس کھینچ لیا ہے اور وہ سانس لینے کی سکت نہیں رکھتا۔ نیز آپ کے متعلق مشہور ہے کہ آپ نے جس کسی سے بھی کشتی کی اس کو پچھاڑ دیا اور جس سے مقابلہ کیا اسے قتل کر دیا اور آپ ایک بہت بڑے پتھر کو' جسے کئی آدمی ہلا نہیں سکتے تھے' ہلا دیا کرتے اور آپ بہت بڑے دروازے کو اٹھا لیتے جس کو الٹا کرنے سے بڑے بڑے بہادر عاجز آ جاتے اور آپ ایسی آواز نکالتے جس سے بہادروں کے دل دہل جاتے۔ جسمانی ترکیب

اور آپ کی جسمانی ترکیب اس قدر مضبوط تھی کہ آپ گرمی اور سردی کی پرواہ نہیں کرتے تھے اور موسم سرما میں گرمی کے کپڑے اور موسم گرما میں سردیوں کے کپڑے پہنتے تھے اس بارے میں آپ سے دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

"رسول کریم ﷺ نے میری طرف پیغام بھیجا اور مجھے خیبر کے روز آشوب چشم کا عارضہ تھا میں نے کہا۔ یا رسول! مجھے آشوب چشم کا عارضہ ہے تو آپ نے فرمایا اے اللہ! اس سے گرمی اور سردی کو دور کر دے' پس اس دن سے مجھے گرمی اور سردی محسوس نہیں ہوئی۔"

اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ گرمی اور سردی خواہ سختی اور ایذا دہی میں کسی حد تک پہنچ جائے آپ گرمی اور سردی کے بارے میں معدوم الحس تھے' جب سخت سردی ہو جاتی تو آپ سردی سے کانپتے تھے اور اس سے بچنے کے لیے گرم کپڑے تیار نہیں کرتے تھے' ہارون بن عنترہ اپنے باپ سے بیان کرتا ہے کہ میں موسم سرما میں خورنق میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تو آپ پر ایک بوسیدہ چادر تھی جس میں آپ کانپ رہے تھے' میں نے کہا یا امیر المومنین

اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے اور آپ کے اہل کے لیے اس مال میں حصہ مقرر کیا ہے اور آپ اپنے ساتھ یہ سلوک کر رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا خدا کی قسم میں نے تم کو کچھ کم نہیں دیا اور یہ میری وہ چادر ہے جسے میں مدینہ سے لایا تھا۔ پس یہ گرمی اور سردی کی حس کا انعدام نہیں بلکہ یہ وہ مضبوط قوت ہے جس سے آپ کی فطرت مخصوص ہے اور دیگر لوگوں کی اکثریت کو اس قوت سے مخصوص نہیں کیا گیا۔ شجاعت

آپ اس حد تک طاقتور شجاع تھے کہ میدان جنگ میں کوئی شخص آپ کے مقابلہ میں کھڑا نہیں ہوتا تھا اور آپ موت کے مقابلہ میں اس قدر جری تھے کہ آپ کسی بھی مدمقابل سے' خواہ وہ کتنا حملہ آور اور خوفناک شہرت کا حامل ہوتا' خوف نہ کھاتے تھے' آپ نے نوجوانی ہی میں جزیرہ عرب کے شہسوار عمرو بن ود کے مقابلہ میں جرات دکھائی جو اپنے دوستوں اور دشمنوں کے نزدیک ایک ہزار جوانوں کے قائم مقام تھا۔ جنگ خندق کے روز عمرو بن ود اپنے آپ کو لوہے میں ڈھانپ کر مسلمانوں کی فوج کو للکارنے لگا کہ کون مقابلہ پر نکل کر لڑے گا؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پکارا' یا نبی اللہ میں اس کا مقابلہ کروں گا... حضرت نبی کریم ﷺ نے آپ کے متعلق خوف کرتے ہوئے فرمایا یہ عمرو ہے بیٹھ جاؤ' عمرو نے دوبارہ للکارا' کوئی مقابلہ کرنے والا آدمی ہے؟ اور انہیں ملامت کرتے ہوئے کہنے لگا' تمہاری وہ جنت کہاں ہے؟ جس کی تو متعلق تمہارا خیال ہے کہ تم قتل ہو کر اس میں داخل ہو گے؟ کیا تم میرے مقابلہ میں کسی آدمی کو نہیں نکال سکتے؟ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ بار بار اٹھ کر کہتے یا رسول اللہ ﷺ! میں اس کا مقابلہ کرتا ہوں اور رسول کریم ﷺ بار بار فرماتے' بیٹھ جاؤ' یہ عمرو ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کو جواب دیتے خواہ عمرو ہو میں اس کا مقابلہ کروں گا... یہاں تک کہ حضور ﷺ نے آپ کو اجازت دے دی تو آپ اس اذن ممنوع سے خوش ہو کر اس کی طرف یوں گئے گویا یہ اذن نجات ہے... عمرو نے آپ کی طرف دیکھ کر آپ کو حقیر خیال کیا اور آپ سے مقابلہ کرنے کو ناپسند کیا اور آپ سے پوچھنے لگا' آپ کون ہیں؟ آپ نے مزید کوئی بات نہ کی اور کہا میں علی رضی اللہ عنہ ہوں' اس نے کہا ابن عبد مناف' آپ نے کہا ابن ابی طالب' تو عمرو نے آپ کی طرف آکر کہا اے بھتیجے' تمہارے چچاؤں میں سے کون زیادہ عمر رسیدہ ہے' میں تمہارا خون بہانا پسند نہیں کرتا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا لیکن میں تمہارا خون بہانا پسند کرتا ہوں' تو عمرو غضب ناک ہو گیا اور تلوار لے کر آپ پر ٹوٹ پڑا' اس تلوار کے اوصاف بیان کرنے والوں کا کہنا ہے کہ وہ آگ کا شعلہ معلوم ہوتی تھی' حضرت علی

رضی اللہ عنہ نے تلوار کے وار کو اپنی ڈھال پر لیا اور تلوار اسے چیر کر آپ کے سر پر لگی، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کے کندھے کی رگ پر تلوار ماری تو وہ گر پڑا پھر اٹھا، پھر گرا اور پھر اٹھا اور غبار پھیل گیا جونہی غبار چھٹا تو عمرو قتل ہو کر پچھاڑا پڑا تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بلند آواز سے تکبیر کہہ رہے تھے۔ (اور ہم نے دیکھا ------- قتل ہو جاتی)

گویا آپ کی یہ شجاعت وہ قطعی موت ہے جس کی تکلیف کا علاج نہیں کیا جاتا، کیونکہ وہ مصائب کے زیادہ لائق ہے اور بہت کم برائی والی ہے جسے دور نہیں کیا جاتا اور عمرو بن ود کی بہن اس کی موت کے بعد بطور ہمدردی کہتی ہے۔

"اگر عمرو کے قاتل کے علاوہ کوئی اور آدمی قاتل ہوتا تو میں ہمیشہ گریہ کناں رہتی، لیکن اس کا قاتل وہ شخص ہے جس کی کوئی نظیر موجود نہیں اور اس کے باپ کو شہر کا چودھری کہا جاتا ہے۔"

پس آپ اس نادر شجاعت کے حامل تھے کہ آپ اس سے جس کو گزند پہنچاتے اور جسے گزند پہنچتا، وہ صاحب شرف ہو جاتا اور اس شجاعت کے شرف میں اس بات سے بھی اضافہ ہو جاتا ہے کہ وہ ان خوبصورت صفات سے آراستہ تھی جو طاقتور بہادروں کی شجاعت کو آراستہ و پیراستہ کر دیتی ہیں، پس لوگ شجاعت کے کسی ایسے زیور سے واقف نہیں جو ان صفات سے بڑھ کر خوبصورت ہو، جن پر بغیر کسی مجاہدہ اور کلفت کے آپ کی پیدائش ہوئی اور وہ صفات یہ تھیں، ظلم سے بچنا، مخالف سے مروت کرنا خواہ طاقتور ہو یا کمزور، جنگ سے فراغت کے بعد دشمن کے متعلق دل میں کینہ نہ رکھنا۔

بے نظیر شجاعت اور بے حد قوت کے ہوتے ہوئے آپ کے ظلم سے بچنے کی ایک دلیل یہ ہے کہ آپ نے کبھی کسی آدمی سے جنگ کرنے میں پہل نہیں کی حالانکہ اس بارے میں آپ کو آزادی حاصل تھی، آپ اپنے بیٹے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے فرمایا کرتے تھے کہ

"دعوت مبارزت نہ دینا، اگر مجھے دعوت مبارزت دی گئی تو میں اسے قبول کروں گا، بلاشبہ مبارزت کی دعوت دینے والا ظالم ہے اور ظالم قتل ہوتا ہے۔"

آپ کو معلوم ہوا کہ خوارج کے سپاہی آپ سے جنگ کرنے کے لیے آپ کی فوج کو چھوڑ رہے ہیں آپ سے کہا گیا کہ وہ آپ کے خلاف بغاوت کرنے والے ہیں، آپ ان کے سبقت کرنے سے قبل ان پر سبقت کریں تو آپ نے فرمایا:

"جب تک وہ مجھ سے جنگ نہ کریں، میں ان سے جنگ نہیں کروں گا اور وہ

عنقریب جنگ کریں گے۔"

اور جنگ جمل' جنگ صفین اور ہر چھوٹی بڑی جنگ سے قبل آپ نے یہی کام کیا اور اس میں دشمن کی دشمنی کو واضح کیا یا چشم پوشی کر لی۔ آپ انہیں صلح کی دعوت دیتے اور اپنے جوانوں کو جنگ میں پہل کرنے سے منع فرماتے' آپ جب تک صلح کے لیے اپنا ہاتھ دراز نہ کر لیتے' اس وقت تک کبھی تلوار کی طرف ہاتھ نہ بڑھاتے۔

آپ کچھ لوگوں کو وعظ کر رہے تھے تو آپ کے ایک کمفر خارجی کو آپ کے وعظ نے انگشت بدنداں کر دیا تو اس نے ناپسند کرنے والے شخص کی حیرت کی مانند جو اپنے بغض اور حیرت پر قابو نہیں رکھتا' حیرت زدہ ہو کر چلا کر کہا۔ "اللہ اس کافر پر لعنت کرے یہ کس قدر فقیہ ہے۔" آپ کے پیروکار اس کو قتل کرنے کے لیے اٹھے تو آپ نے انہیں روک دیا اور فرمایا۔

"دشنام کے بدلے میں دشنام ہے یا گناہ کو معاف کرنا ہے۔"

اور ہم نے دیکھا کہ آپ نے عمرو بن ود سے فرمایا کہ میں تمہارے خون کو بہانا پسند کرتا ہوں--- لیکن آپ نے اس کا خون بہانے میں اس وقت دلچسپی لی جب آپ اس کے اسلام لانے اور مسلمانوں کے ساتھ جنگ ترک کرنے سے مایوس ہو گئے' آپ نے اسے جنگ سے باز آ جانے کی پیشکش کی تو اس نے ناک بھوں چڑھا کر کہا کہ اگر میں جنگ سے باز آ جاؤں تو عرب ایک فراری کے متعلق باتیں کریں گے' آپ نے اس سے اپیل کرتے ہوئے کہا اے عمرو تو نے اپنی قوم سے وعدہ کیا ہے کہ جب قریش کا کوئی آدمی تجھے دو باتوں کی دعوت دے گا تو ان میں سے ایک کو اختیار کر لے گا' اس نے کہا بے شک آپ نے فرمایا تو میں تجھے دعوت اسلام یا دعوت مقابلہ دیتا ہوں' اس نے کہا اے میرے بھتیجے کیوں' خدا کی قسم میں آپ کو قتل کرنا پسند نہیں کرتا--- پس آپ کے لیے دو باتوں میں سے ایک کے اختیار کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ یا تو آپ اسے قتل کر دیں' یا خود اس کے ہاتھوں قتل ہو جائیں۔

آپ رضی اللہ عنہ کے درمیان اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی افواج کے درمیان جو دشمنانہ جھگڑا تھا' اس کے باوجود آپ نہ ان سے جنگ کرتے تھے اور نہ ان سے اپنے اور اپنے ساتھیوں کے بدلے لیتے تھے ہاں اسی قدر بدلہ لیتے تھے جس کے وہ اس گھڑی مستحق ہوتے تھے' اتفاق سے جنگ صفین کے روز حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں سے ایک شخص کریز بن صباح حمیری نے دونوں صفوں کے درمیان نکل کر للکارا کہ "کون مقابلہ کرے گا۔"

تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں سے ایک آدمی اس کے مقابلہ میں نکلا' جسے اس نے قتل کر دیا اور اس پر کھڑا ہو کر کہنے لگا۔ "کون مقابلہ کرے گا۔" تو ایک اور آدمی اس کے مقابلہ میں نکلا جسے اس نے قتل کر کے پہلے مقتول کے اوپر پھینک دیا پھر للکارنے لگا۔ "کون مقابلہ کرے گا۔" تو لوگ پیچھے ہٹنے لگے اور پہلی صف کے لوگ' ساتھ والی پچھلی صف میں آنے لگے' حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنی صفوں میں رعب کے پھیلنے کا خوف دامن گیر ہوا تو آپ اس شخص کے مقابلے میں جو اپنی شجاعت اور جنگ پر فخر و ناز کر رہا تھا نکلے' اور اسے قتل کر دیا پھر آپ نے تین دفعہ آواز دی جیسے اس نے آپ کے اصحاب کو آواز دی تھی پھر صفوں کو سناتے ہوئے فرمایا:

اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ الشہر الحرام بالشہر الحرام والحرمات قصاص

"حرمت والا مہینہ حرمت والے مہینے کے بدلے میں ہے اور حرمت والی چیزوں کا قصاص ہے اگر تم ہم سے پہل نہ کرتے تو ہم بھی تم سے پہل نہ کرتے۔"

پھر آپ اپنی جگہ پر واپس آ گئے۔

مروت

اب رہی اس باب میں آپ کی مروت کی بات تو وہ جوانمردوں کے درمیان ایسے ہی نادر تر تھی آپ نے اپنی فوج کے برافروختہ سپاہیوں کی یہ بات قبول نہ کی کہ وہ پیٹھ دکھا کر بھاگنے والوں کو قتل کریں یا کسی زخمی کو مار کر اس کا کام تمام کر دیں یا کسی پردہ کو ظاہر کریں یا کسی مال کو حاصل کریں۔

آپ نے جنگ جمل میں اپنے اور اپنے دشمنوں کے مقتولین پر ایک جیسی نماز جنازہ پڑھی۔ آپ نے اپنے لیچڑ اور عداوت میں متحد دشمنوں یعنی عبداللہ بنؓ زبیر رضی اللہ عنہ' مروان بن الحکم اور سعید بن العاص پر غالب آ کر ان کو معاف کر دیا اور انہیں کوئی گزند نہ پہنچایا' نیز آپ نے عمرو بن العاص پر غالب آ کر جو آپ کے لیے ایک ساز و سامان سے لیس فوج سے بھی زیادہ خطرناک تھا' اس سے اعراض کیا اور جب اس نے آپ کی تلوار کی ضرب سے بچنے کے لیے اپنی شرمگاہ کو ننگا کر دیا تو آپ نے اسے زندہ چھوڑ دیا۔۔۔ اور جنگ صفین میں حضرت معاویہ کی فوج آپ کے اور پانی کے درمیان حائل ہو گئی حالانکہ فوج کے جوان آپ سے کہہ رہے تھے کہ:

"آپ کو پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں ملے گا یہاں تک کہ آپ پیاس سے

مرجائیں۔"

مگر جب آپ نے ان پر حملہ کر کے ان کو وہاں سے نکال دیا تو انہیں وہاں سے اپنی فوج کی طرح پانی پینے کی اجازت دی اور آپ نے جنگ جمل کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ملاقات کی تو ام صفیہ ام طلحۃ الطلحات نے آپ پر آوازہ کسا کہ:

"جس طرح آپ نے میرے بچوں کو یتیم کیا ہے' اسی طرح اللہ تعالیٰ آپ کے بچوں کو بھی یتیم کرے۔"

تو آپ نے اسے کچھ جواب نہ دیا' پھر آپ باہر نکلے تو اس نے دوبارہ آپ سے یہی بات کہی تو آپ خاموش رہے اور اسے کوئی جواب نہ دیا' ایک آدمی نے جسے اس عورت کی بات نے غضب ناک کر دیا تھا' کہا یا امیرالمومنین! کیا آپ اس عورت سے اعراض کریں گے حالانکہ جو کچھ یہ کہہ رہی ہے آپ اسے سن رہے ہیں؟

تو آپ نے اسے ڈانٹ کر فرمایا:

"تیرا برا ہو ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم عورتوں سے خواہ وہ مشرکہ ہوں باز رہیں کیا ہم ان سے باز نہ رہیں جو مسلمان ہیں؟"

اور آپ ابھی راستے ہی میں تھے کہ آپ کو اپنے دو پیروکار آدمیوں کے متعلق اطلاع دی گئی کہ وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو برا بھلا کہہ رہے ہیں تو آپ نے ان دونوں کو سو کوڑے مارنے کا حکم دیا پھر آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو نہایت عزت کے ساتھ الوداع کہا اور کئی میل تک آپ کی رکاب میں چلے اور آپ کے ساتھ خدمتگار بھیجے تاکہ وہ آپ کی خدمت کریں اور آپ کو اپنے گھیرے میں لیے رہیں۔ کہتے ہیں کہ آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ عبدالقیس کی عورتوں میں سے بیس عورتیں بھیجیں اور انہیں عمامے باندھے اور ان کے گلوں میں تلواریں لٹکائیں۔ اور جب آپ ایک راستے پر جا رہی تھیں تو آپ نے نازیبا طریق پر آپ کو یاد کیا اور بے قراری میں اف اف کرتے ہوئے کہا۔

"اس نے مجھے اپنی فوج کے جوانوں کے سپرد کر کے میری بے عزتی کی ہے۔"

پس جب آپ مدینہ پہنچیں تو عورتوں نے اپنے عمامے اتار دیئے اور آپ سے کہا کہ

"ہم تو عورتیں ہیں۔"

اور اپنے مخالفین کے ساتھ اس قسم کی مروت کرنا آپ کی سنت تھی خواہ وہ عزت کے مستحق ہوں یا نہ ہوں اور جسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جیسی حرمت حاصل ہو اور جس کو بالکل

کوئی حرمت حاصل نہ ہو آپ سبھی کے ساتھ مروت سے پیش آتے تھے اور یہ ایک نادر تر مروت ہے جو جنگ کی شدت میں کسی جانباز سے ظہور میں آئی ہے۔ شرافت و نجابت
اس کے ساتھ ساتھ شرافت و نجابت اور ندرت کے باعث آپ کے سینے میں ان لوگوں کے متعلق بھی کوئی کینہ نہ تھا جو آپ کے سب سے بڑے دشمن اور سب سے زیادہ نقصان پہنچانے والے اور آپ کے ساتھ کینہ رکھنے میں سب سے زیادہ مشہور تھے' آپ نے اپنے اہل اور اصحاب کو اپنے قاتل کے مثلہ کرنے اور اس کے سوا کسی اور کے قتل کرنے سے منع فرمایا۔ اور جس طلحہ رضی اللہ عنہ نے آپ کی بیعت چھوڑ دی اور آپ سے جنگ کرنے کے لیے فوجیں اکٹھی کیں آپ نے اس غمگین کی طرح اس کا مرثیہ کہا جس کے کلام سے دکھ اور محبت کا اظہار ہوتا ہے اور آپ نے اپنے اتباع کو وصیت کی کہ جن خوارج نے آپ کی صفوں میں انتشار پیدا کیا ہے اور آپ کے معاملے میں گڑبڑ کی ہے' وہ ان سے جنگ نہ کریں حالانکہ وہ آپ کے لیے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی فوج سے بھی بڑھ کر برے تھے' اس لیے کہ آپ نے ان کو مخلص پایا تھا اگرچہ وہ خطاکار تھے اور اپنی غلطی پر مصر تھے۔

اور شجاعت کے ساتھ ---- خصوصاً ہاتھوں سے جنگ کرنے والے شہسواروں کی شجاعت کے ساتھ --- ایک لازمی خوبی مقرن ہوتی ہے جو اس کے عمل کو مکمل کرتی ہے اور وہ اس سے کم ہی جدا ہوتی ہے گو وہ خوبی اور شجاعت' پانی کے چھڑکاؤ' یا نور کی شعاع کے مانند ہوتی ہے اور شہسوار کی شجاعت صرف اس خوبی کے ساتھ ہی ہو سکتی ہے جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے اور وہ خوبی "اعتماد" یا "اعتزاز" ہے یا خاص طور پر میدان جنگ میں دشمن پر خوف و ہیبت طاری کر دینا ہے۔

بعض لوگ اسے فخر و غرور کا نام دیتے ہیں مگر یہ فخر و غرور نہیں اور نہ ہی یہ اس کی اصل اور علامت میں سے ہے اگرچہ بعض رنگوں میں اس سے مشابہت رکھتی ہے۔

پس مذموم فخر و غرور ایک فضول چیز ہے جس کا نہ کوئی لزوم ہے اور نہ اس میں کوئی بھلائی پائی جاتی ہے اور وہ ایک دھوکہ دینے والا رنگ ہے جو کمزوری کے ساتھ بھی اسی طرح پایا جاتا ہے جیسے طاقت کے ساتھ پایا جاتا ہے اور وہ بزدل پر بھی شجاع کی طرح نمایاں ہو جاتا ہے۔

مگر جس اعتزاز کی طرف ہم اشارہ کر رہے ہیں یا وہ اعتماد جو ہمارے سامنے اعتزاز کی صورت میں نمایاں ہوتا ہے' وہ جانباز شہسوار کی شجاعت کا ایسا جز ہے جس سے وہ بے نیاز

نہیں ہو سکتا اور وہ دشمن کے مقابلہ میں ہمیشہ ہی اس کی کارروائی کے ساتھ متصل رہتا ہے اور وہ قوت کی ایک عرض ہے جو جنگ کے درپے دشمن کے ارادے کو کمزور کرنے اور اسے دہشت زدہ کرنے میں شہسوار کی مدد کرتی ہے' اس جگہ پر اس کی مثال ان عروض کی سی ہے جن پر اعتماد کر کے فوجیں اعلان جنگ کرتی ہیں اور ان کو حقیر جاننے سے دشمنوں کو خوف زدہ کرتی ہیں اور ان پر حملہ کرتی ہیں پس وہ شجاعت کی طرح جنگ کے سامانوں میں سے ایک ضروری سامان ہے جو اس سے جدا نہیں ہوتا اور اس میں فخر و تکبر کی کوئی بات نہیں پائی جاتی جس سے شجاع' اپنے غرور کو پسند کرے اور بلا ضرورت اس پر تکبر کرتا پھرے۔

اسی لیے لوگوں نے قدیم زمانے سے عسکری فخر کو جائز سمجھا ہے اور اسے یاد رکھا ہے اور اسے بیان کیا ہے اور اسے روایت کیا ہے۔ پس انہوں نے شہسوار کے لیے جائز قرار دیا ہے... بلکہ شاید انہوں نے اس پر واجب قرار دیا ہے کہ جب اس کا مدمقابل اس کے مقابلے کے لیے آگے آئے تو وہ اسے خوف ناک فخریہ باتوں میں لگا لے اور اپنی جنگوں کے اشعار پڑھتا ہوا اور اپنی ضربوں کے خوف سے ڈراتا ہوا اور اپنی جنگوں کی تعریف کرتا ہوا اس سے جنگ کرے اور انہوں نے معلوم کر لیا ہے... کہ جس طرح وہ اس کی شجاعت کے محتاج ہیں اسی طرح وہ اس کے فخر' بہادری اور اپنے مدمقابل کے دل میں رعب ڈالنے کے بھی محتاج ہیں' یہی وجہ ہے کہ فخر و بہادری کے قصائد بھی محبت و مناجات کے قصائد کی طرح مشہور ہیں اور یہ قصائد دلوں کو نہایت ہی محبوب ہیں۔

اور جن طبائع میں یہ عادت جڑ پکڑے ہوئے ہو وہ اسے تمام قبائل میں فطرتاً اور ارتجالاً بغیر کسی بناوٹ اور تعمد کے مشاہدہ کرتی ہیں... پس ہم تمام عربی اور غیر عربی قبائل کو دیکھتے ہیں کہ جب وہ کسی مدمقابل سے جنگ کرتے ہیں تو وہ اسے اپنے جسم کی بڑائی اور قوت کی زیادتی اور نظر کی سختی اور کپڑے یا بالوں کے دھننے سے مقدور بھر خوفزدہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس قسم کے موقف میں انسان کھڑا ہو کر اپنی قامت کو دراز کرتا اور اپنے سینے کو ابھارتا اور اس پر اپنا ہاتھ مار کر بزبان حال وہ باتیں کہتا ہے جو زبان سے کہی جاتی ہیں پس یہ فخر اور بہادری ہے اور اعتماد و اقدام کا عنوان ہے۔

اور میدان کے شہسواروں کے لیے یہ خوبی لازمی ہے اور خصوصاً پہلے زمانوں کے شہسواروں کے لیے جو جنگ کے لیے آمنے سامنے کھڑے ہوتے تھے اور ان میں سے ہر کوئی حملہ کرتے وقت اپنے مدمقابل کو دیکھتا تھا۔

اعتماد اور اعتزاز

یہ خوبی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خوبیوں میں سے ہے جو اسے سمجھنا چاہتا ہے سمجھ لے اور اس کی وسعت سے اپنا سینہ تنگ نہ کرے اور آپ کا حاسد اس کا انکار کر کے اسے فخر و غرور کا نام دے گا اور یا اسے اکھڑپن اور تکبر کا نام دے گا' قیس بن سعد نے مصر کی حاکیت سے معزول ہونے کے بعد آپ سے کہا۔

"خدا کی قسم آپ تکبر کو دیکھنا جانتے ہی نہیں--- اور حضرت زبیر بن العوام' رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بنی غنم میں سے گزرتے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قریب ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا دیئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی جواب میں مسکرا دیئے تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا:

ابن ابی طالب اپنے فخر و غرور کو نہیں چھوڑے گا--- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اسے فخر و غرور نہیں ہے اور تو ظالم ہونے کی حالت میں اس سے ضرور جنگ کرے گا۔"

پس یہ ناپسندیدہ فخر نہیں بلکہ وہ شجاعت ہے جس سے شجاع بھرپور ہوتا ہے اور وہ اعتماد ہے جو اس کے خلوص اور استقامت میں کھلم کھلا نظر آتا ہے' کیونکہ صاحب اعتماد آدمی اس کی مدارات کا تکلف نہیں کرتا اور نہ ہی وہ اس کی مدارات کی ضرورت محسوس کرتا ہے اس لیے کہ نہ وہ اس کا قصد کرتا ہے اور نہ اس کے اظہار کا عمداً ارادہ کرتا ہے۔

اور حضرت ابن ابی طالب میں اس خلق کا مدار' صحیح اعتماد پر تھا جو آپ سے گھٹنے اور چلنے کے زمانے سے لے کر بلوغت تک پہنچنے سے قبل تک جدا نہیں ہوا۔ پس ابتدائی طفولیت نے ایک دن بھی آپ کو منع نہیں کیا کہ آپ اس دنیا میں اپنے آپ کو کوئی "چیز" سمجھیں اور یہ کہ آپ کوئی پناہ دینے والی قوت ہیں جس کی طرف پناہ لینے والا مائل ہوتا ہے اور ابھی آپ قریباً دس سال ہی کے تھے کہ ایک روز قریشی سرداروں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا گھیراؤ کر لیا اور آپ کو ڈرانے لگے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرنے لگے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے چہروں کو دیکھنے لگے اور مددگار کے متعلق دریافت کرنے لگے مگر وہاں کوئی مددگار نہ تھا--- اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کسی بہادری یا عزیمت کے مقام پر ڈرنے والے ہوتے تو اس روز ان شیوخ کے درمیان ڈر جاتے' جنہیں بدوی قبیلہ کے آداب نے خشیت اور خشوع کے مقام تک سربلند کر دیا تھا لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ اس نوعمری میں ہی پچاس' ساٹھ سال کی عمر والے علی رضی اللہ عنہ تھے۔ آپ نے ان کے استہزاء کے حال میں ایک پر اعتماد اور غضبناک شخص کی طرح بلا تردد

آواز دی کہ میں آپ کا مددگار ہوں--- تو وہ جہالت اور استکبار سے آپ پر ہنسنے لگے اور قضاو قدر نے جان لیا کہ اس وقت اس نوجوان کا تائید کرنا ان سرداروں کے ساتھ جنگ کرنے سے زیادہ بڑی بات ہے۔

یہ وہی علی رضی اللہ عنہ ہیں جو ہجرت کی شب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر سوئے۔ حالانکہ آپ کو علم تھا کہ تمام مکہ والے اس بستر پر سونے والے کے قتل کے مشورے کر رہے ہیں۔

اور یہ وہی علی رضی اللہ عنہ ہیں جو بار بار عمرو بن ود سے جنگ کرنے کے در پے ہوئے اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو بٹھاتے اور آپ کو اس انجام سے ڈراتے جس سے عرب شہسوار بلاخوف ڈراتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے بیٹھ جاؤ' یہ عمرو ہے' حضرت علی رضی اللہ عنہ جواب دیتے' خواہ عمرو ہی ہو میں اس سے مقابلہ کروں گا--- گویا آپ جانتے ہی نہ تھے کہ کون ڈرتا ہے اور کیسے ڈرا جاتا ہے' آپ صرف اس شجاعت کو جانتے تھے جس سے آپ بھرپور تھے اور بغیر کسی کلفت اور پرواہ کے اس پر اعتماد رکھتے تھے۔

اور شہسواری کی لمبی ریاضت کی وجہ سے یہ اعتماد آپ میں رچ بس گیا تھا جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ یہ شجاعت کے اسباب میں سے ایک سبب ہے اور اس اعتماد کو حاسدوں کے حسد اور منکروں کی ضد نے مزید مضبوط کر دیا ہے اور یہ دونوں اس لائق ہیں کہ آدمی ان سے پختہ اعتماد اور بے لچک خودداری حاصل کرے اور اپنے آپ پر اس اعتماد کے شواہد میں سے یہ بات بھی ہے کہ آپ اسے میدان شجاعت سے اٹھا کر میدان علم و رائے میں بھی لے آئے آپ فرمایا کرتے تھے۔

"مجھے کھو دینے سے پہلے پہلے مجھ سے پوچھ لو' اس خدا کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ تم اپنے اور قیامت کے درمیان جو بات بھی مجھ سے پوچھو گے اور اس گروہ کے متعلق جو ایک سو آدمی کو ہدایت دیتا اور ایک سو آدمی کو گمراہ کرتا ہے جو بات بھی پوچھو گے میں تم کو اس کے آواز دینے والے' اس کے رہنمائی کرنے والے اور اس کے ہانکنے والے اور اس کے اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ اور اس کے کجاووں کے اترنے کی جگہ کے متعلق بتاؤں گا۔"

اور اس کے شواہد میں سے یہ بات بھی ہے کہ جب خارجی آپ پر دین سے برگشتہ ہو جانے کی تہمت لگا رہے تھے' آپ فرماتے تھے کہ

"میں اس امت میں اپنے نبی کے بعد اپنے سوا کسی آدمی کو نہیں جانتا جس نے

اللہ تعالیٰ کی عبادت کی ہو' میں نے اس امت کے کسی آدمی کے خدا کی عبادت کرنے سے نو سال پہلے' اس کی عبادت کی ہے۔"

اتہام نے اور بھی آپ کو اپنے آپ پر بھروسہ کرنے میں زیادہ پختہ کر دیا' جب آپ کے مخالفین' حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے ترک مشورہ پر آپ پر عتاب کیا تو آپ نے فرمایا:

"میں نے کتاب اللہ کی طرف دیکھا اور جو اس نے ہمارے لیے قانون وضع کیا ہے اس پر نظر کی اور جس کے ساتھ اس نے ہمیں فیصلہ کرنے کا حکم دیا ہے میں نے اس کی اتباع کی ہے اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کی اقتداء کی ہے پس مجھے اس بارے میں نہ آپ دونوں کی رائے کی ضرورت ہے اور نہ کسی اور کی' اور نہ کوئی ایسا فیصلہ ہوا ہے جس سے میں ناآشنا ہوں کہ تم دونوں اور اپنے مسلمان بھائیوں سے مشورہ لوں' اگر ایسی بات ہوتی تو میں آپ دونوں اور دیگر لوگوں سے منہ نہ پھیرتا۔"

اور آپ نے اس عادت کا اظہار اس لیے کیا کہ آپ رضی اللہ عنہ نہ تکلف کرتے تھے اور نہ محبت کے لیے حیلہ بازی کرتے تھے بلکہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ

"برا بھائی وہ ہے جس کے لیے تکلف کیا جائے۔"

اور فرماتے تھے۔

"جب مومن اپنے بھائی سے منقبض ہوتا ہے تو اسے چھوڑ دیتا ہے۔"

اور جو لوگ آپ سے بناوٹ اور رضامندی کے خواہش مند ہیں وہ غلطی پر ہیں' خصوصاً رعایا کے ان ارزاق و حقوق کے متعلق جن کا آپ کو امین بنایا گیا ہے' وہ خیال کرتے ہیں کہ یہ واضح اکھڑپن اور فخر و غرور ہے حالانکہ نہ یہ اکھڑپن ہے اور نہ فخر و غرور ہے بلکہ یہ شہسوار کی وہ شجاعت ہے جو اپنے لوازم سے جدا نہیں ہوتی اور یہ بدظنی کا وہ ناشکرا غصہ ہے جو اپنے قیدی کو مدارات اور ریاکاری کرتے نہیں دیکھتا پس تکلف سے ان عادات کا اظہار نہیں ہوتا جیسا کہ وہ اسے فخر و غرور یا اکھڑپن کہتے اور سمجھتے ہیں بلکہ مختصربات یہ ہے کہ وہ اخفاء کا بھی تکلف نہیں کرتا اور جب وہ اپنے دلی خیالات کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو وہ عجیب بات کا ارادہ نہیں کرتا اور نہ اس سے راضی ہوتا ہے بلکہ وہ اس سے منع کرتا اور بہ شدت اس سے اجتناب کرتا ہے اور جس سے محبت کرتا ہے اسے وصیت کرتا ہے کہ

"اپنے آپ پر غرور کرنے اور اپنے نفس کی اچھی لگنے والی بات پر اعتماد کرنے سے بچ... اور خوب سمجھ لے کہ خودپسندی' صواب کی دشمن اور عقل کی آفت ہے۔"

تکلف:

ہاں ہاں' حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اخلاق کا دارومدار اس امر پر تھا کہ آپ نہ کسی چیز کے اظہار میں تکلف کرتے تھے اور نہ کسی چیز کے اخفاء میں تکلف کرتے تھے اور اپنے مداحین سے بھی تکلف کو قبول نہ کرتے تھے' بسااوقات ایک آدمی آپ کی تعریف میں افراط سے کام لیتا' حالانکہ وہ آپ کے نزدیک متہم ہوتا تو آپ اسے اس وقت تک نہ چھوڑتے جب تک اس کی نیت کا اعلان نہ کر دیتے اور اسے فرماتے:

"جو کچھ تو کہہ رہا ہے میں اس سے کمتر ہوں اور جو کچھ تیرے دل میں ہے اس سے بڑھ کر ہوں۔"

اور تکلف کی یہ قلت آپ کی شجاعت' جنگ اور بھرپور اعتماد اور قوت کی عظیم عادت سے موافقت رکھتی ہے اور حقیقت و مجاز کے مسلک میں برابر آپ کے ساتھ چلتی ہے' گویا آپ جو کچھ کرتے ہیں اس کے ساتھ اس کا واسطہ ہے اور آپ کا اس سے کوئی واسطہ نہیں ہے' اس کا اظہار آپ سے بدیہہ طور پر ایسے ہی ہوتا تھا جیسے اشیاء اپنی کانوں سے برآمد ہوتی ہیں۔ مثلاً آپ اپنے مدمقابل اصحاب کے سامنے تھکے ماندے ہونے کی حالت میں بھی چلے جاتے تھے حالانکہ وہ حیلے اور ریاکاری سے پُر ہوتے تھے اور کبھی کبھی آپ خضاب بھی نہیں لگاتے تھے اور سفید بالوں کو سفیدی کی حالت ہی میں چھوڑ دیتے تھے اور ان اوقات کے علاوہ بالوں کو خضاب سے محروم نہیں کرتے تھے۔ حالانکہ اس سے آپ کی بے پروائی کم ہوتی تھی ہر خضاب نے جو چھپانا اور ظاہر کرنا ہوتا ہے اسے وہ چھپاتا اور ظاہر کرتا ہے' کیا یہ آپ کی عجیب عادت اور عجیب خیال نہیں؟

بلکہ آپ کی یہ قلت تکلف' آپ کی ایک اور عادت سے بھی موافقت رکھتی ہے جیسا کہ شجاعت' اپنی قوت اور مضبوطی سے موافقت رکھتی ہے یا وہ شریف شہسوار کے دل میں شجاعت کے قریب قریب ہوتی ہے اور اس سے کم ہی جدا ہوتی ہے' ہماری مراد اس صریح سچ سے ہے جس پر آدمی دکھ اور مصیبت میں بھی ایسے ہی جرات کر لیتا ہے جیسے منفعت اور آسودگی میں کر لیتا ہے اور کسی شخص نے آج تک یہ ہمت نہیں پائی کہ وہ آپ کے ذمے کوئی ایسی بات لگائے جس میں آپ نے صلح اور جنگ میں اور اپنے اصحاب اور اپنے دشمنوں کے

درمیان، خالص حق کی مخالفت کی ہو اور شاید آپ مددگاروں اور دشمنوں کے درمیان رفاقت پیدا کرنے کے لیے اس کے بہت ضرورت مند تھے کیونکہ انہوں نے ضد اور اختلاف سے آپ کو تنگ کر لیا تھا، پس آپ نے تنگی اور آرام میں ان کے ساتھ سچ بات کرنے سے تجاوز نہیں کیا یہاں تک کہ آپ کے ایک نہایت قریبی آدمی نے کہا کہ

"آپ ایسے آدمی ہیں جو جنگ میں اپنی شجاعت کو تو جانتے ہیں لیکن اس کے حیلوں کو نہیں جانتے۔"

اور آپ ہمیشہ اپنے اس قول کے قائل رہے کہ

"ایمان کی علامت یہ ہے کہ تو سچ کو جھوٹ پر اس وقت ترجیح دے جب جھوٹ سے تجھے فائدہ ہو اور سچ سے تجھے نقصان ہو اور یہ کہ تیری گفتگو تیرے علم پر فضیلت ہو اور تو دوسرے کی بات کے بارے میں اللہ سے ڈرے۔"

اور آپ اپنے ایمان و تقویٰ میں بھی اپنے دائیں ہاتھ کے کام اور اپنی زبان کی گفتگو کی طرح راست باز تھے اور کوئی خلیفہ آپ سے دنیوی لذت یا حکومت کی بخشش میں زیادہ بے رغبت نہ تھا اور آپ امیرالمومنین ہوتے ہوئے جو کھاتے تھے اور آپ کی بیوی اپنے ہاتھوں سے انہیں پیستی تھی اور جس تھیلے میں جو کا آٹا ہوتا تھا آپ اس پر مہر لگا دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ

"میں پسند نہیں کرتا کہ میرے پیٹ میں وہ چیز داخل ہو جس کا مجھے علم نہ ہو۔"

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ جو امیہ خاندان سے تھے، جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بغض رکھتا تھا اور آپ کے لیے برائیاں گھڑتا رہتا تھا اور آپ کی بے شمار خوبیوں کو چھپاتا تھا، فرماتے ہیں:

"دنیا کو سب سے زیادہ بے رغبتی کے ساتھ چھوڑنے والے حضرت علی بن ابی طالب ہیں۔"

اور سفیان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ

"حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نہ اینٹ پر اینٹ رکھی اور نہ سرکنڈے پر سرکنڈہ رکھا ہے۔"

اور آپ نے 'ان شگافوں کو پسند کرتے ہوئے جہاں پر فقراء سکونت پذیر تھے 'کوفہ کے قصرابیض میں فروکش ہونے سے انکار کر دیا اور بعض اوقات آپ نے اپنی تلوار فروخت کر

دی تاکہ آپ اس کی قیمت سے چادر اور کھانا خرید سکیں اور نضر بن منصور نے عقبہ سے اور اس نے علقمہ سے روایت کی ہے وہ بیان کرتا ہے کہ

"میں ایک روز حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس گیا' کیا دیکھتا ہوں کہ آپ کے سامنے کھٹا دودھ جس کی کھٹائی نے مجھے ازیت دی اور خشک روٹی کا ٹکڑا پڑا ہوا ہے میں نے کہا یا امیرالمومنین کیا آپ اس قسم کا کھانا کھاتے ہیں؟ آپ نے مجھے فرمایا اے ابوالجنوب! رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بھی زیادہ خشک روٹی کھایا کرتے تھے اور میرے کپڑوں سے زیادہ کھردرا لباس زیب تن فرمایا کرتے تھے' اگر میں آپ کے طریق کو اختیار نہ کروں تو مجھے خوف ہے کہ میں آپ سے مل نہ سکوں گا۔"

اس شدید زہد کے باوجود حضرت علی رضی اللہ عنہ طبیعت کی خشکی' تنگ دلی اور معاشرتی بدسلوکی سے بہت دور تھے بلکہ آپ میں نرمی پائی جاتی تھی جس میں آپ بے تکلفی بھی کرتے تھے حتیٰ کہ آپ کو بہت خوش طبع کہا جاتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی گئی ہے کہ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا۔

"خدا تعالیٰ تیرے باپ کو عزت دے' تجھ میں خوش طبعی پائی جاتی ہے۔"

اور کچھ لوگوں نے آپ سے استخلاف کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا:

"میرے خیال میں علی رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ میں سے ایک آدمی خلافت حاصل کرے گا' پس وہ ایسا آدمی ہے جس میں خوش طبعی پائی جاتی ہے اور وہی انہیں راستے پر ڈالنے کا سزاوار ہے۔"

اور حضرت ابن العاص نے آپ کی خوش طبعی کو حد سے بڑھ کر بیان کرتے ہوئے اسے "زبردست خوش طبعی" کا نام دیا ہے اور وہ اس بات کو اہل شام کے درمیان بار بار دہرانے لگے تاکہ وہ اس کے ذریعے امام کی خلافت کی اہلیت کے بارے میں قدح کر سکیں' ہم صرف یہی کہتے ہیں کہ ابن العاص نے اس وصف کے بیان میں مبالغہ سے کام لیا ہے اور عیب دار خوش طبعی کبھی آپ کی صفات میں شامل نہ تھی' کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تاریخ اور آپ کے دوستوں اور دشمنوں کے ساتھ آپ کے اقوال و نوادر ہمارے پاس محفوظ ہیں جن سے ہمیں آپ کی خوش طبعی کی عادت کے متعلق یہی دلیل ملتی ہے کہ آپ کچھ زیادہ ہی خوش طبع واقع ہوئے تھے پس اگر اس وصف کی کچھ فضیلت ہے تو اس نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے لیے اس کا بیان کرنا مباح قرار دیا ہے اور بسا اوقات اس بات کا مرجع یہ امر ہوا کہ حضرت

علی متعدد سالوں تک کسی شغل شاغل سے فارغ رہے اور اس شغل شاغل نے آپ کو اپنی پختگی سے ہٹا دیا اور بعض وقت آپ کو اپنی نرمی کی طرف اور اپنے دوستوں اور مریدوں سے باتیں کرنے کے لیے چھوڑ دیا' پس اس آرام کو خالص خوش طبعی خیال کر لیا گیا پھر مبالغہ کرنے والوں نے اس میں مبالغہ کر لیا اور اس کا ایک واقعہ یا کوئی نادر واقعہ بھی تحریر نہ کر سکے جو ان کے بیان کردہ قول کو ان کے لیے جائز قرار دیتا۔

اور حضرت امام کو کچھ فکری صفات اور خوبیاں بھی حاصل تھیں جو آپ کی مشہور اور متفقہ نفسیاتی اور اخلاقی خوبیاں ہیں۔ آپ کے انصار اور مخالفین آپ کی بلاغت پر متفق ہیں اور آپ کے علم و سمجھ پر بھی متفق ہیں اور اس کے علاوہ معاملات کے نمٹانے میں آپ کی رائے اور آدمیوں کے انتظام کے بارے میں آپ کی زیرکی کے متعلق مختلف آراء رکھتے ہیں۔

اور حق بات یہ ہے جس میں کسی قسم کا اختلاف نہیں پایا جاتا کہ آپ کو تیز فہمی سے خاص حصہ ملا تھا جس کا کوئی انصاف پسند آدمی انکار نہیں کر سکتا اور آپ نے فیصلہ جات کی مشکلات میں حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کو بہترین مشورے دیئے اور آپ ان خلفاء کی مانند تھے جو اصحاب حکمت اور فکری مذاہب کے محققین میں سے ہوتے ہیں اور قبل اس کے کہ یونانی یا ایرانی علم وہاں پہنچتا' علم کلام کے اخلاق کو سمجھتے تھے پس آپ ایسے عالم تھے جو سینوں کی پوشیدہ باتوں کو جانتے ہیں اپنے مواعظ اور خطبات میں ایک عقل مند ادیب کی طرح ان کی شرح کرتے ہیں۔

یہ ایک متفقہ بات ہے جس میں کوئی زیادہ اختلاف نہیں پایا جاتا' پھر لوگ آپ کے بارے میں متفرق ہو کر دو رائے دیتے ہیں اگرچہ وہ پارٹی باز دشمنوں میں سے نہیں ہیں' بعض لوگ کہتے ہیں کہ آپ کو فہم اور مشورہ سے وافر حصہ ملا تھا لیکن کام کے وقت آپ مشکل وقت کے تقاضے کو نہ سمجھتے تھے اور جو کچھ سمجھتے تھے اس سے فائدہ نہ اٹھاتے تھے اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ تنگی اور اضطرار آپ کو روکے رکھتے تھے اور آپ کے دشمنوں کو یہ دونوں باتیں نہ روکتی تھیں حالانکہ وہ آپ سے سمجھ اور راستی میں کم تر تھے اور آپ نے اپنے لیے ایک عذر بنایا ہوا تھا جو اس عذر کے مشابہ تھا' ایک موقع پر آپ نے فرمایا:

"خدا کی قسم معاویہؓ مجھ سے زیادہ زیرک اور ہوشیار نہیں ہیں لیکن وہ جھوٹ بولتے اور عہد شکنی کرتے ہیں اور اگر عہد شکنی کو میں ناپسند نہ کرتا تو میں سب

لوگوں سے بڑھ کر زیرک اور ہوشیار ہوتا۔"

اور دونوں آراء میں سے کونسی رائے قاطع ہے اس کا اظہار ہم آئندہ فصلوں میں مناسب مواقع پر مفصل طور پر کریں گے، لیکن اس جگہ پر ہم دو حقیقتوں کا تعین کرتے ہیں جو مجمل طور اپنے اندر وہ بات رکھتی ہیں جسے ہم اس کتاب میں اپنے مقام پر تفصیل سے بیان کریں گے اور ہمارے خیال میں وہ دونوں حقیقتیں طویل بحث کی متحمل نہیں ہوں گی اور وہ دونوں یہ ہیں کہ کسی آدمی نے کبھی یہ بات ثابت نہیں کی کہ مشکلات کے حل میں امام کی رائے کی نسبت دوسروں کی آراء پر عمل کرنا زیادہ سودمند اور فائدہ بخش تھا اور نہ ہی کسی نے کبھی یہ بات ثابت کی ہے کہ امام کے مخالفین امور کو ان سے بہتر طور پر سرانجام دیتے تھے، کاش وہ ان کی جگہ ہوتے اور انہیں بھی وہی پریشانیاں لاحق ہوتیں جو انہیں لاحق تھیں اور یہ دونوں حقیقتیں اس لائق ہیں کہ ترازو کی زبان کو مائل ہونے سے پہلے کنٹرول کرلیں تاکہ وہ ادھر ادھر نہ ہو جائے۔

یہ صفات ایک باترتیب لڑی میں پروئی ہوئی ہیں، وہ طاقتور ہونے کی وجہ سے راست باز ہے اور راست باز ہونے کی وجہ سے زاہد مستقیم ہے اور اختلاف کے پیدا کرنے کا مقام ہے کیونکہ راست بازی، رضامندی اور نارضامندی اور قبول و نفور میں، راست باز کے ساتھ نہیں گھومتی اور اس راست باز آدمی کے لیے سب سے سچی شہادت یہ ہے کہ لوگوں نے اس کی زندگی ہی میں اس کے لیے شاندار اور مثالی صفات ثابت کی ہیں اور انہوں نے صرف اسی بات میں اختلاف کیا ہے جو ان کی خواہشات سے متصادم تھی اور اسی کے متعلق انہوں نے شبہات پیدا کیے ہیں اور کوئی ایسا شخص موجود نہیں جس نے خواہشات کے پیچھے لگ کر آپ پر طعن کیا ہو اور پھر وہ ٹھوس بات تک پہنچا ہو۔

مولانا سید علی نقی نقوی

فضائل جناب امیرؑ کی امتیازی خصوصیات

دنیا میں بے شمار جماعتیں ہیں اور ہر جماعت کے کچھ پیشوایان و بزرگان ہیں اور ہر ایک پیشوا بزرگ کی روحانی و اخلاقی عظمت کے متعلق روایات ہیں جو اس جماعت میں شہرت رکھتی ہیں اور اس جماعت کے افراد ان روایات کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہیں۔

ان قدیم مذاہب کو جانے دیجئے جن کا وجود تاریخ کے صفحات پر ہزاروں یا صدیوں برس کی مدت سے چلا آ رہا ہے ابھی وہ جماعتیں جن کی پیدائش آنکھوں کی دیکھی بات ہے ان میں بھی اپنے رہنمایان کے متعلق اس قسم کی روایتیں موجود ہیں اور مقبولیت رکھتی ہیں۔

کون بابی بہائی مذہب کا پیرو ہو گا جو علی محمد باب کے گولیوں کی باڑھ سے ایک مرتبہ محفوظ رہ جانے کو ان کی عظیم طاقت روحانی کا نتیجہ نہ سمجھتا ہو گا اور مرزا حسین علی بہاء مازندرانی کی بغیر تعلیم ظاہری عالم علم لدنی ہونے پر ایمان نہ لایا ہو گا اور کون قادیانی مذہب کا نام لیوا ہو گا جو مرزا غلام احمد قادیانی کو ان تمام کمالات کا حامل نہ سمجھتا ہو گا جن کا وہ اپنے متعلق ادعاء رکھتے تھے اور ان کے بیان کے مطابق اس کا یقین نہ رکھتا ہو گا کہ خدائے عزوجل ان کے خواب میں آیا اور لال روشنائی سے ان کے پیش کردہ کاغذ پر دستخط کیے جس کے قطرے، جو قلم سے جھٹکنے میں گرے تھے ان کے لباس پر بیداری کے بعد بھی نمایاں تھے۔

اسلامی جماعت میں بدقسمتی سے شروع ہی میں افتراق پیدا ہو گیا اور وہ مذہب جو دنیا کو امت واحدہ بنانے اور حبل الٰہی سے بلا افتراق وابستہ کرنے کے لیے آیا تھا اس کے ماننے

والے دوچار نہیں بلکہ تہتر فرقوں میں منقسم ہو گئے جن میں سے ہر ایک نے اپنا قبلۂ مقصد اور کعبۂ عقیدت الگ قرار دے لیا۔

اس صورت میں یہ امر بالکل قابل تعجب نہیں کہ خود مسلمانوں کے مختلف فرقوں میں بہ اعتبار اپنے اپنے بزرگوں کے ایسی روایات شائع ہو گئیں کہ اگر وہ سب یک جا کی جائیں اور ایک غیرجانبدار انسان ان کو دیکھ کر کسی ایک متفقہ نقطہ پر پہنچنا چاہے تو حیرت و سر گشتگی کی ایک ایسی بھول بھلیاں میں گرفتار ہو جائے جس سے چھٹکارا حاصل کرنا جوئے شیر لانے سے کم مشکل نہیں ہے۔

اب اگر وہ ڈاکٹر امید کر کی طرح حقیقت طلبی سے کوئی غرض نہیں رکھتا اور صرف رسمی حیثیت سے مختلف مذاہب پر ایک چھچھلتی ہوئی نگاہ ڈال کر کسی ایک پہلو کی طرف مڑ جانا چاہتا ہے جدھر اس کا دماغ نہیں، مگر دل چلے جانے کی تحریک کر رہا ہے تو وہ اسی ہنگامہ اختلاف کو پورے اسلام ہی سے کنارہ کشی کا بہانہ بنا لے گا اور ادھر چلا جائے گا جدھر جانے کا مشتاق ہے۔

لیکن اگر وہ سچ مچ نقطہ حقیقت کی تلاش میں ہے تو اسے صرف یہ کہہ کر ایک چوراہے سے ہٹ جانے کا حق نہیں ہے کہ یہاں سے تو بہت راستے گئے ہوئے ہیں۔ کیا معلوم کون ٹھیک ہے۔ کیونکہ ان ہی بہت راستوں میں تو ایک وہ بھی ہے جو صحیح منزل تک پہنچانے والا ہے۔ اگر انسان "کاوش جستجو" سے ہمت ہار کر اس نقطۂ مشترک ہی سے ہٹ گیا تو منزل سے جتنا نزدیک ہو گیا تھا اس سے بہت زیادہ اب دور ہو جائے گا۔

ایسے شخص کی یہ "کج دلی" اور "پست ہمتی" بالکل اس انسان کے مانند ہے، جو مختلف مذاہب کے عظیم اختلافی مسائل کو دیکھ کر اصل مذہب ہی سے علیحدہ ہو کر "لامذہبیت" کے گوشہ میں پناہ گزیں ہوتا ہے۔ حالانکہ اس سے اعضاء و جوارح کو زحمت طلب سے ممکن ہے آرام مل جائے لیکن روح کو وہ سکون حاصل نہیں ہو سکتا جو کسی حقیقت کو حقیقت سمجھ کر اختیار کرنے کی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے۔

ایسے لوگوں کی یہ "دماغی کاہلی" برصغیر کے مسلمانوں اور بالخصوص شیعوں کی اس جسمانی کاہلی کے مانند ہے جو اسباب معیشت کی گوناگونی اور نفع و نقصان کے اعتبار سے ان کی دگرگونی سے گھبرا کر ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جانا اپنے لیے سبب نجات سمجھ لیتے ہیں اور اس طرح تجارت و حرفت و صناعت سب چیزوں سے کنارہ کشی کر کے بے کاری کی زندگی گزارنا اپنے

لیے سبب اطمینان سمجھتے ہیں۔ نتیجہ یقیناً دونوں کا ایک ہے' بے شک ایک جگہ "دنیوی" اور ایک جگہ "اخروی"۔

"منزل حقیقت کا طالب" بے شک اس کا فرض ہے کہ ہر ہر جادہ کو سمجھے' ہر ہر رستہ کو پوچھے' ہر ہر گلی' کوچہ میں جستجو کرے کہ کہیں اس کی مطلوبہ منزل اسی کوچہ میں نہ ہو جسے وہ چھوڑ کر آگے نکل گیا ہے۔

اسلامی روایتوں کے اختلاف کی صورت میں بھی جانچ پڑتال کی ضرورت ہے' نقد و تبصرہ کی حاجت ہے۔ سچے جھوٹے' کھرے کھوٹے کے امتیاز کے لیے روایت ودرایت کے حصول پر بحث کی ضرورت ہے۔ تب دودھ کا دودھ پانی کا پانی الگ ہو جائے گا۔ حق نتھر کر باطل کی آمیزشوں سے علیحدہ اور واقعیت نکھر کر آنکھوں کے سامنے آجائے گی۔

سب سے پہلے اسے یہ دیکھنا چاہیے کہ کون فریق ہے جس نے نقد و نظر کے دروازوں کو بند کیا ہے' جرح و تعدیل کے راستوں پر پہرے بٹھائے ہیں اور اپنے مجوزہ راستے کی طرف آنکھوں پر پٹی باندھ کر لے جانا چاہتا ہے۔

"الصحابة کلھم عدول" اصحاب سب کے سب عادل ہیں' اور "اصحابة کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم" "اصحاب نبی سب ستاروں کے مانند ہیں جس کی بھی پیروی کی جائے (بلا استثناء) ہدایت ہی ہدایت ہے۔"

ادھر کسی صحابی کے کسی طرز عمل پر' کتنی ہی متانت' ادب اور تہذیب کے ساتھ کیوں نہ ہو' نکتہ چینی شروع ہوئی ادھر جبین عقیدت پر شکن آئی' چہرۂ اخلاص غصہ سے تمتما گیا اور کاکل ارادت بل کھانے لگی۔ ہائیں! اصحاب نبی ﷺ کی شان میں گستاخی؟ تبریٰ! کھلا ہوا تبریٰ!!

گویا ان لوگوں کی لغت میں کسی اصولی اعتراض اور آئینی اظہار اختلاف کا نام ہے "تبرا" اور اسی کی دوسری تفسیر ہے۔ "گالیاں دینا" جبھی تو جس صاف سادہ مسلمان سے پوچھیے وہ کہے گا کہ گالیاں دینا شیعوں کا جزو مذہب ہے اور یہ شعر پڑھ دے گا

دشنام بہ مذہبے کہ طاعت باشد
مذہب معلوم و اہل مذہب معلوم

پھر کچھ کتابیں ایسی مقرر کر لیں کہ دنیا بدل جائے' زمین آسمان میں انقلاب آجائے' ان ہی کتابوں سے "رنگیلا رسول" ایسی رسوائے عالم کتاب تصنیف ہو جائے' جس پر اس کے

مصنف کو تلوار کے گھاٹ اتار کر خود سولی پر چڑھ جانا پڑے، لیکن یہ زبان سے نہ نکلے گا کہ ان کتابوں کی سب روایتیں معتبر نہیں ہیں، کوئی ضعیف ہے، کوئی موضوع ہے اور کوئی غیر معتبر، بلکہ کہتے یہی رہیں گے کہ "اصح الکتب بعد کتاب الباری" اور یہ کہ ان کی روایات نقد و تبصرہ سے بلند و برتر ہیں۔

اگر کوئی بے چارہ اللہ کا بندہ ذوق تحقیق سے "رجال بخاری" ایسی کتاب لکھ دے گا تو اس پر اخباروں کے صفحات پر وہ شور برپا کیا جائے کہ شور محشر بھی شرما جائے اور وہ بے چارہ ایسا دم بخود ہو کہ پھر اتنی ہمت ہی نہ کرے۔ اور نہیں تو دھمکی دی جائے کہ جو راجپال اور شردھانند کا انجام ہوا وہی تمہارا بھی ہو گا۔

فروغ دین یعنی مسائل شرعیہ میں اجتہاد و استنباط یعنی ذاتی غور و خوض کا دروازہ بند۔ گنتی کے چند اشخاص جو اب سے ایک ہزار سال سے زیادہ پہلے اور پیغمبر اکرم ﷺ کے عہد سے کم و بیش ڈیڑھ دو سو برس بعد یعنی نہ زمانہ نزول احکام و تشریح مسائل کے وقت حاضر نہ زمانہ اجرائے حکم اور ہنگامہ عمل کے ناظر، مگر پورا دارومدار ان ہی کی ذاتی آراء پر اور تقلید کا پورا بار ان کے مردہ بوسیدہ کاندھوں پر۔ قاعدہ ہے کہ جس قوت کے فرائض اس سے الگ کر لیے جائیں وہ قوت پھر ان فرائض کے ادا کرنے سے قاصر ہی ہو جاتی ہے۔

یقیناً صدیوں کی یہ پابندی عقول و افکار میں جمود پیدا کرے تو کوئی تعجب نہیں۔

اصول مذہب میں عقلی بحث کا دروازہ اس لیے بند کہ حسن و قبح عقلی کوئی چیز ہی نہیں اور اچھے یا برے کے کوئی معنی نہیں۔

اب رہا کیا؟ آنکھیں بند کر کے کانوں پر پردے ڈال کے، دماغی طاقتوں کو بے کار و معطل بنا کے جو کچھ کہا جائے اسے مان لو اور جو بتایا جائے، اسے جان لو، سمجھنے کی کوشش نہ کرو۔

ایک غیر جانبدار وسیع الخیال انسان کو اسی سے کھٹکنا چاہیے اور دل میں کہنا چاہیے یاالٰہی معاملہ کیا ہے، فرامیشن کا کارخانہ ہے؟ طلسمی قلعہ ہے؟ راہ ظلمات ہے؟ آخر ہے کیا کہ چون و چرا کی گنجائش نہیں۔ سوچنے سمجھنے کی اجازت نہیں۔ اس کا ضمیر ضرور بے اطمینانی کی کروٹیں بدلے گا اور شک و شبہ سے پیچ و تاب کھائے گا اور سمجھے گا کہ کچھ نہ کچھ ہے جس کی پردہ داری منظور ہے۔

اب اگر اس نے اس منزل سے عبور کر لیا اور ذرا آنکھیں کھول کر دیکھنے کی کوشش کی اور پیشوایان مذہب کے مدارج و مراتب پر اس کی خصوصیت سے نگاہ گئی اور تفصیل کے

خارزار میں دامن الجھانے سے قبل اس نے اجمال کی وادی کو طے کرلینا چاہا اور یہ دیکھا کہ آخر اصولی حیثیت سے ایک بزرگ ترین پیشوا کے لیے معیار کیا مقرر کیا گیا ہے؟

اس نے ایک طرف نگاہ ڈالی۔ ایک فریق کے نمائندہ کو دیکھا کہ عرشہ بلندی سے چیخ چیخ کر بڑے اطمینان و سکون کے ساتھ بلند ترین انسانی اوصاف کی ایک فہرست ہے جو سنا رہا ہے کہیں پر آواز میں ارتعاش نہیں۔ لہجہ میں اضطراب نہیں تقریر میں جھول نہیں۔ زبان میں لکنت نہیں، لبوں پر خشکی نہیں، گلے میں خرخراہٹ نہیں۔ وہ کہہ رہا ہے۔ "پیشوائے مذہب، امام خلق، رسول ﷺ کا جانشین وہ ہو سکتا ہے جو اعلم زمانہ ہو، افضل زمانہ ہو، ازہد زمانہ ہو، اورع ہو، اشجع ہو، اشرف ہو، صحیح النسب ہو، وغیرہ وغیرہ کہتے کہتے سب سے زیادہ یہ ہے کہ معصوم ہو، یعنی اپنے افعال و اعمال میں مرضی الٰہی کا بالکل آئینہ ہو۔ بھولے چوکے، ناواقفیت، جہالت اور کسی سبب سے بھی اس سے بڑھاپے جوانی بلکہ بچپنے میں بھی کبھی گناہ سرزد نہ ہوا ہو اور غلطی نہ کی ہو اور چونکہ اس مرتبہ کا حصول عام انسانوں کے فہم و ادراک سے بالاتر ہے اس لیے اس کی پیشوائی و جانشینی کا اعلان خدا کی جانب سے پیغمبر ﷺ کی زبانی ہو گیا ہو۔

دوسری جانب نگاہ گئی تو یہ دیکھا کہ جوں جوں پیشوا کے اوصاف میں قیود عائد ہوتے جاتے ہیں اور شرائط میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ ادھر چہروں کا رنگ اڑتا جاتا ہے۔ سروں کا بلند کرنا، آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنا، چہروں پر ہوائیوں کا چھوٹنا اور ہونٹوں پر زبان کا پھرانا سب کچھ وہ کہہ رہا ہے جو دل کی گہرائیوں میں مضمر ہے اور یہ اضطراب و پریشانی کا اظہار صاف غمازی کرتا ہے کہ اوصاف وہ سامنے آگئے ہیں جو اپنے مشاہدہ و تجربہ نہیں بلکہ وہم و خیال سے بھی بالاتر ہیں اور اس لیے جب وہ فہرست ختم ہوئی اور فریق مقابل کے جواب کی نوبت آئی تو اس کے نمائندہ نے کھڑے ہو کر ہر ہر صفت کے لحاظ سے نہیں نہیں کی رٹ لگائی۔ باعلم ہونے کی ضرورت ہے؟ نہیں، افضل ہونے کی ضرورت ہے؟ نہیں، اشجع ہونے کی ضرورت ہے؟ نہیں، اشرف ہونے کی ضرورت ہے؟ نہیں، معصوم ہونے کی ضرورت ہے؟ نہیں۔ یہاں جا کر بڑی ہمت یہ کی گئی کہ عدالت کی غیر ارادی مگر اچتا پچتا کر اس میں بھی انتخاب ابتدائی کی قید لگائی یعنی شروع شروع اس کا خیال رکھا جائے کہ عادل ہی منتخب ہو۔ لیکن اگر اتفاق سے فاسق ہی کی خلافت مسلم ہو جائے تو بہرحال وہ خلیفہ ہے۔ فسق و فجور کی وجہ سے وہ خلافت کے عہدہ سے برطرف نہیں سمجھا جائے گا۔

یقیناً ایک جانبدار انسان اگر اس میں معاملہ فہمی کی طاقت بھی موجود ہے تو اس سے یہ اندازہ کرے گا کہ پہلے فریق کو اپنے پیشواؤں کے بلند ترین اوصاف پر واقعی حیثیت سے یا کم از کم ان دستاویزات کے لحاظ سے جو موجود ہیں اتنا اعتماد ہے کہ وہ ان تمام اوصاف کو ان پر منطبق کر سکتا ہے اور دوسرے فریق کو اپنے پیشواؤں کی نسبت ان اوصاف کے منطبق ہونے کا یقین اور گمان کیسا بلکہ زبردستی تادیل اور کج بحثی کے زور سے بھی منطبق ہونے کا امکان ہی نظر نہیں آتا۔ اس لیے وہ ان قیود کے متعلق سختی سے انکار کرنے ہی میں اپنی جیت سمجھ رہا ہے۔

میرے خیال میں فضائل کی بحث کا یہیں پر فیصلہ ہو جاتا ہے اور اس کے بعد ایک غیرجانبدار انسان کو یہ زحمت ہی برداشت کرنے کی ضرورت نہیں کہ وہ تفصیل کے ساتھ ایک ایک کی فضیلت کا دوسرے کے ساتھ موازنہ کرے۔

لیکن ذوق طلب نے اس پر اکتفا کی اجازت نہ دی اور اس کی تحقیق کی پیاس اتنے میں نہ بجھ سکی تو اب وہ فریقین کی کتابیں اٹھائے گا۔ احادیث و سنن سیرو تواریخ سب کو اپنے سامنے رکھ کر تمام متعلقہ اشخاص' بزرگان مذہب کے فضائل و حالات کی الگ الگ فہرست ان کی اسناد و روایات کے حوالہ کے ساتھ مرتب کرے گا۔ اور اس کے بعد اس کی نگاہ کچھ خاص پہلوؤں کی طرف جائے گی جو بہت حد تک واقفیت کے نقطہ تک پہنچانے میں اس کی رہنمائی کریں گے۔

یقیناً اگر وہ سنجیدہ و کامیاب تفتیش کے اصول سے واقف ہے تو وہ اس کی کوشش کرے گا کہ وہ ایک فریق کے مسلمہ پیشوا کے خصائص وحالات' مراتب کمالات کی سندات کو دوسرے فریق کی مستند کتب احادیث و تواریخ میں تلاش کرے۔ اگر وہ اس میں کامیاب ہو جائے تو سمجھے گا کہ میں نے ہفت خوان فتح کر لیے کہ کسی پیشوائے مذہب کے فضائل و کمالات کے متعلق خود اس کو پیشوا ماننے والی جماعت میں تو ایسی حکایتیں شائع ہوتی ہی ہیں جو اس فریق میں مسلم حیثیت رکھتی ہوں لیکن دوسرا فریق انہیں نہ تسلیم کرے ایسی روایات ایک غیرجانبدار شخص کے دل و دماغ پر ہرگز کوئی نتیجہ خیز اثر نہیں ڈال سکتیں۔

جب اس معیار پر وہ جانچے گا تو معلوم ہو گا کہ ایک فریق جو تعداد کی حیثیت سے اکثریت رکھتا ہے اور مالی و اقتداری ہر حیثیت سے غلبہ' اس کے پیشوایان خاص اور بزرگ مرتبہ مقتدایان کے لیے دوسرے فریق کے یہاں سوائے قدح کے کچھ ملتا ہی نہیں اور قدح بھی ہر

طرح کی علمی، عملی، اخلاقی، اوصافی، نسبی، حسبی ۔ لیکن دوسرے فریق کے مقتدایان اور بالخصوص پیشوائے اعظم علیؓ بن ابی طالب کے لیے اول الذکر فریق کی کتابوں میں فضائل کا اتنا ذخیرہ موجود ہے جو ان تمام شرائط و قیود کے منطبق کر دینے کے لیے کافی ہے جنہیں اس فریق نے امامت و خلافت کے لیے ضروری قرار دیا تھا اور قدح کا تو نام و نشان ہی نہیں ہے۔ اگر کہیں کوئی ٹوٹی پھوٹی روایت کسی معمولی سی کمزوری کے متعلق لکھ بھی دی گئی ہے (جیسے حکایت خطبہ بنت ابی جہل) تو اسی کے ساتھ اسی جماعت کے بلند مرتبہ حفاظ و محدثین نے لکھ دیا ہے کہ یہ روایت موضوع ہے اور اس کی کوئی اصلیت نہیں ہے۔

اسی کے اوپر وہ فضائل کی بحث کا تصفیہ کر سکتا ہے۔ اگر ان روایات فضائل کے پہلو بہ پہلو جو جناب علی ابن ابی طالبؑ کے متعلق موجود ہیں دوسرے فریق کی نسبت اتنی ہی تعداد میں یا اس سے زیادہ فضائل کی روایات بھی موجود ہوں، لیکن اس قسم کی روایات حضرت علیؓ کے معتقدین خاص کے علاوہ اس جماعت کی کتب میں بھی موجود اور تصدیق شدہ ہوں جو آپ کو مذہبی حیثیت سے وہ درجہ نہیں دیتیں لیکن دوسرے فریق کے متعلق وارد شدہ فضائل صرف ان ہی کے عقیدت مند حلقہ کے ساتھ مخصوص ہوں تو یہیں سے ایک غیرجانبدار انسان کے نقطۂ نگاہ سے محل اعتبارؔ میں دوسرے حضرات کے فضائل حضرت علیؓ کے فضائل کے پہلو میں ہرگز نہ آسکیں گے اور پھر اس کے ساتھ جب یہ دیکھا جائے گا کہ ان حضرات کے روایات مدح کے ساتھ خود اس جماعت کی کتب میں روایات قدح بھی موجود ہیں، جو ان کے مخالف فریق کی تائید کر رہے ہیں اور اس لیے یہ روایات قدح خود ان کی روایات مدح کے ساتھ معارضہ رکھتی ہیں جس کی بناء پر اگر کسی ایک کو ترجیح بھی نہ دی جائے اور دونوں کو یکساں قرار دے کر پایۂ اعتبار سے حذف کر دیا جائے تو کیا ہو گا۔ دفتر فضائل میں حضرت علیؓ کے فضائل بلا معارض لائق تسلیم قرار پائیں گے۔

اس موقع پر کتنی بے بسی کا مظاہرہ ہے یہ کہنا کہ اہل سنت کی کتب میں شیعہ لوگوں نے اپنی دسیسہ کاریوں سے اس قسم کی روایات داخل کرا دی ہیں۔ غور کرنے کی بات ہے ایک وہ جماعت جو دولت و سلطنت کی مالک ہو جہاں علوم و حدیث و تاریخ حکومت و جہانبانی کے زیر سایہ پروان چڑھ رہے ہوں۔ جہاں کے فقہ و حدیث کے لیے درسگاہیں قائم ہوں جس کے حفاظ و محدثین کی تعداد ایک ایک زمانہ میں سینکڑوں تک پہنچی ہو وہ اپنے علمی سرمایہ کے بارے میں اتنی بے بس ہو جائے کہ دوسری جماعت کے افراد اس کی معتبر ترین کتاب پر قبضہ

کر کے اس میں جو چاہیں اپنے دل سے ملا دیں اور اس جماعت کو خبر بھی نہ ہو بلکہ حفاظ اور محدثین اسی تحریف شدہ ذخیرہ کی حفظ میں مصروف ہو جائیں' اسی کو نقل کریں اور اسی کی نشر واشاعت میں اپنی جان کھپائیں۔

برخلاف اس کے وہ دوسری جماعت جو ہمیشہ مقہور و مغلوب رہی ہو جس کی گردنیں تلواروں کے لیے' جس کے ہاتھ پاؤں ہتھکڑیوں' بیڑیوں کے لیے' جس کی زندگیاں جیل خانوں کے لیے وقف رہی ہوں۔ جس کی صدیوں تک کوئی چھوٹی سے چھوٹی درسگاہ بھی نہ ہو اور جس کو اپنی کتب کی نشرو اشاعت کا موقع بھی نہ حاصل ہو۔ جس جماعت کا کئی مرتبہ قتل عام ہوا ہو وہ اپنے علمی و مذہبی سرمایہ کی اتنی حفاظت کرے کہ کسی مخالف مذہب کو اس میں اپنے حسب الخواہ قطع و برید اور الحاق و زیادتی کا موقع نہ ملے۔ کیا یہ عقل میں آنے کی بات ہے؟ کیا کوئی بے غرض غیرجانبدار انسان اس کی تصدیق کر سکتا ہے؟

پھر آخر کیا ہے کہ شیعوں کے موافق روایات اہل سنت کے یہاں کثرت سے مل جاتے ہیں اور اہل سنت کے موافق منشاء روایات شیعوں کے یہاں غیر ممکن۔ لڑائی نہیں ہے' سخن پروری نہیں ہے' مناظرہ نہیں ہے۔ دنیا جانتی ہے کہ مجھ کو مناظرہ سے نفرت ہے اور میں اس کو تحقیق حق کا ذریعہ نہیں سمجھتا ہوں' مگر حقیقتاً یہ سوال ہے اور قابل غور بات ہے جس کے اوپر ہر بے غرض انسان کو غور کرنے کی ضرورت ہے۔

اچھا اگر ایسا ہی ہوتا کہ وہ روایات شیعوں نے کتابوں میں ملحق کر دیئے تھے تو کم از کم جب علم رجال و درایت کی تدوین ہوئی اور نقد احادیث پر کتابیں تصنیف ہونے لگیں اور صحیح' حسن' موثق' ضعیف' موضوع الگ الگ کی جانے لگیں تو وہ روایات جو فضائل علی ابن ابی طالبؑ سے متعلق تھیں موضوع یا ضعیف قرار پاتیں اور روایات فضائل حضرات خلفاء صحیح و حسن یا کم از کم موثق۔ لیکن اس کو کیا کیا جائے کہ معاملہ بالکل برعکس ہے۔

امام احمد بن حنبل اور قاضی اسماعیل بن اسحاق فرما رہے ہیں۔ لم یرو فضائل احد من الصحابة بالاسانید الحسان ماروی فی فضائل علی بن ابی طالب۔

"صحابہ میں سے کسی بزرگ کے متعلق حسن و معتبر سندوں کے ساتھ اتنی روایات وارد نہیں ہوئیں جتنی علی ابن ابی طالبؑ کے بارے میں وارد ہیں۔" (استیعاب مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد جلد ۲ ص ۴۷۹) حافظ نسائی اور ابو علی نیشاپوری کا ارشاد ہے۔

لم یرو فی حق احد من الصحابته بالاسانید الصحاح اکثر مما ورد فی حق علی۔

"کسی صحابی کے بارے میں صحیح السند طریق سے اتنی روایات وارد نہیں ہیں جتنی حضرت علیؓ کے بارے میں ہیں۔" (منبج کیہ مصنفہ ابن حجر کی مطبوعہ مصر ص ۲۳۷)

پھر کیا اس سے ایک غیر جانبدار انسان کے ذہن میں یہ خیال پیدا نہ ہو گا کہ یہ حقیقت و واقعیت کا زور تھا جس نے تمام مذہبی جذبات کے خلاف ان روایات کو مستند و معتبر راویوں کے زبان و قلم سے نکلوا دیا اور اس کے برخلاف دوسرے صحابہ کے فضائل کے متعلق چونکہ ان کی روایت صرف ان کے عقیدت مند حلقہ سے مخصوص ہے یہ شبہ پیدا ہو جائے گا کہ ان کی ساخت و پرداخت صرف ارادت و عقیدت کا نتیجہ ہے اور اس لیے ان کی مخالف جماعت میں ان روایات کا نام و نشان بھی نظر نہیں آتا۔

بعض لوگوں نے حضرت علیؓ کے فضائل کی کثرت کی عجیب و غریب توجیہہ کی ہے کہ چونکہ حضرت رسول اکرم ﷺ کو غیبی طریقہ پر یہ اطلاع حاصل تھی کہ حضرت علیؓ کے خلاف ایک جماعت ایسی پیدا ہوگی جو آپ کی تنقیص کرے گی اور آپ کی مخالفت کرے گی اس لیے حضرت ﷺ نے آپ کے فضائل کثرت سے بیان فرمائے تاکہ لوگ آپ کے مخالفین کی باتوں میں آکر آپ سے منحرف نہ ہوں اور جادۂ حق سے کنارہ کشی اختیار نہ کریں۔ (صواعق محرقہ مصنفہ ابن حجر کی مطبوعہ مصر)

لیکن یہ تاویل عجیب و غریب ہے۔ رسول ﷺ کو اس کا علم تھا کہ حضرت علیؓ کی تنقیص کرنے والے پیدا ہوں گے۔ کون؟ بنو امیہ اور اس لیے آپ نے ان جناب کے فضائل زیادہ بیان فرمائے لیکن آخر حضرت سرور کائنات ﷺ کو یہ بھی تو علم ہو گا کہ ایک جماعت ایسی موجود رہے گی جو خلفائے ثلاثہ کی مذہبی عظمت کی بالکل قائل نہ ہوگی بلکہ ان حضرات کی علمی و عملی حیثیت سے ہر طرح تنقیص کرتی ہوگی۔ وہ کون؟ یہی جماعت روافض۔

پھر اگر واقعی حضرات خلفاء کے فضائل وہی سب کچھ تھے جو حضرت علیؓ کے لیے بیان ہوئے یا ان سے کچھ زیادہ تو رسول اکرم ﷺ نے ان کے فضائل بھی کیوں نہ بیان فرما دیئے تاکہ اس جماعت کے معتقدات کا سدباب ہو اور امت محمدیہ گمراہی سے محفوظ ہو جائے۔

اگر دیکھا جائے تو حضرت علیؓ کے مخالف بھی آپ کی حکومت و سلطنت کو نہ تسلیم کرتے

ہوں، آپ کے اصول جہانبانی و سیاست پر اعتراض کرتے ہوں مگر آپ کے علمی و عملی کمالات کا ایک بھی مخالف نہ تھا۔ یہاں تک کہ جماعت خوارج تک جو آپ کی حد درجہ مخالف ہے اور آپ سے برات کو اپنا ایمان سمجھتی ہے وہ آپ کی بے نظیر علمی و عملی خصوصیات کی قائل ہے۔

اس کے برخلاف جماعت روافض (فرقہ شیعہ) حضرات خلفاء کی نسبت کسی طرح کے بھی کمال کی نسبت کو اپنے ضمیر کی بناء پر قبول نہیں کرتی اور اگر ان حضرات کے تذکرہ میں کسی زبان و قلم پر کوئی تعظیمی لفظ نظر آئے (جیساکہ میں پابند ہوں) تو اس کو صرف اپنے برادران ملی کی خاطرداری اور ایک انداز رواداری سمجھنا چاہیے اور کچھ نہیں۔

پھر یہ بھی دیکھا جائے کہ حضرت علیؓ کی مخالف جماعت جو کھلم کھلا اس درجہ تک آپ کی دشمن رہی ہو جیساکہ بنی امیہ تھے، اس کی عمر کتنی مختصر و کوتاہ تھی جو زیادہ سے زیادہ چند صدی میں ختم ہو گئی۔ جماعت خوارج ہر زمانہ میں موجود رہی اور اب بھی ہے۔ لیکن کچھ محدود علاقوں میں محصور ایک محدود تعداد میں منحصر۔ اس کے علاوہ جتنے مسلمان ہیں وہ حضرت علیؓ کو پہلا خلیفہ نہیں تو چوتھا خلیفہ ضرور تسلیم کرتے ہیں۔ اس لیے وہ حضرت علیؓ کی نسبت ہرگز کسی ایسے امر کا اظہار نہیں کر سکتے جو کھلم کھلا آپ سے نفرت اور بیزاری کا ثبوت دے۔

اس لیے النجم بھی لکھے گا تو یہ کہ شیعوں کی (مفروضہ النجم) روایات کی بناء پر حضرت علیؓ (معاذاللہ) ایسے تھے اور ویسے تھے لیکن اس سے پوچھا جائے کہ تمہارے نزدیک کیسے تھے تو وہ ہرگز کسی تنقیص کی نسبت کو اپنے ذمہ عائد نہیں کرے گا۔

اخبار "الجمعیتہ" دہلی بھی لکھتا ہے تو یہ کہ ہم کو ایک نئے علیؓ اور حسینؓ بنا کر تبرے کا جواب تبرے سے دینا پڑے گا۔

میں تو چونکہ روادار انسان ہوں اور ہر بات میں صلح پسندی کے پہلو کی تلاش کرتا رہتا ہوں اس لیے میرے نزدیک تو شیعی جرائد کو اس کے جواب میں یہ لکھنا چاہیے تھا کہ اگر تم نئے علیؓ اور حسینؓ بنا کر تبرے کا جواب دینا چاہو گے تو نہ وہ ہمارا جواب ہو گا نہ ہمیں اس پر بگڑنے کی ضرورت۔ اس لیے کہ ہم جنہیں مانتے ہیں وہ پرانے علیؓ و حسینؓ ہیں۔ نئے نہیں ہیں۔ اگر کسی نئے کو بنا کر تم نے تبرا کیا تو ہم سے مطلب؟

یہ صورت تو مخالفین علیؓ کی ہے لیکن دوسرے صحابہ کی مخالف جماعت شیعہ اور وہ اصول

تمدن اور معاشرت اور اتحاد اسلامی کے مفاد و مقصد کی بنا پر سنجیدہ، فہمیدہ علماء و زعماء کی جانب سے رد کی جائے اس لیے کہ وہ ملاء عام میں ان حضرات کی نسبت اپنے خیالات کا علانیہ اظہار کرے۔ یہ اور بات ہے لیکن واقعیت و حقیقت کے لحاظ سے جو کچھ یہ جماعت سمجھتی ہے اور کہنا جائز سمجھتی ہے اس کو دنیا جانتی ہے۔ وہ کبھی ان حضرات کی نسبت کسی اپنے خیال کا اظہار کرتے وقت یہ کہتے نہیں ہچکچائے گی کہ ہمارا مقصد وہی ہے اور کچھ نہیں۔ اسے نئے بنانے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ وہ ان پرانے اشخاص کی نسبت جو کچھ عقیدہ رکھتی ہے اس کا اظہار بھی جائز سمجھتی ہے۔

اور یہ جماعت جب سے دنیا میں پیدا ہوئی اگرچہ اس کے فنا کی تدبیریں کوئی بھی اٹھا نہیں رکھی گئیں مگر اس کی مردم شماری میں اضافہ ہی ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ اس وقت تمام دنیا کے طول و عرض میں ہر اقلیم اور ہر ملک میں اس کے نام لیوا موجود ہیں اس کی سلطنتیں قائم ہوئیں مٹیں اور پھر ان کی بنیاد پڑی اور اس وقت بھی اس کی خود مختار سلطنتیں، حکومتیں اور اجتماعی مراکز موجود ہیں۔

پھر کیا اگر اس جماعت کے وجود کی بناء پر حضرت علیؓ کے فضائل حضرت رسول ﷺ کو بیان کرنے کی ضرورت تھی تو اس جماعت کے وجود کی بنا پر دوسرے حضرات کے فضائل اگر ان کی کچھ اصلیت ہوتی تو اور زیادہ شد و مد کے ساتھ حضرت رسول اکرم ﷺ کو بیان نہ کرنا چاہیے تھے۔ اور کیا بیان نہ کرنے کی صورت میں اس جماعت کی گمراہی کی ذمہ داری حضرت ﷺ کی طرف عائد نہیں ہو سکتی؟ معلوم ہوتا ہے کہ یہ توجیہہ و تاویل ناقص ہے حضرت سرور کائنات ﷺ حقیقت کے ترجمان اور واقعیت کے مفسر تھے۔ انہوں نے جس کے جتنے مراتب تھے، اتنے بیان فرما دیئے۔ اس میں نہ کسی حکمت عملی کا دخل تھا نہ کسی پیش بندی کا اہتمام۔

آپ نے تو صحابہ میں سے ایسے ایسے افراد کے فضائل بیان فرمائے جنہیں مذہبی حیثیت سے کوئی منصب و عہدہ حاصل نہیں ہے اور نہ ان کی ذات کسی حیثیت سے بھی متنازعہ فیہ ہے۔ جیسے حضرت سلمان فارسی، ابوذر غفاری، مقداد، خزیمہ بن ثابت، ابی بن کعب، عبداللہ بن مسعود، حذیفہ وغیرہ وغیرہ۔ اس کے بعد اگر کچھ اشخاص کے فضائل آپ نے بالکل بیان نہیں فرمائے تو ایک بے غرض انسان تو یہ سمجھنے پر مجبور ہے کہ دفتر فضیلت سادہ تھا اور ورق منقبت میں کوئی حرف بھی نہ تھا، ورنہ عادل و منصف، بے لوث اور بے غرض پیغمبر ﷺ

اس کے اظہار میں بخل ہرگز نہ کرتا۔

حضرت علیؓ کے فضائل کی اہمیت اس وقت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے جب انسان اس ماحول پر نگاہ ڈالتا ہے جو ان فضائل کے بالکل فنا کر دینے کا ضامن تھا۔

دو چار برس کی مدت نہیں ایک صدی کے قریب زمانہ اس حالت میں گزرا کہ علیؓ کا نام زبان پر لانا جرم تھا۔ آپ کی فضیلت کا بیان کرنا ناقابل معافی جرم تھا۔

ابوالحسن مدائنی نے کتاب الاحداث میں اس حالت کی تصویر خوب کھینچی ہے جسے ابن ابی الحدید معتزلی نے شرح نہج البلاغہ میں درج کیا ہے۔ ان سے پتہ چلتا ہے کہ تمام عمال حکومت کو قطعی حکم دے دیا گیا تھا کہ جو کوئی علیؓ کی کوئی فضیلت بیان کرے اس کا جان و مال مباح ہے۔

انتہا یہ ہے کہ لوگ حضرت سے نقل حدیث کرتے وقت آپ کا نام لیتے ڈرتے تھے جس کا ثبوت حسن بصری کی روایت سے ملتا ہے۔ جس میں درج ہے کہ کسی ان کے شاگرد خاص نے ان سے پوچھا کہ آپ نے رسالت ماب کی زیارت تو کی نہیں ہے مگر آپ احادیث میں قال رسول اللہ ﷺ بلا تکلف کہہ رہے ہیں۔ انہوں نے کہا "تم نے مجھ سے وہ بات پوچھی ہے جو آج تک کسی نے نہیں پوچھی تھی اور اگر تم کو مجھ سے یہ خصوصیت نہ حاصل ہوتی تو میں ہرگز تم کو نہ بتاتا انی فی زمان کما تری کل شئی سمعتنی اقوله قال رسول الله عن علی بن ابی طالب غیر انی فی زمان لا استطیع ان اذکر علیا۔

میں ایک ایسے زمانہ میں ہوں جسے تم دیکھ رہے ہو جو کچھ تم مجھ سے سنو کہ قال رسول اللہ ﷺ کہہ کر بیان کرتا ہوں وہ درحقیقت میں نے علیؓ ابن ابی طالب ﷺ سے سنا ہے مگر زمانہ ایسا ہے کہ میں علیؓ کا نام نہیں لے سکتا۔

(لمعات فریدیہ مصنفہ علامہ ابراہیم راوی رفاعی مطبوعہ بغداد ص ۸۳)

اس کے برخلاف دوسرے صحابہ کے فضائل میں روایت بیان کرنے والے کو انعامات دیئے جاتے تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کثیر التعداد موضوع روایتیں صحابہ فضائل میں تصنیف ہوگئیں ابوالحسن مدائنی کی محولہ بالا عبارت میں اس کا تذکرہ موجود ہے۔ اس صورتحال کی بناء پر ایک طرف تو ان حضرات کے فضائل کی ذرا ذرا جو روایتیں تھیں وہ بھی ایک غیر جانبدار انسان کے نقطۂ نگاہ سے مشکوک ہوگئیں کہ کہیں یہ اسی ٹکسال کی بنی ہوئی نہ ہوں جو حکومت

وقت کی حمایت سے روایتوں کے ڈھالنے کے لیے قائم ہوا تھا اور دوسری طرف فضائل حضرت علی کی امتیازی شان دوبالا ہوگئی کہ ان کے تواتر اور قطعیت کا وہ سبب تھا جو حکومت وقت کی انتہائی جدوجہد کے ساتھ رک نہ سکا' اور اس طرح دنیا میں پھیلا کہ اموی سلطنتیں اور ان کی وضع کردہ روایتیں فنا ہوگئیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل سے تمام اسلامی کتب احادیث و تواریخ کے دامن چھلک رہے ہیں۔ بے شک ؎

کتاب فضل علیؓ را کم است آب بحار
کہ ترکنم سر انگشت و صفحہ بشمارم

برنام

مسئلہ خلافت و امامت

(ایک غیر مسلم کے نقطہ نظر سے)

فلسفہ کے کیسے کیسے عمیق مسائل طے ہو گئے' ریاضی کے کیسے کیسے دقیق نظریئے حل ہو گئے۔ نظام بطلیموسی کی جگہ نظام فیثاغورث نے لے لی۔ نیوٹن کے نظریۂ کشش کو آئی سٹین نے بدل کر رکھ دیا۔ لیکن خلافت کا جھگڑا مسلمانوں میں ساڑھے تیرہ سو برس گزرنے کے بعد بھی اسی طرح الجھا ہوا پڑا ہے۔

"خلافت" عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی جانشینی یا قائم مقامی کے ہیں لیکن "جانشینی" کا مفہوم صرف جگہ پر بیٹھ جانا نہیں ہے بلکہ "جانشینی" بہ حیثیت منصب' بہ حیثیت فرائض' بہ حیثیت اخلاق و اعمال اور بہ حیثیت مراتب و کمال ہوا کرتی ہے۔

ایک شاعر کا جانشین شاعر' طبیب کا جانشین طبیب' قاضی کا جانشین' قاضی اور وکیل کا جانشین وکیل ہوا کرتا ہے۔ ایک شاعر کی جگہ حکیم اور حکیم کی جگہ قاضی اور قاضی کی جگہ وکیل سے پر نہیں ہو سکتی۔ بلکہ ایک ہی نوع میں صنف کے بدلنے سے بھی خصوصیت مختلف ہو جاتی ہے۔ یعنی خود شعراء میں مرثیہ گو کا جانشین غزل گو اور غزل گو کا جانشین قصیدہ گو نہیں ہو سکتا۔ پھر کیسے شاعر کی جگہ لوہار اور قاضی کی جگہ معمار صحیح جانشین سمجھا جائے۔ اسباب بالا کی بناء پر یہ واضح ہے کہ "خلیفہ" حقیقتاً وہ ہے جو اپنے کمالات و خصوصیات میں اپنے پیشرو کی خصوصیات کا زیادہ سے زیادہ شریک و حصہ دار ہو۔

اس نظریہ کے تحت ہمارے سامنے قدرتاً یہ تنقیح پیش ہوتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کی حیثیت ایک دنیاوی بادشاہ کی سی تھی یا ایک معلم روحانی کی۔ یعنی آپ کا مقصود صرف حکومت و سلطنت قائم کرنا تھا یا لوگوں کے اخلاق کو درست کرنا۔ ظاہر ہے کہ آپ کسی سلطنت کی بنیاد نہیں رکھ رہے تھے بلکہ ایک قوم بنا رہے تھے جو انسانیت و اخلاق کے جوہر سے آراستہ ہو اور بجائے تیغ و خنجر کے اپنی شرافت نفس سے روحانی حکومت دنیا میں قائم کرے۔

اگر آپ کی حیثیت صرف ایک دنیاوی بادشاہ کی سی ہوتی تو بیشک آپ کی خلافت کے لیے ایک بادشاہ ہونے کی حیثیت کافی تھی اور جو کوئی آپ کا خلیفہ مقرر کر دیا جاتا کسی کو اعتراض کا حق حاصل نہ تھا لیکن اگر رسول ﷺ کی حیثیت صرف ایک بادشاہ کی سی نہ تھی' بلکہ معلم روحانی ہونے کی خصوصیت بھی آپ میں پائی جاتی تھی تو ہم کو دیکھنا چاہیے کہ اس بات میں افضلیت کس کو حاصل تھی۔

اب آیئے واقعات تاریخی پر ایک نگاہ ڈال کر دیکھیں کہ ان کا فیصلہ اس مسئلہ میں کیا ہے؟

سب سے پہلے یہ دیکھنا ہے کہ اسلام قبول کرنے کی حیثیت سے کس کو کس پر تفوق حاصل ہے۔ ظاہر ہے کہ منصب نبوت ملنے کے بعد آنحضرت ﷺ نے اول اول اپنے ہی گھر والوں سے تبلیغ کی ابتداء کی ہوگی۔ جن میں جناب خدیجہ اور علیؓ کے سوا اور کوئی نہ تھا اور اگر اہل سنت کی مستند کتابوں پر اعتماد کیا جائے تو یہ فیصلہ دشوار نہیں کہ سب سے پہلے جس انسانی ہستی نے اسلام قبول کیا وہ جناب امیرؓ کی ذات تھی۔ شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی' تقریب التہذیب (مطبوعہ دہلی صفحہ ۸۴) میں لکھتے ہیں۔

المرجح انہ اول من اسلم۔ "یعنی ترجیح اسی امر کو ہے کہ سب سے پہلے آپ اسلام لائے۔"

اسی کتاب کے باب الالقاب (صفحہ ۳۳۱) سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کا سابق الاسلام ہونا اتنا مشہور تھا کہ آپ کا خطاب ہی "سابق العرب" (اہل عرب میں سب سے پہلے اسلام لانے والا قرار پا گیا تھا۔)

واقعات سے بھی اس قول کی ترجیح ظاہر ہوتی ہے۔ عفیف کندی کی روایت ملاحظہ ہو۔

"میں تاجر تھا' حج کے لیے مکہ آیا تو عباس ابن عبدالمطلب کی ملاقات کو جایا کرتا تھا۔ ایک دن ان کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ میں نے دیکھا ایک شخص پردہ سے نکلا اور

پھر عبادت میں مصروف ہو گیا۔ اس کے بعد ایک خاتون پردہ سے باہر آئیں اور اس شخص کے پیچھے کھڑے ہو گئیں۔ میں نے عباس سے پوچھا یہ کون ہیں؟ انہوں نے کہا یہ محمد ﷺ ابن عبداللہ ہیں۔ میں نے پوچھا وہ خاتون کون ہیں؟ کہا۔ ان کی بیوی خدیجہ بنت خویلد' تھوڑی دیر میں ایک کمسن نو عمر صاحبزادہ آیا اور وہ بھی ان کے ساتھ مصروف عبادت ہو گیا میں نے پوچھا' یہ کون ہیں؟ عباس نے کہا کہ یہ محمد ﷺ کا چچازاد بھائی علیؓ ہے۔ میں نے کہا یہ کرتے کیا ہیں؟ جواب ملا کہ نماز پڑھتے ہیں۔ محمد ﷺ کا خیال ہے کہ خدا نے ان کو پیغمبر بنایا ہے اور اس وقت تک سوائے ان کی بیوی اور چچازاد بھائی کے کسی نے ان کے اس دعوے کو تسلیم نہیں کیا۔ اس کے باوجود محمد ﷺ کا خیال ہے کہ وہ قیصر و کسریٰ کے ممالک کو فتح کریں گے۔"

عفیف اس واقعہ کے بعد اسلام لائے تھے اور کہا کرتے تھے کہ "لو کان رزقنی الاسلام یومئذ کنت ثانیا مع علی ابن ابی طالب" (یعنی اگر اس دن مجھے اسلام لانے کی توفیق ہو جاتی تو علیؓ کی بعد دوسرا میں ہوتا)

اس روایت کو علامہ ابن عبدالبر قرطبی نے استیعاب (مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن جلد ۲ ص ۲۲۵) میں' ابن اثیر جزری نے اسد الغابہ (مطبوعہ مصر جلد ۳ ص ۴۱۴) میں' ابن جریر طبری نے تاریخ کبیر (مطبوعہ مصر جلد ۲ ص ۲۱۲) میں اور ابن اثیر نے کامل (جلد ۲ ص ۲۰) میں درج کیا ہے۔

یہ اس وقت کی بات ہے جب آنحضرت مخفی طور پر تبلیغ اسلام کر رہے تھے لیکن جب آیت "وانذر عشیرتک الاقربین" نازل ہوئی اور ایک محدود دائرہ کے اندر تبلیغ کا حکم نازل ہوا تو آنحضرت ﷺ نے اپنے اقرباء اور اولاد عبدالمطلب و ہاشم کو جمع کیا اور اس وقت جو تقریر آپ نے کی وہ خلافت کے مسئلہ کو بھی ہمیشہ کے لیے حل کر گئی۔ ارشاد ہوتا ہے۔

یا بنی عبدالمطلب انی واللہ ما اعلم شابا فی العرب جاء قومہ یا فضل مما قد جئتکم انی قد جئتکم بخیر الدنیا و الاخرۃ و قد امرنی اللہ تعالی ان ادعوکم الیہ فایکم یوازرنی علی ھذا لامر علی ان یکون اخی'

ووصیی و خلیفتی فیکم۔

اے فرزندان عبدالمطلب باور کرو کہ میں نہیں سمجھتا عرب کے کسی جوان نے اپنی قوم کے سامنے وہ تحفہ پیش کیا ہو جو میں تمہارے سامنے پیش کرتا ہوں۔ میں دنیا اور آخرت کی بہتری کا تحفہ پیش کرتا ہوں اور خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تم کو اس کی دعوت دوں۔ پھر کون ہے جو اس امر میں میرا ساتھ دے' تاکہ وہی میرا بھائی میرا ولی عہد اور میرا جانشین قرار پائے۔

یہ سن کر مجمع پر خاموشی کا عالم طاری ہو گیا اور کسی طرف سے کوئی آواز بلند نہ ہوئی۔ آخر کار علیؑ اٹھے اور با آواز بلند کہا کہ "انا یا نبی اللہ ان اکون و زیرک علیہ" (اے رسول اللہ ﷺ میں آپ کی اعانت و ہمدردی کے لیے آمادہ ہوں) حضرت ﷺ نے یہ سن کر فرمایا۔ "ان ھذا اخی و وصیی و خلیفتی فیکم فاسمعوا لہ و اطیعوہ" (دیکھو یہی میرا بھائی میرا ولی عہد اور میرا جانشین ہے۔ تم سب کو اس کی بات سننا اور اس کی اطاعت کرنا چاہیے (تاریخ کبیر طبری جلد ۲ ص ۲۱۷' ابو الفدا مطبوعہ مصر جلد ۹ ص ۱۱۶۔ کامل ابن اثیر جلد ۲ ص ۱۲۲۔ باب التاویل خازن بغدادی مطبوعہ مصر جلد ۵ ص ۱۰۶۔ معالم التنزیل برحاشیہ خازن مطبوعہ مصر جلد ۵ ص ۱۰۵۔)

چلئے معاہدہ ہو گیا' قرار داد پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی۔ علیؑ نے بیعت کی رسول ﷺ نے بیعت لی۔ کس بات پر؟ نصرت اسلام پر' اعلاء کلمتہ الحق پر اور رسول ﷺ نے اسی وقت اپنی خلافت و جانشینی کا مسئلہ بھی طے کر دیا۔

بے شک اگر خود علیؑ اس کے بعد اپنے فرائض میں کوتاہی کرتے' اپنے اقرار وفا میں ثابت قدم نہ ٹھہرتے' اپنے عہد نصرت میں کمزور ثابت ہوتے تو یہ معاہدہ بھی کالعدم ہو جاتا' لیکن چونکہ آپ کی خدمات شروع سے اخیر تک یکساں طور پر اسی طرح قائم رہتی ہیں' اس لیے ہم کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ وہ معاہدہ منسوخ ہو گیا۔

اب آیئے اس کی تحقیق بھی کر لیں کہ آپ نے کسی وقت کوئی کمزوری تو نہیں دکھائی۔ اعانت رسول ﷺ سے کبھی منہ تو نہیں پھیرا اور جو قول و قرار ایک بار ہو چکا تھا اس سے کبھی انحراف تو نہیں کیا؟

یہ امر تاریخ اسلام کے دیکھنے والوں سے مخفی نہیں کہ جب رسول ﷺ اللہ نے تبلیغ شروع کی تو کفار کی ایذا رسانیاں بڑھنے لگیں' آپ کے قتل کی تدبیریں ہونے لگیں اور

مسلمانوں کی جماعت ہجرت پر آمادہ ہو گئی۔ چنانچہ حد یہ ہے کہ قبائل عرب میں سے چند لوگ اس بات پر تل گئے کہ گھر کا محاصرہ کر کے آپ کو قتل کر ڈالیں۔ ظاہر ہے کہ یہ وقت کتنا نازک تھا اور ایسے وقت میں مدد دینے والا کوئی نہیں ہوتا لیکن رسول اللہ ﷺ جانتے تھے کہ کون کام آنے والا ہے۔ اس لیے آپ نے بلا تامل مکہ سے پوشیدہ طور پر ہجرت کا ارادہ کر لیا اور کفار کے عزائم کو ناکام بنانے کے لیے آپ نے جناب امیرؑ سے یہ خیال ظاہر کر کے کہا کہ

"نم علی فراشی و اتشح ببردی الحضرمی الاخضر فنم فیہ"

(تم میرے بچھونے پر سو رہو اور میری سبز چادر اوڑھ کر لیٹ جاؤ)

کتنا سخت مرحلہ تھا کیسی دشوار گزار منزل تھی مگر وہ جو ایک بار جان نثاری و وفاداری کا عہد و پیمان کر چکا تھا اپنی جان دینے کے لیے چادر تان کر سو رہا اور رسالتماب ﷺ تشریف لے گئے۔

قسطلانی نے کہا۔

"فکان اول من شری نفسہ" (وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے اپنی جان بیچ ڈالی (مواہب لدنیہ جلد ا ص ۷۸)

امام غزالی (تاریخ خمیس جلد ا ص ۳۶۷) لکھتے ہیں کہ اس موقعہ کے لیے علیؑ کے باب میں یہ آیت نازل ہوئی۔

"ومن الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ"

(ایسے بھی لوگ ہیں جو خدا کی مرضی پر اپنی جان بیچ ڈالتے ہیں)

اکثر مورخین نے ظاہر کیا ہے کہ رسالتماب ﷺ اپنے بعد علیؑ کو اس لیے چھوڑ گئے تھے کہ وہ لوگوں کی امانتیں جو رسول اللہ ﷺ کے پاس تھیں واپس کر دیں۔ (ابالفدا جلد ا ص ۱۲۶۔ تاریخ خمیس دیار بکری جلد ا ص ۳۶۶۔ کامل ابن اثیر جلد ۲ ص ۳۹۔ مواہب لدنیہ قسطلانی مطبوعہ قسطنطنیہ جلد ا ص ۸۰۔)

آنحضرت ﷺ کی معیت میں حضرت ابوبکر تشریف لے گئے اور غار میں پناہ لی۔ جب کفار قریش تعاقب میں یہاں تک پہنچ گئے تو حضرت ابوبکر کو فکر دامن گیر ہوئی۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ رنج نہ کرو خدا ہمارے ساتھ ہے۔ قرآن کی آیت یہ ہے۔

ثانی اثنین اذھما' فی الغار اذ یقول الصاحبه لاتحزن ان الله معنا' فانزل الله السکنیته علی رسوله"

وہ وقت جب رسول اپنے ایک ساتھی کے ساتھ تھا اور دونوں غار میں تھے' وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا غم نہ کرو خدا ہمارے ساتھ ہے۔ تو خدا نے اطمینان و سکون نازل کیا اپنے رسول ﷺ پر۔

اس واقعہ پر حضرت ابوبکر کے فضائل بیان کیئے جاتے ہیں کہ خدا نے انہیں "صاحب" کے لفظ سے یاد کیا اور آنحضرت نے (ان اللہ معنا) کہہ کر اپنے ساتھ ان کو بھی شامل کر لیا لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک شخص کو محض لفظ "صاحب" یا ساتھی سے یاد کرنا جبکہ وہ واقعی ساتھ ہو کس فضیلت کو ثابت کرتا ہے۔ لفظ (صاحب) تو ایسا ہے جس میں ہر شخص شامل ہو سکتا ہے' چنانچہ قرآن میں دوسری جگہ کسی مومن و غیر مومن کی گفتگو کے سلسلہ میں لفظ (صاحب) اسی طرح نظر آتا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

"اذ قال لصاحبه و هو یحاوره اکفرت بالذی خلقک"

الغرض ایک ساتھی کو ساتھی کہنا ایسی بات نہیں جس سے کوئی فضیلت ظاہر ہو۔ رہا خدا کا ساتھ ہونا' سو ظاہر ہے کہ جس جگہ رسول ﷺ ہوں گے وہاں خدا کی معیت بھی ہو گی۔

غار والی آیت میں سب سے زیادہ قابل غور آخری الفاظ ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے صرف اپنے نبی ﷺ پر اطمینان و سکون نازل کیا۔ یہاں ان کے ساتھی کا ذکر بالکل نہیں ہے۔ اگر جناب ابوبکر کے اطمینان و سکون کو بھی ظاہر کرنا مقصود ہوتا تو (علی رسولہ) کی بجائے (علیھما) ارشاد ہوتا۔

بہرحال اس واقعہ ہجرت و واقعہ غار میں حضرت علیؑ نے جس ایثار و قربانی جس دلیری و بے نفسی کا ثبوت دیا وہ بجائے خود اتنا اہم ہے کہ حضرت ابوبکر کی معیت وغیرہ کا کوئی سوال اس کے مقابلہ میں لایا ہی نہیں جا سکتا۔ اب اور آگے چلئے۔

مدینہ میں آنے کے بعد آنحضرت ﷺ نے مہاجرین و انصار کے درمیان دوبارہ مواخات قائم کی' ظاہر ہے کہ بھائی چارہ انہی دو آدمیوں میں قائم کیا جاتا ہے جو اپنی خصوصیات مزاجی و عادات و خصائل کے لحاظ سے باہم گر بہت ملتے جلتے ہوں۔ چنانچہ اس سلسلہ میں حضرت ابوبکر کو حضرت عمر کے ساتھ بھائی بھائی قرار دیا۔ حضرت حمزہ کو زید ابن حارثہ کے ساتھ' حضرت عثمان کو عبدالرحمٰن ابن عوف کے ساتھ' زبیر کو ابن مسعود کے

ساتھ' عبیدہ ابن حارث کو بلال کے ساتھ' مصعب ابن عمیر کو سعد ابن ابی وقاص کے ساتھ' ابو عبیدہ جراح کو سالم مولیٰ بن حذیفہ کے ساتھ اور سعید ابن زید کو طلحہ کے ساتھ' رہ گئے علیؓ سو ان کا بھائی چارا اپنے ساتھ کیا۔ چنانچہ مورخ ابو الفداء لکھتا ہے۔

اخی رسول اللہ فاتخذ رسول اللہ علی ابن ابی طالب اخاوکان علی یقول علی منبر الکوفتہ ایام خلافتہ' انا عبداللہ واخو رسول اللہ۔

آنحضرت ﷺ نے اپنے اصحاب میں مواخات قرار دی اور علیؓ ابن ابی طالب کو اپنا بھائی قرار دیا۔ اور علیؓ اپنے زمانہ خلافت میں کوفہ کے منبر پر کہا کرتے تھے کہ میں خدا کا بندہ اور رسول ﷺ اللہ کا بھائی ہوں۔

ایک دوسرے موقعہ پر بھی رسول اللہ ﷺ نے سب کو ایک دوسرے کے ساتھ بھائی بنایا تھا اور علیؓ کو اپنے ساتھ رکھا تھا۔ ابن عبدالبر نے استیعاب میں لکھا ہے۔

اخی رسول اللہ بین المہاجرین ثم اخی بین المہاجرین والانصار وقال فی کل واحد منہما العلی انت اخی فی الدنیا والاخرۃ

رسول اللہ ﷺ نے ایک بار مہاجرین کے درمیان مواخاۃ قائم کی اور دوسری بار مہاجرین و انصار کے درمیان۔ اور ہر مرتبہ یہی فرمایا کہ علیؓ دنیا و آخرت میں میرا بھائی ہے۔

اس کا تذکرہ ابن حجر مکی کی صواعق محرقہ اور تاریخ خمیس میں بھی موجود ہے۔

مسجد نبوی کی صورت یہ تھی کہ اس کے چاروں طرف صحابہ کے گھر تھے اور ان سب کے دروازے مسجد میں کھلتے تھے۔ جس سے لوگوں کی آمد و رفت صحن مسجد میں رہتی تھی۔ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ سب دروازے چن دیئے جائیں مگر علیؓ کے مکان کا دروازہ نہ چنا جائے۔ اس حکم پر لوگوں میں چہ میگوئیاں ہوئیں تو حضرت نے منبر پر جا کر فرمایا کہ "مجھے جو حکم خدا کی طرف سے ہوا وہ میں نے کیا۔ میں نے اپنی مرضی سے نہ ان دروازوں کو بند کیا نہ اس کو کھلا رکھا۔

اس واقعہ سے اور اس قسم کے بہت سے نظائر سے جن کا ذکر آگے آئے گا معلوم ہوتا ہے کہ لوگ رسول ﷺ کی ان توجہات کو جو جناب علیؓ کے ساتھ تھیں اچھی نگاہوں سے

نہ دیکھتے تھے اور جناب رسالتماب کی موجودگی میں بھی نکتہ چینی سے باز نہ آتے تھے اور یہ وہ جذبات تھے جن کا آہستہ آہستہ قوی ہونا ضروری تھا۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے الطاف جناب امیرؓ پر برابر بڑھتے ہی جاتے تھے اور جیساکہ آئندہ صفحات سے معلوم ہوگا حضرت علیؓ اپنی خصوصیات اخلاق کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کے دل میں گھر کرتے ہی جارہے تھے۔

۲ھ میں اسلام کی سب سے پہلی لڑائی ہوئی جس کا نام جنگ بدر ہے۔ مسلمانوں کی تعداد کم تھی، ساز و سامان بھی موجود نہ تھا اور رسول ﷺ اللہ کے لیے میدان جنگ سے کچھ علیحدہ ایک عریش بنادیا گیا تھا تاکہ وہاں سے جنگ کی حالت کا مشاہدہ فرماتے رہیں۔

حضرت ابوبکر نے اس لڑائی میں کوئی عملی حصہ نہیں لیا بلکہ وہیں عریش پر بیٹھے رہے حضرت عثمان اپنی بیوی کی علالت کی وجہ سے مدینہ ہی میں رہ گئے تھے۔ میدان جنگ اس دن چند آدمیوں کے ہاتھ رہا۔ جن میں نمایاں حصہ رسول اللہ ﷺ کے قرابتداروں نے لیا مثلاً حضرت حمزہ ابن عبدالمطلب، عبیدہ بن حارث اور حضرت علیؓ۔ عبیدہ شہید ہوگئے اور حضرت علیؓ کے ہاتھ سے بڑے بڑے کفار قتل ہوئے۔

اسی سال حضرتؐ نے علیؓ ابن ابی طالب کو اپنی دامادی سے سرفراز کیا اور اپنی محبوب صاجزادی حضرت فاطمہ زہراؓ کا عقد ان سے کر دیا۔ تاریخوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر دونوں نے خواستگاری کی، مگر رسول اللہ ﷺ نے کوئی جواب نہ دیا۔ لیکن جب حضرت علیؓ نے خواہش ظاہر کی تو حضرت ﷺ نے فرمایا کہ

"قد امرنی ربی بذالک"

(اس کا تو مجھے خدا نے حکم دیا ہے)

جب عقد ہو چکا تو حضرت ﷺ نے جناب فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا۔

"اما ترضین یا فاطمہ ان اللہ اختار من اہل الارض رجلین جعل احدھما اباک والاخر بعلک"

اے فاطمہؓ کیا تم اس بات سے خوش نہیں ہو کہ خدا نے تمام اہل زمین میں دو شخصوں کا انتخاب کیا جن میں سے ایک تمہارا باپ ہے اور دوسرا شوہر۔

اس سے ظاہر ہے کہ اس شادی کی بنیاد صرف ذاتی قرابت پر نہیں تھی بلکہ انتخاب الٰہی اور فضیلت ذاتی پر تھی۔ مصالح اسلامی کے لحاظ سے لڑکیاں لے لینا اور خود داماد بن جانا دوسری بات تھی، لیکن جب لڑکی دینے کا وقت آیا تو بڑے بڑے صحابہ کی خواہش رد کر دی گئی

اور حضرت علیؓ کا انتخاب کیا گیا۔ یہ واقعہ ایسا نہ تھا جس کا اثر زائل ہو جاتا رہا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ فرماتے تھے۔

"لقد اعط علی ثلث حصال لان تکون لی حصلته منها احب الی من حمر النعم فسئل ماهی قال تزویج ابنته"

علیؓ کو تین باتیں ایسی حاصل ہوئیں کہ اگر ان میں سے ایک بھی مجھے حاصل ہوتی تو سرخ اونٹوں سے زیادہ مجھے محبوب ہوتی۔ پوچھا گیا وہ کیا ہیں؟ کہا کہ ایک تو یہی ہے کہ رسول ﷺ کی صاجزادی کا عقد ان سے ہوا۔

سن ۳ ھ میں احد کی جنگ ہوئی۔ یہ وہ سخت و فیصلہ کن جنگ تھی جسے قدرت کو مسلمانوں کے عزم و ثبات کی کسوٹی بنانا منظور تھا۔ اول اول حالات بہت امید افزا تھے کیونکہ لشکر کفار کے علمدار طلحہ بن عثمان کو حضرت علیؓ نے قتل کر کے دشمنوں کو شکست دے دی۔ لیکن جب کفار بھاگ کھڑے ہوئے اور مسلمان مال غنیمت لوٹنے کے لیے پس و پیش سے بے خبر ہو گئے تو خالد ابن ولید نے (جو اس وقت تک اسلام نہ لائے تھے) پشت کی طرف سے پھر حملہ کر دیا اور اس کا نتیجہ جو کچھ ہوا اسے شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی زبان سے سن لیجئے۔ مدارج النبوۃ میں لکھتے ہیں کہ

"مسلمان رو بہ ہزیمت آوردند و حضرت رسول ﷺ را تنہا گزاشتہ، حضرت ﷺ در غضب آمد و عرق از پیشانی ہمایونش منقاطر گشت، دراں حالت نظر کرد، علیؓ ابن ابی طالب را کہ زپہلوئے مبارکش ایستادہ است۔ فرمود کہ تو چرا بہ برادران خود لحق نہ گشتی یعنی فرار نہ کردی۔ علیؓ گفت۔ "اکفر بعد الایمان ان لی بک اسوۃ" یعنی آیا کافر شوم بعد از ایمان۔ بہ تحقیق کہ مرا بتو اقتدا است با یاران مفرور چہ سروکار باشد۔ دریں اثنا جمعے از کفار متوجہ آنحضرت ﷺ شدند۔ آنحضرت ﷺ فرمود، اے علیؓ، مرا ازیں جمع نگہدار، و حق خدمت بجا آر کہ وقت نصرت است پس علیؓ متوجہ آں قوم شد۔ چناں قلع قمع نمود کہ جمعے کثیر بہ دوزخ افتادند و باقی ماندگان متفرق گشتند۔ می گویند کہ دراں روز شانزدہ زخمہا بر تن مبارک جناب امیرؓ رسیدند۔"

دل تھراتا ہے۔ قلم لرزتا ہے، جی چاہتا ہے مورخوں کے منہ پر ہاتھ رکھ دوں، تاریخ

کے صفحات سے ان حروف کو چھیل کر پھینک دوں۔ کس طرح دیکھوں اور کیوں کر لکھوں کہ کس کس نے فرار کیا۔ لیکن حاکم کو کیا کروں، امام فخرالدین رازی، محمد ابن جریر طبری، ابن اثیر جزری، شیخ الاسلام سیوطی، ان سب کے بیانات کو کہاں لے جاؤں۔ جدھر دیکھیے اس طرف سے "رو بہ ہزیمت آوردند رسول اللہ ﷺ را تنہا گزاشتند" کی آواز آرہی ہے اور لطف یہ کہ ایک ایک کا نام بھی لکھ دیا ہے۔

تاریخ خمیس (جلد، صفحہ ۴۸۵) میں ہے کہ حضرت ابوبکر فرماتے ہیں۔

"لما صرف الناس یوم احد عن رسول اللہ کنت اول من جاء النبی"

(یعنی) جب لوگوں نے احد کے دن رسول اللہ ﷺ سے روگردانی کی تو میں رسالتماب ﷺ کے پاس سب سے پہلے واپس آیا۔

تفسیر جامع البیان ابن جریر طبری (جلد ۴ صفحہ ۹۶) میں لکھا ہے۔

"قال عمر لماکان یوم احد ہزمنا ففررت حتی صعدت الجبل فلقد راتینی انزو کانی اروی"

یعنی حضرت عمر نے فرمایا کہ "جب احد کے دن لوگوں نے شکست کھائی تو میں بھاگ کر پہاڑ پر چڑھ گیا، وغیرہ وغیرہ۔"

امام فخرالدین رازی تفسیر کبیر (جلد ۳ صفحہ ۴۷) میں لکھتے ہیں۔

"ومن المنہزمین عمر الا انہ لم یکن فی اوائل المنہزمین ولم یبعد بل ثبت علی الجبل الی ان صعد النبی و منہم ایضا عثمان انہزم مع رجلین یقال لہما سعد و عقبتہ انہزموا حتی بلغوا موضعا بعید اثم رجعوا بعد ثلثتہ ایام فقال لہم النبی لقد ذہبتم فیہا عریضتہ"

(فراریوں میں حضرت عمر بھی تھے، مگر وہ سب سے پہلے فرار کرنے والوں میں نہ تھے اور بہت دور بھی نہ گئے تھے بلکہ پہاڑ پر چلے گئے تھے۔ فراریوں میں سے حضرت عثمان بھی تھے اور سعد و عقبہ کے ساتھ فرار کیا تھا اور یہ لوگ بہت دور نکل گئے تھے اور جب تین دن کے بعد واپس آئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم

لوگ بہت لمبے نکل گئے تھے۔)
حضرت عثمانؓ مقام اعوص کے حدود تک پہنچ گئے تھے اور جب وہاں سے تین دن کے بعد واپس آئے تو رسول اللہ ﷺ نے وہ فقرہ فرمایا جس کا ذکر اوپر آیا ہے۔
خود قرآن مجید میں جو تصویر اس جنگ کی پیش کی گئی ہے وہ بھی ملاحظہ ہو۔ ارشاد ہوتا ہے۔

"اذ تصعدون ولاتلوون علی احد والرسول یدعوکم فی اخراکم"
وہ وقت جب تم پہاڑ پر چڑھے چلے جا رہے تھے اور مڑ کے بھی کسی کو نہ دیکھتے تھے اور رسول ﷺ تمہیں پیچھے سے آواز دے رہا تھا۔
یہ تھا وہ عبرت انگیز سماں اور یہ تھا وہ امتحان محبت و صداقت جس میں سوائے ایک ذات علیؓ کے اور کوئی دوسرا کامیاب ثابت نہ ہوا۔
رسول اللہ ﷺ کو اس دل شکن طرز عمل کی وجہ سے اتنی بے اطمینانی پیدا ہو گئی تھی کہ آپ ﷺ نے خاتمہ جنگ پر قتل ہو جانے والوں کے متعلق فرمایا۔ "ھٰؤلاء اشھد علیھم" (یہ وہ ہیں جن کے ایمان کی گواہی میں دیتا ہوں)
حضرت ابوبکر نے کہا۔ "یارسول اللہ ﷺ کیا ہم ان کے بھائی نہیں ہیں اور کیا ہم اسلام نہیں لائے اور کیا ہم نے کبھی آپ ﷺ کے ساتھ جہاد نہیں کیا؟"
حضرت ﷺ نے فرمایا۔ "بلی ولا ادری ماتحدثون بعدی" مگر کیا معلوم میرے بعد تم لوگ کیا کرو گے۔ (موطاء امام مالک)
سن ۵ ھ میں جنگ خندق واقع ہوئی۔ احد کے واقعہ کا دھبہ دامنوں پر موجود تھا اور اس کے چھڑانے کا یہ موقع اچھا تھا لیکن عمرو ابن عبدود کا سا بہادر پورے جوش و خروش سے مبارز طلبی کر رہا تھا۔ کس کی ہمت تھی کہ موت کے منہ میں چلا جائے۔ تاریخ کا بیان ہے کہ "طلب المبارزۃ والاصحاب ساکنون کانما علی رؤسھم الطیر لانھم کانوا یعلمون شجاعتہ" (اس نے مقابل طلب کیا اور اصحاب تمام خاموش تھے گویا کہ ان کے سروں پر طائر بیٹھا ہوا ہے، کیونکہ وہ سب اس کی شجاعت سے آگاہ تھے)
جناب امیرؓ پہلی ہی آواز میں اٹھ کھڑے ہوئے مگر رسول اللہ ﷺ نے انہیں روک

دیا لیکن جب ہر طرف خاموشی چھائی رہی اور عمرابن عبدود کی لن ترانیاں بڑھنے لگیں تو رسول اللہ نے جناب امیرؓ ہی کو اجازت دی اور آخرکار انہی کی تلوار نے اس مہم کو بھی سر کیا۔

سن ٦ھ میں صلح حدیبیہ واقع ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ بظاہر حج کے ارادہ سے تشریف لے گئے تھے لیکن مشرکین کے سد راہ ہونے سے آپ نے حج کا ارادہ ترک فرمایا اور چند شرائط کے ماتحت صلح کر لینا منظور فرمالیا۔ یہ شرطیں ایسی تھیں جن سے رسول اللہ ﷺ کی طرف ایک قسم کی کمزوری کا پہلو نمایاں تھا۔ اس صلح نامہ کے کاتب حضرت علیؓ تھے لیکن دوسرے اصحاب کو اس موقعہ پر طرح طرح کے شکوک پیدا ہوگئے اور اس رواداری پر عجب قسم کے غصہ و غم کی لہر دوڑ گئی۔

طبری نے لکھا ہے۔

"قدكان رسول الله خرجوا وهم لايشكون فى الفتح لرنويا راها رسول الله فلما راو اما راوا من اصلح والرجوع وما تحمل عليہٗ رسول الله فى نفسه دخل الناس من ذلك امر عظيم حتى كادوا ان يهلكوا۔"

جو صحابہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ آئے تھے انہیں یقین تھا کہ فتح ہوگی کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ایک خواب دیکھا تھا لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ حضرت ﷺ نے صلح کر لی ہے اور سخت شرائط منظور کر کے واپس جا رہے ہیں تو ان کے دلوں میں ایسی بری باتیں پیدا ہوئیں کہ قریب تھا وہ ہلاکت یعنی گمراہی میں مبتلا ہو جائیں۔

حضرت عمر کا جو عالم تھا وہ خود ان کی زبان سے سنئے۔

"اتيت النبى فقلت الست نبى الله قال بلى قلت السنا على الحق و عدونا على الباطل قال بلى قلت فلم نعطى الدنيته فى ديننا اذا قال انى رسول الله ولست اعصيه وهوناصرى قلت اوليس كنت تحدثنا انا سناتى البيت نطوف به قال بلى افاخبرت انا ناتيه العام قلت لاقال فانك اتيه و تطوف به قال فاتيت

ابابکر فقلت یا ابا بکر الیس ہذا نبی اللہ حقاقال بلی قلت السنا علی الحق و عدو نا علی الباطل قال بلی قلت فلم نعطی الدنیتہ فی دیننا اذا قال ایھا الرجل انہ رسول اللہ ولیس یعصی ربہ وھو ناصرہ فاستمسک بغرزہ فواللہ انہ علی الحق قلت ولیس کان یحد ثنا انا سناتی البیت فنطوف بہ قال بلی اناخیرک انک تاتیہ العام قلت لافقال فانک اتیہ فتطوف بہ۔"

میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا' کیا آپ رسول خدا نہیں ہیں؟ کہا' کیوں نہیں۔ میں نے کہا۔ کیا ہم حق پر اور ہمارا دشمن ناحق پر نہیں ہے؟ فرمایا' ہاں ایسا ہی ہے۔ میں نے کہا' پھر ہم اس ذلت کو کیوں برداشت کریں۔ فرمایا' میں خدا کا رسول ﷺ ہوں اور خدا کے حکم کے خلاف نہیں کرتا اور وہی میرا مددگار ہے۔ میں نے کہا کیا آپ نے ہم سے نہیں کہا تھا کہ ہم عنقریب خانہ کعبہ کی طرف جائیں گے اور اس کا طواف کریں گے حضرت ﷺ نے فرمایا کیوں نہیں۔ لیکن کیا میں نے اسی سال کے لیے کہا تھا؟ میں نے کہا کہ یہ تو نہیں کہا تھا۔ فرمایا پھر میں اب بھی وہی کہتا ہوں کہ میں خانہ کعبہ آؤں گا اور یہاں کا طواف کروں گا' فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں ابوبکر کے پاس گیا اور ان سے بھی وہی گفتگو کی جو رسول اللہ ﷺ سے کی تھی۔

طبری کی روایت میں آپ کا پہلے حضرت ابوبکر کے پاس اور پھر —— آنحضرت ﷺ کے پاس جاکر سوال و جواب کرنا تحریر ہے۔ تاریخ خمیس (جلد ۲ صفحہ ۲۴) میں ہے کہ حضرت عمر نے کہا۔

"واللہ ماشککت منذا سلمت الایومئذ" (جب سے میں اسلام لایا کبھی مجھے شک نہیں ہوا جیسا اس دن ہوا)

یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت عمر فرماتے تھے۔ "کہ میں نے اس جسارت کے کفارہ میں بہت نمازیں پڑھیں اور روزے ادا کیے۔"

الغرض صلح حدیبیہ کی وجہ سے صحابہ رسول اللہ ﷺ سے اس قدر خفا ہو گئے تھے کہ جب صلح کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ "قوموا

فانحروا ثم احلقوا" (اٹھو قربانیاں کرو اور سر منڈواؤ) تو ان میں سے ایک بھی آمادہ نہ ہوا۔ یہاں تک کہ حضرت ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا اور جب اس کے بعد بھی کسی نے تعمیل حکم نہ کی تو حضرت ﷺ کبیدہ خاطر ہو کر حضرت ام سلمہ کے خیمہ میں تشریف لے گئے۔

جب رسول اللہ ﷺ قربانی کرنے کے بعد سر منڈوا چکے تو لوگوں نے بادل ناخواستہ خود بھی قربانیاں شروع کیں۔ "بادل ناخواستہ" کا حال ابن عباس کی روایت ذیل سے معلوم ہو سکتا ہے۔

"حلق رجال یوم الحدیبیته و قصر اُخرون فقال رسول الله یرحم الله المحلقین' قالوا والمقصرین یا رسول الله قال یرحم لحلقین قالوا والمقصرین یا رسول الله قال یرحم المحلقین قالوا یارسول الله والمقصرین قال والمقصرین قالوا یا رسول الله فلم ظاہرت الرحم للمحلقین دون المقصرین قال لانهم لم یشکوا"

کچھ لوگوں نے حدیبیہ کے دن سر منڈوایا اور بعض نے بال ترشوالیے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سر منڈوانے والوں پر خدا رحمت کرے۔ لوگوں نے کہا' اور بال ترشوانے والوں پر۔ آپ ﷺ نے پھر وہی کہا۔ آخر تیسری مرتبہ کہا کہ بال ترشوانے والوں پر بھی رحمت ہو۔ لوگوں نے پوچھا کہ آپ ﷺ نے ان کو کیوں ترجیح دی۔ فرمایا کہ انہوں نے شک نہیں کیا تھا۔

محمد ابن سعد کاتب واقدی کی روایت ہے کہ حضرت عثمان اور ابو قتادہ نے سر نہیں منڈوایا تھا۔

سن ۷ ھ میں خیبر کی مہم در پیش ہوئی۔ اتفاق سے جناب امیرؑ کی آنکھیں آشوب کر آئی تھیں اور آپ مدینہ ہی میں رہ گئے تھے۔ خیبر کے قلعوں میں جو سب سے زیادہ مضبوط قلعہ تھا وہ دشمن کا مرکز تھا۔

تین روز تک متواتر حضرت ابوبکر اور حضرت عمر پرچم اسلام لے کر تشریف لے گئے لیکن ہر بار ناکام واپس آئے۔

تاریخ طبری میں لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے علم حضرت عمر کو دیا اور بہت سے لوگ آپ کے ساتھ گئے' لیکن خیبر والوں سے مقابلہ ہوا تو آپ کے اور آپ کے ساتھیوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور رسالتماب کے پاس واپس آئے۔ اس حال میں کہ ساتھ والے ان پر بزدلی کا الزام لگاتے تھے اور آپ ساتھیوں پر۔

جب یہ صورت دیکھی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

"اما واللہ لاعطین الرایتہ غدا" رجلا" کرادا" غیر فراد یحب اللہ ورسولہ و یحب اللہ ورسولہ یفتح اللہ علی یدیہ"

کل میں علم اس شخص کو دوں گا جو بھاگنے والا نہیں ہے' جو اللہ اور رسول ﷺ کو دوست رکھتا ہے اور جسے اللہ و رسول ﷺ دوست رکھتے ہیں۔ خدا اسی کے ہاتھوں سے فتح کرائے گا۔

بعض روایات میں "کرار غیر فرار" کا ٹکڑا نہیں ہے (ملاحظہ ہو صحیح بخاری جلد ۳ صفحہ ۳۳ و طبقات ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۸۰) لیکن اگر اس ٹکڑے کو علیحدہ کر دیا جائے تو معنی تشنہ رہ جاتے ہیں۔ کیونکہ صورت حال یہ تھی کہ برابر تین دن سے اصحاب کی سرکردگی میں مہمیں بھیجی جا رہی تھیں اور برابر وہ لوگ شکست کھا کر واپس آ جاتے تھے۔ اس لیے ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہی کہا ہو گا کہ کل میں اس کو علم دوں گا جو بھاگ کر واپس نہ آئے' ورنہ کہنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ علاوہ اس کے اس فقرہ کو علیحدہ کر دینے سے یہ معنی پیدا ہوتے ہیں کہ "کل میں علم اس کو دوں گا جو خدا اور رسول ﷺ کو دوست رکھتا ہے اور جسے خدا اور رسول ﷺ دوست رکھتے ہیں' گویا وہ لوگ جو اس سے قبل پرچم اسلام لے کر خیبر فتح کرنے گئے تھے' وہ خدا اور رسول ﷺ کے دوست نہ تھے اور اس صورت میں صحابہ کی اور زیادہ توہین ثابت ہوتی ہے۔

بہرحال "کرار غیر فرار" کا ٹکڑا ہو یا نہ ہو' یہ امر مسلم ہے کہ رسول اللہ ﷺ تین دن کی مسلسل ناکامیوں کی وجہ سے کسی اور شخص کا انتخاب کرنا چاہتے تھے جس کا اظہار آپ ﷺ نے ان الفاظ میں فرمایا۔

اس خبر کے سننے کے بعد صحابہ پر کیا اثر ہوا؟ اس کا حال بخاری کے الفاظ میں سنئے۔

فبات الناس یدوکون لیلتھم ایھم یعطاہ فلما

اصبح الناس غدوا کلھم یرجوان یعطاہ۔

تمام رات لوگوں نے چہ میگوئیوں میں بسر کردی اور جب صبح ہوئی تو ہر شخص یہ تمنا لیے ہوئے تھا کہ علم اسے ملے گا۔

طبقات ابن سعد کاتب واقدی میں ہے، حضرت عمر کا بیان ہے کہ مجھے کبھی اس دن سے پہلے سرداری کی خواہش نہیں ہوئی تھی مگر اس دن میں اونچا ہو کر دیکھ رہا تھا اور منتظر تھا کہ علم مجھ کو دیا جائے گا۔

طبری نے لکھا ہے کہ "جب دوسرا دن ہوا تو حضرت ابو بکر اور حضرت عمر علم کے واسطے گردنیں اونچی کر کر کے دیکھنے لگے۔"

لیکن اس دوسرے دن صبح کو کیا ہوا؟ حضرت ﷺ نے علم لے کر جنبش دی اور فرمایا کون اس کو لیتا ہے ایک صاحب آگے بڑھے اور کہا میں۔ آپ نے فرمایا جاؤ جاؤ آگے بڑھو، قسم اس خدا کی جس نے محمد ﷺ کے چہرہ کو عزت دی ہے میں یہ علم اس شخص کو دوں گا جو بھاگنے والا نہیں ہے۔ اے علیؑ، اٹھو اور علم لو۔

چنانچہ آپ نے علم لیا، قلعہ فتح کیا اور کامران و بامراد واپس آئے۔

۸ھ میں مکہ معظمہ فتح ہوا اور مسلمان خوشیاں منا رہے تھے، لیکن نبی ﷺ اور علیؑ دو ہستیاں ایسی تھیں جو اسلام کی خدمت سے غافل نہ تھیں۔ وہ اصنام جو خانہ کعبہ میں نصب کردیئے گئے تھے، رسالت مآب ﷺ اور علیؑ ان بتوں کو توڑنے کی خدمت انجام دے رہے تھے۔ وہ بت جو سب سے بڑا تھا اور خانہ کعبہ کے اوپر نصب تھا اس کے توڑنے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے علیؑ کو اپنے کاندھے پر بلند کیا اور آپ نے اس کو توڑ ڈالا۔

مورخ دیار بکری نے لکھا ہے کہ اس وقت رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؑ سے فرمایا۔

طوبی لک تعمل للحق و طوبی لی احمل الحق۔

مبارک ہو تم کو کہ تم حق کے لیے کام کر رہے ہو اور خوشحال میرا کہ میں حق کے لیے تمہارا بار اٹھائے ہوئے ہوں۔

یہ باتیں بظاہر دیکھنے میں بہت معمولی حیثیت رکھتی ہیں لیکن انہی جزئی واقعات سے عمومی تاریخ مرتب ہوتی ہے اور ایک مورخ انہی واقعات سے صحیح نتیجہ تک پہنچنے میں کامیاب ہوتا ہے۔

اسی سال کے آخر میں حنین کی جنگ ہوئی۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی آخری لڑائی تھی۔ کیونکہ اس کے بعد جنگ تبوک ہوئی جس میں رسول اللہ ﷺ بغیر جنگ کیے ہوئے واپس آ گئے تھے۔

اس لڑائی کی کیفیت بڑی حسرت خیز و حیرت انگیز ہے اور قرآن مجید میں اس کی کیفیت حسب ذیل الفاظ میں بیان کی گئی ہے۔

ویوم حنین اذا عجبتکم کثرتکم فلم تغن عنکم شیئا وضاقت علیکم الارض بما رحبت ثم ولیتم مدبرین۔

اور حنین کے دن کو یاد کرو جبکہ تمہاری کثرت نے تمہیں مغرور بنادیا تھا۔ مگر اس نے تمہیں کوئی فائدہ نہ پہنچایا اور زمین تم پر تنگ ہوگئی اور تم نے جنگ میں پیٹھ دکھادی۔

صورت یہ ہوئی کہ دشمن کی فوج کمین گاہ میں تھی اس نے اچانک حملہ کردیا اور مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے سوائے سات آٹھ آدمیوں کے کوئی باقی نہ رہا۔

ان آٹھ آدمیوں کی فہرست میں اکثر کتابوں میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کا نام بھی نظر آتا ہے لیکن صحیح بخاری میں ابو قتادہ کی روایت یہ ہے۔

تمام مسلمانوں نے راہ فرار اختیار کی اور میں بھی ان کے ساتھ بھاگا ایک مرتبہ میں نے دیکھا کہ سب کے ساتھ حضرت عمرؓ بھی ہیں۔ میں نے کہا یہ کیا ہوا' آپ نے فرمایا کہ کیا بتاؤں خدا کی مرضی۔ پھر اس کے بعد رفتہ رفتہ لوگ رسالتماب ﷺ کے پاس واپس آگئے۔

محدث ابن ابی شیبہ کا بیان ہے کہ۔

آنحضرت ﷺ کے ساتھ صرف چار آدمی رہ گئے تھے۔ تین بنی ہاشم میں سے اور ایک اور جن کی تفصیل یہ ہے کہ علیؓ و عباس آپ کے آگے تھے' ابو سفیان لگام پکڑے ہوئے تھے اور ابن مسعود پہلو میں تھے اور کوئی شخص دشمنوں میں سے حضرت کی طرف نہ بڑھتا تھا۔ مگر یہ کہ وہ قتل ہو جاتا تھا۔

ان فرار کرنے والوں پر ایک عورت ام سلیم بنت ملحان نے انتہائی غم و غصہ کا اظہار کیا وہ رسالتماب ﷺ کے پاس سے بالکل جدا نہیں ہوئی۔ حضرت نے پکار کر فرمایا "ام سلیم"

اس نے کہا۔ "جی حضور' میرے ماں باپ آپ پر نثار' آخر آپ فرار ہونے والوں کو قتل کیوں نہیں کرڈالتے۔" حضرت نے اس کے جواب میں صرف اس قدر ارشاد فرمایا کہ "یہ بھاگ جاتے ہیں تو کیا ہوا خدا کافی ہے۔"

استیعاب میں حضرت عباس کے حالات میں لکھا ہے کہ:

"حنین کے دن آنحضرت ﷺ کے پاس سے سب فرار کرگئے۔ سوا عباسؓ' عمرؓ' علیؓ اور ابوسفیان کے بعض لوگوں نے کہا ہے کہ سات آدمی حضرت ﷺ ہی کے گھر کے رہ گئے تھے۔ ابن اسحاق نے کہا ہے کہ یہ سات آدمی علیؓ' عباس' فضل ابن عباس' ابوسفیان' جعفر بن ابی سفیان' ربیعہ بن حارث اور اسامہ بن زید ہیں اور ان کے علاوہ آٹھویں ایمن ابن عبد۔

بعض مورخوں نے ابوسفیان کے بجائے حضرت عمرؓ کا نام لیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ابوسفیان تو یقیناً حضرت ﷺ کے ساتھ تھے' حضرت عمر کے متعلق بیشک اختلاف ہے۔

اس جنگ سے فارغ ہونے کے بعد رسول اللہ نے طائف کا محاصرہ کیا کیونکہ مشرکین وہاں پناہ گزین ہوگئے تھے۔ اسی دوران میں ایک دن رسول اللہ ﷺ نے جناب امیر سے بڑی دیر تک راز کی گفتگو کی۔ اس پر لوگوں میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں اور کہا۔

لقد طال نجواہ مع ابن عمہ۔

آج تو رسول اللہ ﷺ اپنے ابن عم سے بڑے طولانی مشورے کررہے ہیں۔

رسول اللہ نے سنا تو فرمایا۔

ما انتجیتہ ولکن اللہ انتجاہ

میں نے علیؓ کو مشورے کے لیے منتخب نہیں کیا ہے بلکہ خدا نے کیا ہے۔ اس روایت کو حافظ ترمذی نے درج کیا ہے اور حسن صحیح قرار دیا ہے۔

۹ھ میں غزوہ تبوک واقع ہوا۔ رسول اللہ ﷺ کی زندگی کو صرف ایک سال باقی ہے اور یہ غزوہ آخری غزوہ ہے۔ گرمی کا زمانہ ہے' شدت سے لو چل رہی ہے اور رسالت مآب ﷺ نے اپنے ساتھ چلنے کے لیے تمام اصحاب کو حکم دیا ہے۔ لیکن حضرت علیؓ کے متعلق ارشاد ہوتا ہے کہ تم مدینہ میں قیام کرو اور میری جگہ رہو حضرت علیؓ کبیدہ خاطر ہوکر کہتے ہیں۔

للخلفنی فی الصبیان والنساء
(کیا آپ مجھے بچوں اور عورتوں میں چھوڑ جائیں گے؟)
حضرت ﷺ جواب دیتے ہیں۔
اما ترضی ان تکون منی بمنزلته هارون من موسی الاانه لانبی بعدی
کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تم مجھ سے وہی نسبت رکھو جو ہارونؑ کو موسیٰ سے تھی۔ سوائے اس کے کہ میرے بعد کوئی نبی ہونے والا نہیں ہے۔ (صحیح بخاری جلد ۳ صفحہ ۵۴' تاریخ خمیس جلد ۲ صفحہ ۱۳۸' تاریخ طبری جلد ۴ صفحہ ۱۴۴' الریاض النضرہ ص ۱۶۹' سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ ص ۳۱۷' مواہب لدنیہ جلد ۱ ص ۱۷۳۔ تاریخ الخلفاء سیوطی ۱۶۷' ۱۶۸۔)

اگر آخری جملہ "لا نبی بعدی" کا نہ ہوتا تو ہارونؑ کی منزلت کو صرف وقتی جانشین اور عارضی خلافت تک محدود سمجھا جاسکتا تھا لیکن اس جملہ سے ثابت ہوتا ہے کہ زندگی میں اور بعد وفات دونوں حالتوں میں جناب امیر کو اسی جانشینی اور خلافت کا درجہ حاصل ہے جو ہارون کو موسیٰ کے بعد حاصل ہوا۔

دنیا کو معلوم ہے کہ ہارون موسیٰ کے شریک کار معاون اور وزیر و جانشین تھے اور اگر ان کی زندگی موسیٰ کے بعد باقی رہتی تو خلافت کا حق سوائے ان کے کسی کو نہ پہنچتا۔ بالکل اسی طرح جناب امیر کے لیے ثابت ہوتا ہے کہ وہ حیات و ممات ہر حالت میں رسول اللہ ﷺ کے جانشین تھے اور اگر ہارون سے کوئی فرق تھا تو صرف یہ کہ ہارون نبی تھے اور رسول اللہ ﷺ کے بعد سلسلہ نبوت ختم ہوگیا لیکن اگر یہ سلسلہ ختم نہ ہوتا تو نبی بھی سوائے حضرت علی کے دوسرا نہ ہوتا۔

اسی سال کا واقعہ ہے کہ سورۃ براۃ کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں جن کا اعلان مکہ معظمہ میں حج کے موقعہ پر ہونا تھا۔ اس واقعہ کے متعلق مختلف روایات ہیں۔ نسائی کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے حضرت ابوبکر کو ان آیات کے ساتھ روانہ کردیا تھا۔ اس کے بعد ان کو واپس بلا کر یہ خدمت حضرت علیؓ کے سپرد کی۔ دوسری روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان کو واپس نہیں بلایا بلکہ خود حضرت علیؓ کو روانہ کیا کہ حضرت ابوبکرؓ سے وہ آیات لے کر خود اس خدمت کو انجام دیں۔ بہرحال ان تمام روایات میں رسول اللہ ﷺ کا یہ قول

قدر مشترک کے طور پر پایا جاتا ہے کہ۔

علی منی وانا منہ ولا یودی عنی الا انا و علی

یعنی علی مجھ سے ہے اور میں علی سے اور اپنی ترجمانی یا میں خود کر سکتا ہوں یا علی۔
دوسری روایت میں الفاظ اس طرح پائے جاتے ہیں۔ "انی امرت ان ابلغہ انا او رجل من اھل بیتی۔" (مجھے حکم دیا گیا ہے کہ یا میں خود اس کو پہنچاؤں یا ایسا شخص جو میرے اہل بیت میں داخل ہو) (خصائص نسائی صفحہ ۶۱۔۶۴ روض لانف جلد ۲ صفحہ ۳۲۸، طبری جلد ۳ ص ۱۵۴، تاریخ خمیس جلد ۲ ص ۱۵۷، ریاض نفرص ۱۷۴)

بہرحال حضرت ابو بکر روانہ ہو چکے تھے یا نہیں وہ واپس بلائے گئے یا نہیں مسلم ہے کہ آیات قرآنی کی تبلیغ کے لیے حضرت ﷺ نے جناب امیر کا منتخب کیا اور یہ کہہ کر کہ اس خدمت تبلیغ کا اہل میں ہوں یا پھر وہ جو میرے اہل بیت میں داخل ہو۔

۱۰ھ میں رسول اللہ ﷺ نے جناب امیر کو یمن کی طرف تبلیغ کے لیے روانہ کیا اور اس شان سے کہ "عقد لواء و عممہ بیدو وارخی طرفھا من قدامہ نحو ذراع ومن خلفہ قید شبھر۔" (حضرت نے ان کے لیے علم تیار کیا خود اپنے ہاتھ سے ان کے سر پر عمامہ باندھا اور عمامہ کا ایک سرا آگے کی طرف قریب ایک ہاتھ کے سینہ پر ڈال دیا اور دوسرا سرا پشت کی طرف ایک بالشت لٹکا دیا۔ (تاریخ خمیس جلد ۲ ص ۱۶۰)

اس مہم کی سرکردگی کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام قبیلہ ہمدان اور اکثر اہل یمن ایک ہی دن میں آپ کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے اور آپ مدینہ واپس لوٹے۔ اس مہم پر پہلے خالد بن ولید کی نامزدگی ہو چکی تھی اور چونکہ حضرت علیؑ کے بھیجے جانے سے وہ معزول ہوئے اس لیے بعض حضرات کو یہ بات بہت ناگوار ہوئی (بخاری مطبوعہ مصر جلد ۲ ص ۴۳۔) اور اس کا انتقام یوں لیا گیا کہ چند لوگ جناب علیؑ کی یہ شکایت لے کر مدینہ پہنچے کہ آپ نے اموال خمس میں سے ایک کنیز پر بغیر اجازت رسول تصرف کر لیا۔ اس کا جو جواب رسول اللہ ﷺ نے دیا ہے وہ کتب احادیث میں اب تک محفوظ ہے۔ ملاحظہ ہو۔

عمران بن حصین کی روایت ہے کہ۔ "اقبل رسول اللہ والغضب یعرف فی وجھہ نقال ماتریدون من علی ثلاثا ان علیا منی وانا منہ وھو ولی کل مومن بعدی۔" حضرت مخاطب ہوئے مگر اس طرح کہ غصہ آپ کے چہرہ سے نمایاں تھا اور کہا تم لوگ علی سے کیا چاہتے ہو، آخر؟ علی مجھ سے ہے،

میں علی سے ہوں اور وہ ہر مومن کا میرے بعد ولی ہے) (ریاض النضرہ جلد ۳ ص ۱۷۱- خصائص نسائی ص ۷۳'۷۵-)

بریدہ کی روایت میں ہے-

لما اتیت النبی دفعت الکتاب فقراہ علیہ فرایت الغضب فی وجھہ فقال لاتقع فی علی فانہ منی وانا منہ وھو ولیکم بعدی

(یعنی جب میں آیا اور حضرت ﷺ کو خط دیا تو آپ نے پڑھنا شروع کیا اور چہرہ پر غصہ کے آثار نمایاں ہوتے جا رہے تھے- آپ ﷺ نے فرمایا- علیؓ کی برائی نہ کرو' وہ مجھ سے ہے میں اس سے ہوں اور وہ تمہارا حاکم ہے میرے بعد) (استیعاب مطبوعہ حیدر آباد ص ۴۷۰)

علامہ ابن حجر مکی شرح قصیدہ ہمزیہ (مطبوعہ مصر صفحہ ۲۲۷-) میں لکھتے ہیں-

ماصح عنہ صلی اللہ علیہ وساحہ وھو اللھم وال من والاہ و عاد من عاداہ ان علیا منی وانا منہ و ھو ولی کل مومن بعدی-

(صحیح اسناد سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' خداوندا دوست رکھ اسے جو علیؓ کو دوست رکھے اور دشمن رکھ اس کو جو علیؓ کو دشمن رکھے اور یہ کہ علیؓ مجھ سے ہے' میں علیؓ سے ہوں اور وہ ولی ہے ہر مومن کا میرے بعد)

اسی ۱۰ھ کے آخر میں رسالتماب ﷺ نے آخری حج کیا ہے جو حجۃ الوداع کے نام سے مشہور ہے- یہ جناب رسالتماب ﷺ کی زندگی کا آخری زمانہ ہے اور صرف چند ماہ آپ کی رحلت کو باقی ہیں-

جناب امیرؓ زکوٰۃ و خمس لینے یمن چلے گئے تھے' جب رسول اللہ ﷺ حج کے لیے روانہ ہوئے لیکن آپ وہاں سے واپس آکر رسول اللہ ﷺ سے مل گئے تھے- اس موقع پر بھی جناب امیرؓ کی دیانت و امانت سے فوج والوں کو شکایت پیدا ہو گئی تھی- واقعہ یہ ہے کہ جب آپ یمن سے واپس ہوئے اور مکہ معظمہ کے قریب پہنچے تو آپ فوج سے علیحدہ ہو کر پہلے پہنچ گئے اور صحابہ میں سے ایک شخص کو فوج کا سردار بنا آئے- اس قائم مقام سردار نے تمام اسباب و اموال میں سے جو یمن سے آیا تھا لباس فاخرہ نکلوا کر فوج کے تمام سپاہیوں کو پہنوا

دیا۔ جب فوج کا داخلہ ہونے لگا تو حضرت علیؓ معائنہ کے لیے گئے اور یہ دیکھ کر بہت برہم ہوئے اور تمام لباس اتروا کر اموال میں پھر شامل کر دیا۔ یہ بات بھی لوگوں کو بہت ناگوار گزری اور رسول اللہ ﷺ سے شکایت کی گئی تو آپ ﷺ نے ایک عام تقریر کی اور فرمایا۔

لاتشکوا علیا فواللہ انہ لایغشن فی ذات اللہ من ان یشکی

(یعنی علیؓ کی شکایت نہ کرو' خدا کی قسم وہ اللہ کی مرضی کے لیے اتنا بے لوث ہے کہ اس کی شکایت کا موقعہ ہی نہیں ہے۔) (سیرۃ ابن ہشام برحاشیہ روض لانف جلد ۲ ص ۳۵۱' طبری جلد ۳ ص ۱۶۸' استیعاب مطبوعہ حیدر آباد ص ۷۵۷' صواعق محرقہ مطبوعہ مص ص ۷۶۔)

یہ حج سے پہلے کا واقعہ ہے۔ اب وہ وقت ہے کہ رسول اللہ ﷺ حج سے فارغ ہو کر مدینہ واپس تشریف لا رہے ہیں۔ حضرت ﷺ چلتے چلتے غدیر خم تک پہنچتے ہیں' پورا قافلہ روک دیا جاتا ہے اور اعلان ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ تقریر فرمائیں گے۔ ہزاروں آدمی خطبہ نبوی سننے کے لیے مجتمع ہیں اور آپ ﷺ منبر پر تشریف لے جا کر ایک مبسوط خطبہ کے ذریعہ سے اپنے قرب وفات کی پیشین گوئی کرتے ہیں۔ اپنی خدمات و ہدایات کا ذکر فرماتے ہیں لوگوں سے اصول اسلام و ایمان کی گواہی لیتے ہیں اور اس کے بعد وہ کچھ فرماتے جس سے انکار کی گنجائش نہیں اور جس نے ہمیشہ کے لیے آپ کی جانشینی کے مسئلہ کو طے فرما دیا۔

اس سلسلہ میں حافظ طبرانی کی روایت جو بہ سند صحیح منقول ہے' حسب ذیل ہے۔

ایھا الناس انی یوشک ان ادعی فاجیب وانی مسئول وان مسئولون فماذا انتم قائلون۔

(مسلمانو' عنقریب مجھے بلا لیا جائے گا اور میں تم سے رخصت ہو جاؤں گا۔ میں بھی جوابدہ ہوں اور تم بھی جوابدہ ہو اس لیے بتاؤ کہ جب وقت آئے گا تو تم کیا کہو گے؟)

فقال لیس تشھدون ان لاالہ الااللہ وان محمدا عبدہ' و رسولہ وان جنتہ حق وان نارہ حق وان البعث حق بعد

الموت وان الکتاب آیة لاریب فیھا وان اللہ یبعث من فی القبور قالوا بلی لشھد بذالک فان اللھم اشھد' ثم قال یا ایھا الناس ان اللہ مولای وانا مولی المومنین وانا اولی بھم من انفسھم فمن کنت مولاہ فھذا مولاہ یعنی علی' اللھم وال من الاہ وعاد من عاداہ

(حضرت ﷺ نے فرمایا کیا تم لوگ اس بات کی گواہی نہ دو گے کہ سوائے اللہ کے کوئی خدا نہیں اور یہ کہ محمد ﷺ خدا کا بندہ اور رسول ﷺ ہے' قیامت آنے والی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں اور خدا مردوں کو زندہ کرے گا۔ سب نے کہا۔ ہاں ہم اس کی گواہی دیتے ہیں' حضرت ﷺ نے فرمایا۔ خداوند گواہ رہنا۔ پھر فرمایا اے لوگو خدا میرا مولا ہے اور میں تمام مومنین کا مولا ہوں اور ان کے نفسوں کا خود ان سے زیادہ حقدار ہوں۔ اس کے بعد جس کا میں مولا ہوں اس کا یہ مولا ہے۔ (علیؓ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔ خداوند دوست رکھ اس کو جو علیؓ کو دوست رکھے اور دشمن رکھ اس کو جو علیؓ کو دشمن رکھے)

ثم قال ایھا الناس انی فرطکم و انتم واردون علی الحوض وانی سئلکم حین تردون علی عن الثقلین فانظرونی کیف تخلفون فیھما الثقل الاکبر کتاب اللہ سبب طرفہ بیداللہ و طرفہ بایدکم فاستمسکو بہ لا تضلو اولا تبدلوا وعترتی اھل بیتی فانہ قد نبانی اللطیف الخبیر انھما لن ینقضیا حتی یردا علی الحوض۔

(پھر حضرت ﷺ نے فرمایا اے لوگو' میں تمہارے آگے جاتا ہوں اور تم حوض کوثر پر میرے پاس پہنچو گے تو میں تم سے دریافت کروں گا کہ تم نے میرے بعد ثقلین کے ساتھ کیا سلوک کیا' ایک ان میں سے کتاب خدا ہے جو ایک زنجیر ہے جس کا ایک سرا خدا سے متصل اور دوسرا سرا تمہارے پاس ہے اس کو پکڑے رہو' گمراہ نہ ہو اور ادل بدل نہ کرو' دوسرے میری عترت' میرے اہل بیتؑ خدا نے مجھے بتایا ہے کہ یہ دونوں فنا نہ ہوں گے جب تک میرے پاس حوض کوثر پر وارد نہ

ہوں)

علامہ ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ (مطبوعہ مصر صفحہ ۲۵، ۲۶) میں اس روایت کو درج کیا ہے اور لکھا ہے کہ حضرت نے تین مرتبہ صحابہ سے دریافت کیا۔ الست اولی بکم من انفسکم (کیا میں تم پر تم سے زیادہ اختیار نہیں رکھتا) سب نے کہا، بے شک، بیشک، بیشک اور پھر اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؑ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر فرمایا۔

من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ وانصر من نصرہ واخذل من خذلہ وادر الحق حیث دار۔

(یعنی جس کا میں مولیٰ ہوں علیؓ اس کا مولیٰ ہے، خداوند دوست رکھ اس کو جو اسے دوست رکھے اور دشمن رکھ اس کو جو اسے دشمن رکھے، مدد کر اس کی جو اس کی مدد کرے، ساتھ چھوڑ اس کا جو اس کا ساتھ چھوڑے اور حق کو اس طرف گردش دے جس طرف وہ گردش کرے)

اس کے بعد اس روایت پر تبصرہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

"یہ حدیث صحیح ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں اور ترمذی، نسائی، احمد بن حنبل وغیرہ ایک جماعت نے اس کی تخریج کی ہے اور اس کے طریق و اسناد بہت زیادہ ہیں۔ چنانچہ ۱۶ صحابیوں نے اس کی روایت کی ہے اور احمد بن حنبل کی ایک روایت میں ہے کہ ۳۰ صحابیوں نے اس کے سننے کی گواہی دی ہے اور اس کی اسناد اکثر صحیح و حسن ہیں۔" (صواعق محرقہ مطبوعہ مصر صفحہ ۲۵۔)

استیعاب ابن عبدالبر، (مطبوعہ حیدرآباد جلد ۲ ص ۴۷۳) اسد الغابہ (جلد ۵ ص ۲۰۵، جلد ۳ ص ۲۷۴، ۳۰۷، ۳۲۱) ابن اثیر جزری میں متعدد مقام پر یہ روایت مذکور ہے، حافظ محب طبری نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ

"اس واقعہ کے بعد حضرت عمر، جناب علی ﷺ سے ملے اور کہا کہ مبارک ہو آپ کو کہ آپ ہو گئے ہر مومن و مومنہ کے مولا۔" (ریاض النضرہ جلد ۲ ص ۱۶۹)

اب رسول ﷺ کی زندگی صرف دو ماہ چند دن کی باقی رہ گئی ہے اور مسلمانوں کی شب یلدا جب ہاتھ کو ہاتھ نہ سجھائی دے گا، نزدیک ہے، آیئے واقعات کا ذرا جائزہ لے لیں۔

شاید رسول اللہ ﷺ کے بیانات سے کوئی شمع ہدایت ایسی مل جائے جو تجلیات نبوی ﷺ کے اوجھل ہو جانے کے بعد ہمارے لیے دلیل راہ بن سکے۔

گزشتہ صفحات کے مطالعہ سے معلوم ہو سکتا ہے کہ شروع سے اخیر تک ہر موقع پر رسول ﷺ کے ساتھ موانست و ہمدردی میں پیش پیش رہنے والا، کسی موقع پر قدم میں تزلزل نہ آنے دینے والا اور سخت سے سخت وقت میں اطاعت رسول ﷺ سے سرمو انحراف نہ کرنے والا کون تھا؟ آپ نے یہ بھی دیکھا ہو گا کہ جناب امیر کی اس اطاعت و جان نثاری کی بنا پر رسول ﷺ کی بارگاہ میں جو رسوخ ان کو حاصل تھا وہ دوسرے صحابہ کو گراں گزرتا تھا اور وہ اپنے جذبات سے مجبور ہو کر شکوہ شکایت بھی کر گزرتے تھے۔

مسجد نبوی ﷺ میں صحابہ کے مکانوں کے جو دروازے کھلتے تھے ان کو بند کر دیئے جانے کا واقعہ، طائف میں رسول ﷺ اور علیؑ کی راز درانہ گفتگو کا حال، بریدہ کا واقعہ اور حجتہ الوداع سے قبل یمن سے واپسی کا واقعہ آپ نے ملاحظہ فرمایا ہو گا اور رسالت ماب کی طرف سے جناب امیر کے خلاف اعتراض یا شکوہ کا جو جواب ملتا تھا وہ بھی آپ نے پڑھ لیا ہو گا۔ ظاہر ہے کہ نفسیات کے لحاظ سے یہ تمام واقعات اور زیادہ صحابہ کی برہمی کا باعث ہوئے ہوں گے۔ چنانچہ رسالت ماب ﷺ کو احساس تھا کہ جب میری زندگی میں یہ ہو رہا ہے تو بعد میں خدا جانے کیا ہو۔ احد میں صرف اتنی سی افواہ پر کہ رسول اللہ ﷺ قتل ہو گئے سب کے قدم میدان سے اٹھ گئے تو اور زبانوں پر یہی تھا کہ پیغمبر نہ رہے تو اسلام کیسا اور لڑائی کیسی۔ انس بن نضر نے لوگوں سے پوچھا "تم ہاتھ پر ہاتھ دھرے کیوں بیٹھے ہو؟" جواب ملا کہ "رسول ﷺ تو ہیں نہیں پھر ہم کیا کریں۔" انس نے کہا۔ "رسول ﷺ نہیں تو نہ سہی تم ان کے دین پر تو قائم ہو، اٹھو اور جہاد کرو۔" مگر بیٹھ رہنے والے بیٹھے رہے اور انس نے جان دی۔ قرآن مجید کی جو آیتیں اس موقع سے تعلق رکھتی ہیں غور سے پڑھنے کے قابل ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے۔

ما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل افئن مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم ومن ینقلب علی عقبیه فلن یضر الله شیئا۔

(محمد ﷺ نہیں ہیں مگر ایک رسول ﷺ جن سے پہلے بہت رسول گزر چکے تو کیا وہ مر جائیں یا قتل ہو جائیں تو تم اسلام سے پلٹ جاؤ گے اور جو شخص ایسا کرے

گا تو خدا کو اس سے کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔)

اس کے علاوہ رسالتماب ﷺ نے اپنی بے اطمینانی کا جن الفاظ میں اظہار کیا وہ بھی گوش گزار ہو چکے ہیں۔ جب آپ ﷺ نے شہداء احد کے متعلق فرمایا کہ میں ان کا گواہ ہوں تو حضرت ابوبکرؓ نے کہا کیا ہم نے کبھی ان کی طرح جہاد نہیں کیا؟ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ "ہاں مگر کسے خبر ہے تم لوگ میرے بعد کیا کرو۔"

دوسرے موقعوں پر حضرت نے اس خطرہ کے وقوع کی صریح پیشن گوئی کی ہے۔ بخاری کی حدیث ہے کہ۔

"آنحضرت ﷺ نے فرمایا' میں تم سے پہلے حوض کوثر پہنچوں گا کچھ لوگ تم میں سے میری طرف لائے جائیں گے اور جب میں چاہوں گا کہ انہیں اپنے قریب بلاؤں تو وہ مجھ سے جدا کر دیئے جائیں گے۔ میں کہوں گا خداوندا یہ تو میرے اصحاب ہیں۔ ارشاد ہو گا تمہیں معلوم نہیں انہوں نے تمہارے بعد کیا گل کھلائے۔"

(بخاری جلد ۴ صفحہ ۱۳۶)

آنحضرت ﷺ کو جن چیزوں کے متعلق یہ خطرہ تھا ان کو صاف طور پر حجتہ الوداع کے خطبہ میں ظاہر فرما دیا جس کی اصل عبارت پہلے درج ہو چکی ہے۔ اس میں آنحضرت ﷺ نے اس تمہید کے ساتھ کہ "انا فرطکم علی الحوض" (میں حوض کوثر پر تمہارا پیش رو ہوں) یہ فرمایا ہے کہ میں تم میں دو چیزیں بہت گرانقدر چھوڑے جاتا ہوں' ایک کتاب خدا دوسرے اپنی عترت و اہل بیت' دیکھو میرے بعد تم ان کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہو۔ اس طرح حضرت ﷺ نے اس پہلی بیعت کے موقعہ پر جو "انذر عشیرتک الاقربین" کا حکم نافذ ہونے پر لی گئی تھی' علیؓ کی وزارت و وصایت و خلافت کا اعلان فرما دیا تھا۔ پھر اس کے بعد مختلف طرح سے علیؓ کی وزارت و وصایت و خلافت کا اعلان فرما دیا تھا۔ پھر اس کے بعد مختلف طرح سے علیؓ کے کمالات کو روشن کیا' علمی حیثیت سے "انا مدینہ العلم و علی بابہا" فرما کر یہ ثابت کیا کہ میرے علوم اگر دستیاب ہو سکتے ہیں تو صرف علی کے ذریعہ سے "اقضاکم علی" کہہ کر فصل مقدمات کا بہترین ماہر بتایا "علی منی" کہہ کر انتہائی یگانگت و وابستگی کا اظہار فرمایا اور سب سے آخر میں غدیر خم کے میدان میں "من کنت مولاہ فعلی مولاہ" کہہ کر علیؓ کی حکومت ولایت و خلافت کا صریح اعلان فرما دیا۔ یہاں تک کہ صحابہ نے علیؓ کو مبارکباد بھی دی لیکن کیا رسول

اللہ ﷺ کو اطمینان ہو گیا تھا؟ ہرگز نہیں واقعات بتلاتے ہیں کہ آپ مطمئن نہ ہوئے تھے۔
حضرت اس خطبہ کے بعد غدیر خم سے روانہ ہو کر مدینہ پہنچے۔ محرم کے مہینہ بھر آپ اچھے رہے' صفر میں بیمار پڑے اور اس بیماری میں مبتلا ہوئے جو آپ کے لیے مرض الموت ثابت ہوئی۔ حضرت نے اس بیماری کی حالت میں تقریر کی اور فرمایا۔

ایھا الناس یوشک ان اقبض قبضا سرایا فینطلق بی وقد قدمت الیکم القول معذرۃ الیکم الانی مخلف فیکم کتاب ربی وعترتی اھل بیتی۔

(اے لوگو بہت قریب ہے وہ وقت کہ میں دنیا سے اٹھ جاؤں اور تم سے رخصت ہوں میں نے اس سے قبل تم سے سب کچھ کہہ دیا ہے اور حجت تمام کر دی ہے پس تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ میں تمہارے درمیان خدا کی کتاب اور اپنی عترت اہل بیت کو چھوڑے جا رہا ہوں۔)

یہ کہہ کر حضرت ﷺ نے جناب امیر کا ہاتھ پکڑا اسے بلند کر کے فرمایا۔

ھذا علی مع القران والقران مع علی لایفترقان حتی یردا علی الحوض فاسئلھما ما خلفت فیھما"

(علیؑ قرآن کے ساتھ ہے اور قرآن علی کے ساتھ' یہ دونوں جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ میرے پاس حوض کوثر پر پہنچیں میں ان سے دریافت کروں گا کہ تم نے ان سے میرے بعد کیا سلوک کیا۔) (صواعق محرقہ مطبوعہ مصر صفحہ ۷۷۔)

اب مرض کی شدت اور زیادہ بڑھ گئی۔ حضرت ﷺ نے اسی عالم میں ایک علم اسامہ بن زید کے لیے تیار کیا اور تمام بڑے بڑے صحابہ کو اسامہ کی ماتحتی میں جنگ کے لیے روانگی کا حکم دیا۔ تاریخیں متفق ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ حضرت عمر بھی اسامہ کے ساتھ جانے پر مامور ہوئے تھے۔

لوگوں کو بڑا ناگوار ہوا کہ رسالتماب ﷺ نے اتنے بڑے بڑے صحابہ پر اسامہ بن زید کو حاکم بنا دیا۔ حضرت ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ کو بہت غصہ آیا اور اسی حالت میں چادر اوڑھے سر پر رومال باندھے باہر آ گئے اور منبر پر جا کر فرمایا۔

"تم لوگ اسامہ کی امارت پر معترض ہو' یہ نئی بات نہیں ہے۔ اس سے پہلے تم اس کے باپ (زید بن حارثہ) کی امارت پر بھی اعتراض کر چکے ہو۔ بخدا وہ امارت

کے لائق تھا اور یہ اس کا بیٹا بھی امارت کے لائق ہے۔ (طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۱۳۶ مواہب لدنیہ جلد ۱ ص ۱۷۹، تاریخ خمیس جلد ۲ ص ۱۷۱۔)

بیشک ان اشخاص میں جو ساتھ جانے پر مامور تھے، حضرت علی ﷺ کا نام نظر نہیں آتا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے مدارج النبوت میں تصریح کردی ہے کہ۔

"حکم عالی چناں صادر شد کہ ازاعیان مہاجر و انصار مثل ابوبکر صدیق و عمرفاروق و عثمان ذی النورین و سعد بن ابی وقاص و ابوعبیدہ بن الجراح وغیرہم الا علیؓ مرتضیٰ راکہ ہمراہ نہ کرد دراں لشکر ہمراہ اسامہ باشد۔"

واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اپنی زندگی کے آخر ہونے کا یقین تھا وہ اپنی موت کی اطلاع رکھتے تھے اور اس کے لیے تیاریاں کر رہے تھے اس موقعہ پر حضرت کا خاص طور پر لشکر اسامہ کی روانگی کا حکم دینا اسی لیے تھا کہ وہ ان تمام لوگوں کے وجود سے مدینہ خالی کردینا چاہتے تھے۔

اگر آپ کا منشاء کسی حیثیت سے یہ ہوتا کہ آپ کے بعد امور خلق کی ذمہ داری ان اشخاص میں سے کسی کے سپرد ہو تو ظاہر ہے کہ وہ اپنے وقت آخر میں ان لوگوں کو لشکر اسامہ کے ساتھ جانے کی تاکید نہ فرماتے۔ حضرت ﷺ کو اس امر میں اتنا اہتمام تھا کہ شدت مرض میں جب آنکھ کھلتی تھی تو بار بار یہی تاکید فرماتے تھے کہ لشکر فوراً روانہ ہوجائے۔ لوگ رسول خدا ﷺ کے اس منشاء کو سمجھتے تھے اور اسی لیے تعمیل حکم پس وپیش ہو رہا تھا۔ لیکن اسامہ کا لشکر نہ جانا تھا نہ گیا اور گیا اس وقت جب رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوچکی اور خلافت کا مسئلہ تکمیل کو پہنچ گیا۔

اب رسالتماب ﷺ کا مرض انتہائی شدت تک پہنچ گیا ہے۔ مگر ابھی اگر کوئی خیال آپ ﷺ کو ہے تو صرف وہی ایک۔ کوئی اندیشہ ہے تو وہی ایک۔ ایک بار غش سے آنکھ کھلتی ہے تو فرماتے ہیں۔ "ذرا دوات و قلم منگواؤ میں تمہارے لیے ایک نوشتہ چھوڑ جاؤں تاکہ میرے بعد تم گمراہی میں نہ مبتلا ہو۔" مگر حضرت عمرؓ نے انکار کردیا۔ "فرمایا کہ پیغمبر ﷺ پر مرض کا غلبہ ہے اور ہم کو کتاب خدا کافی ہے۔" صحیح بخاری میں متعدد روایتیں پائی جاتی ہیں۔ ایک روایت ابن عباس سے ہے کہ۔

ابن عباس کہتے تھے، ہائے پنج شنبہ کا دن تم جانتے ہو کہ پنج شنبہ کے دن کیا ہوا رسالتماب ﷺ پر مرض کی شدت ہوئی، حضرت ﷺ نے فرمایا، لاؤ میں تمہیں

ایک نوشتہ تحریر کردوں۔ تاکہ میرے بعد تم گمراہ نہ ہو۔ لوگوں نے اختلاف شروع کیا اور کہا کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ ذرا پھر پوچھو' لوگ آپ کے قریب گئے کہ پھر آپ سے دریافت کریں۔ حضرت ﷺ نے فرمایا "جاؤ چھوڑو مجھ کو' میں جس حال میں ہوں اسی حال میں رہنے دو۔" (بخاری مطبوعہ مصر جلد ۳ ص ۵۸)

دوسری روایت یہ ہے کہ۔

"جب رسالتماب ﷺ کا آخر وقت تھا' اس وقت گھر میں بہت سے آدمی موجود تھے۔ حضرت ﷺ نے فرمایا آؤ میں تمہیں ایک نوشتہ تحریر کردوں تاکہ میرے بعد تم گمراہ نہ ہو۔" ان میں سے بعض نے کہا کہ حضرت ﷺ پر مرض کا غلبہ ہے اور تمہارے پاس قرآن تو موجود ہی ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس وقت جو لوگ گھر میں موجود تھے ان میں اختلاف شروع ہو گیا۔ کچھ لوگ کہتے تھے قلم دوات دے دو' کچھ اس کے مخالف تھے جب بہت شور ہوا تو حضرت ﷺ نے فرمایا کہ اٹھ جاؤ میرے پاس سے۔"

ان دونوں روایتوں میں اختلاف کرنے والوں کا نام درج نہیں ہے۔ لیکن تیسری روایت سے یہ ابہام بھی دور ہو جاتا ہے اور اس میں صاف صاف تحریر ہے کہ مخالفت کرنے والے حضرت عمر تھے۔ (ملاحظہ ہو بخاری' باب قول الریض قوموا عنی)

رسالت ماب ﷺ کو اس واقعہ سے جتنا صدمہ بھی پہنچا ہو' کم ہے' چنانچہ اسی صدمہ کا نتیجہ تھا کہ آپ ﷺ نے برہم ہو کر سب کو اپنے پاس سے ہٹا دیا لیکن اس منظر کی ایک آخری کڑی اور ہے جو دیکھنے کے قابل ہے۔ اس داستان کا ایک ٹکڑا اور ہے جو سننے کے قابل ہے اور یہ کسی اور کے منہ کی بات نہیں ہے۔ بلکہ خود جناب عائشہ کا بیان ہے۔

قالت قال رسول الله لما حضرته الوفات ادعوا الی حبیبی فدعواله ابا بکر فنظر الیه ثم وضع راسه ثم قال ادعوالی حبیبی فدعواله عمر فنظر الیه ثم وضع راسه ثم قال ادعوالی حبیبی فدعواله علیا فلما راه ادخله معه فی الثوب الذی کان علیه فلم یزل یحتضنه حتی قبض ویده علیه اخرجه الرازی۔

(حضرت عائشہ کی روایت ہے کہ جب حضرت کا بالکل وقت آخر تھا تو آپ نے

فرمایا بلاؤ میرے حبیب کو' کوئی جاکر حضرت ابوبکرؓ کو بلا لایا آپ نے تکیہ سے سر اٹھا کر دیکھا اور پھر تکیہ پر سر رکھ دیا۔ دوبارہ فرمایا بلاؤ میرے حبیب کو' اب جاکر حضرت عمر کو بلا لائے۔ آپ نے ان کو بھی دیکھ کر تکیہ پر سر رکھ لیا' تیسری مرتبہ پھر آپ ﷺ نے فرمایا' کسی نے علی کو بلا لیا۔ جب آپ ﷺ نے علی کو دیکھا تو انہیں اپنی چادر میں لے لیا جس کو آپ ﷺ اوڑھے ہوئے تھے اور برابر اسی طرح لیے رہے یہاں تک کہ حضرت ﷺ کی روح مبارک نے جسم سے پرواز کی تو آپ ﷺ کا ہاتھ علی کے اوپر تھا۔)

علامہ سبط ابن جوزی
(ترجمہ) سید صفدر حسین نجفی

حضرت امیرالمومنین علیہ السلام

بعد حمد و ثنا پس یہ کتاب امام علیم' پیکر حلیم' سید کریم' برادر رسول' زوج بتول' سیف اللہ المسلول سید حنفاء ابن عم مصطفیٰ' امام و عالم دین' قاضی و حاکم شرع متین' منصف ہر مظلوم از ظالم' متصدق در جلوت' بخاتم مفرق کتائب' مظہر العجائب' اسد اللہ الغالب' ابو الحسنین علی' ابن ابی الطالب (خداوند عالم آپ سے اور آپکی زوجہ محترمہ سے راضی رہے اور سیدہ عالم کے پدر بزرگوار پر رحمت نازل کرے اور ہمیں حضور ﷺ کے گروہ میں محشور فرمائے اور خداوند عالم باقی صحابہ اور اہل بیت سے راضی رہے) کے تذکرہ میں ہے۔

نسب مبارک

علی ابن ابی طالب بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرۃ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکتہ بن الیاس بن نزار بن معد بن عدنان ہیں آپ کا سلسلہ متفق علیہ ہے۔ اور عدنان سے حضرت آدمؑ تک چونکہ اختلاف ہے لہٰذا ہم نے عدنان تک ہی اختصار کیا ہے۔ جناب ابو طالب کا نام عبد مناف تھا۔اور جناب عبداللہ (والد سرکار رسالت ﷺ) کے سگے بھائی تھے۔ دونوں کی والدہ فاطمہ بنت عمرو بن عائذ ہیں۔ عبد المطلب کا لقب شیبۃ الحمد ہے کیونکہ ان کے سر پر سفید بالوں کا ایک گچھا تھا۔ آپ کی کنیت ابو البطحا ہے کیونکہ اہل مکہ ان کی وجہ سے پانی سے سیراب ہوتے

تھے لٰہذا وہ اس کنیت سے آپ کو پکارنے لگے۔ آپ کو عبدالمطلب اس لئے کہا گیا کہ مکہ میں حاجیوں کے لئے پانی کا انتظام اور مہمانداری آپ کے چچا عبدالمطلب کے ذمے تھی اور یہ مطلب ہاشم کے بھائی تھے اور ہاشم نے مدینہ میں بنی نجار کے گھرانے کی ایک خاتون سے شادی کرلی تھی۔ جس کا نام سلمٰی بنت عمر تھا۔ اس کے شکم سے شیبہ الحمد مدینہ میں پیدا ہوئے اور مکہ میں جناب ہاشم وفات پا گئے۔ شیبہ بچوں کے ساتھ تیراندازی میں مصروف تھے اور کہتے تھے میں سردار قریش ابو البطحا کا بیٹا ہوں۔ اس شخص نے ان کے متعلق لوگوں سے سوال کیا تو بتایا گیا کہ یہ ہاشم کے فرزند ہیں۔ جب وہ مکہ میں پہنچا تو مطلب کو اس واقعہ سے باخبر کیا وہ فوراً روانہ ہوگئے اور مدینہ میں پہنچ کر انہیں بچوں میں کھیلتا دیکھا تو اپنی سواری پر اپنے پیچھے بٹھا لیا۔ جب وہ مکہ میں پہنچے تو لوگ کہنے لگے کہ یہ مطلب کا غلام ہے۔

مطلب کہنے لگے تمہارا برا ہو یہ تو میرے بھائی ہاشم کا فرزند ہے لیکن یہ نام مشہور ہوگیا۔ جب مطلب فوت ہوئے تو ان کے قائم مقام عبد مناف (ظاہراً عبدالمطلب) ہوئے اور جنابؓ ہاشم کا نام عمرو اور ہاشم لقب ہے۔ اس لقب کی وجہ یہ ہے کہ مکہ میں قحط سالی ہوگئی اور تمام اہل مکہ سخت مصیبت میں مبتلا ہوگئے تو جناب ہاشم ان کے لیے روٹی کے ٹکڑوں کا چورا بناتے اور انہیں کھلاتے تھے۔ اس سلسلے میں شاعر کہتا ہے۔

عمرو العلی ہشم الثرید لقومہ
ورجال مکہ مستنون عجاف"

(اور بلند ترین عمرو نے اپنی قوم کے لیے ثرید بنایا اور درآنحالیکہ مکہ کے لوگ سخت قحط میں مبتلا تھے۔)

اور عبد مناف کا نام مغیرہ تھا اور قصی کا نام زید تھا۔ قصی انہیں اس لیے کہا گیا چونکہ ان کی ماں انہیں مکہ سے دور شام لے گئی تھیں۔ ان کا نام مجمع اور اس کے علاوہ اور نام بھی تھے۔

قصی کی والدہ فاطمہ بنت سعد تھیں، کلاب بن مرہ نے ان سے شادی کی، وہ فوت ہوئے تو قصی ابھی بچہ تھے تو فاطمہ سے ربیعہ بن حزام بن ضبہ نے شادی کرلی اور اسے شام لے گیا۔ قصی بھی ساتھ تھے جب قصی بڑے ہوگئے تو واپس مکہ لوٹ آئے اور مکہ پر ان کا تسلط ہوگیا اور انہوں نے قبائل قریش کو مکہ میں جمع کرلیا۔

کلاب کی والدہ ہند بنت سوید بن ثعلبہ تھی اور مرہ کی ماں کا نام مغشیتہ بنت شیبان تھا۔

اور کعب کی والدہ مادیہ بنت کعب تھیں۔ لوی کی والدہ کا نام عاتکہ بنت خالد بن نضر بن کنانہ تھا۔ غالب کی ماں کا نام لیلیٰ بنت حرث اور فہر کی والدہ جندلہ بنت عامر جر بمیہ تھی۔ قصی کے بعد فہر ہی تھے جنہوں نے قریش کو دوبارہ مجتمع کیا۔ بعض کہتے ہیں کہ نضر بن کنانہ کا لقب قریش ہے اور جو اولاد نضر میں سے نہیں اسے قریشی نہیں کہا جاسکتا۔ اور پہلے قول کی بنا پر جو قصی کی اولاد سے نہیں وہ قریشی نہیں ہو سکتا اور قرش کے معنی جمع کرنا اور لبیک کہنا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ قریش ایک سمندری جانور کا نام ہے جو دیگر سمندری جانوروں کو کھا جاتا ہے اسی کے نام پر قریش کا یہ نام پڑا۔

مالک کی ماں عرابتہ بنت سعد بن قیس عنیلان تھیں اور خزیمہ کی سلمہ بنت اسلم قضاعیہ اور مدرکتہ کا نام عمرو تھا۔ ان کی والدہ رباب بنت جیدت بن معد ہیں اور مضر کی والدہ کا نام سودہ بنت عسک اور نزار کی معاتہ بنت حوشم اور معد کی ہوزہ سلمیہ۔

اسم گرامی

علما میں اختلاف ہے کہ آپ کا نام علی کیسے رکھا گیا۔ مجاہد کا قول ہے کہ ولادت کے وقت آپ کی والدہ نے یہ نام رکھا اور عطا کہتا ہے کہ والدہ نے نام حیدر رکھا تھا اور اس کی دلیل آپ کا خیبر کے دن کا یہ قول ہے کہ میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام حیدر رکھا ہے۔ پس جب آپ نے رسول اکرم ﷺ کے دوش مبارک پر سوار ہو کر بت توڑے تو بہ سبب علو رفعت و شرف کے نام علی ہوا۔ مجاہد کا قول زیادہ واضح ہے کیونکہ روایات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی والدہ نے ولادت کے وقت ہی یہ نام رکھا تھا اور والدہ علی کا علی نام رکھنا حیدر کے ساتھ بھی منافات نہیں رکھتا۔ کیونکہ حیدر شیر کا ایک نام ہے' اس کی گردن اور بازوؤں کی درشتی اور سختی کی وجہ سے اور اسی طرح امیرالمومنین کا اصلی نام تو علی ہے اور حیدر آپ کی صفت ہے رسول اللہ نے آپ کا نام ذوالقرنین بھی رکھا (حرف سند کے ساتھ) سلمہ ابن طفیل نے حضرت علیؓ سے روایت کی ہے کہ آپ کہتے ہیں مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یقیناً تیرے لیے جنت میں ایک قصر ہے اور تو اس امت کا ذوالقرنین ہے۔ اس حدیث کو امام احمد نے اپنے مسند میں ذکر کیا ہے۔ نیز اس کتاب میں بھی ذکر کیا ہے کہ جس میں فضائل امیرالمومنین ﷺ جمع کیے ہیں۔ سنائی نے بھی مسند کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

آپ کو بطین بھی کہا جاتا ہے کیونکہ آپ میں علم لبریز تھا۔ آپ فرمایا کرتے تھے اگر میرے لیے مسند علم بچھا دی جائے تو میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کی تفسیر اتنی بیان کروں کہ جس

سے ایک اونٹ کا بار ہو جائے۔

آپ کو انزع بھی کہا جاتا تھا کیونکہ آپ کو کبھی شرک نے مس نہیں کیا۔ بعض کہتے ہیں چونکہ آپ کے سر کے اگلے حصے میں خود پہننے کی وجہ سے بال نہیں تھے اس لیے انزع کہا گیا۔

آپ کو اسد اللہ اور اسد الرسول بھی کہا جاتا۔ یعسوب المومنین بھی آپ کو کہتے ہیں۔ یعسوب شہد کی مکھیوں کے سردار کو کہتے ہیں۔ وہ سب مکھیوں میں زیادہ سمجھدار ہوتا ہے چھتے کے دروازہ پر کھڑا ہو جاتا ہے جب کوئی مکھی وہاں سے گزرتی ہے تو وہ اس کے منہ کو سونگھتا ہے اگر اس سے بوئے بد آئے تو وہ سمجھ لیتا ہے کہ یہ کسی بدبودار پودے سے رس لے کر آئی ہے۔ پس اس مکھی کو دو ٹکڑے کر دیتا ہے اور چھتے کے دروازہ پر پھینک دیتا ہے تاکہ دوسروں کے لیے عبرت کا باعث ہو اسی طرح حضرت علیؑ جنت کے دروازہ پر کھڑے ہو جائیں گے اور لوگوں کو سونگھیں گے۔ جس سے اپنے بغض کی بو آئیگی اسے جہنم کی آگ میں ڈال دیں گے۔

کتاب صحاح میں ہے کہ یعسوب شہد کی مکھیوں کا بادشاہ ہے اور اسی لیے سردار کو یعسوب کہا جاتا ہے اور مومنین شہد کی مکھیوں کے مشابہہ ہیں۔ کیونکہ شہد کی مکھی پاک و طیب چیز کھاتی ہے اور پاک و پاکیزہ چیز اس سے نکلتی ہے۔ علیؑ مومنین کے امیر ہیں اور آپ کو ولی' وصی' تقی' قاتل الناکثین والقاسطین' مثیل ہارون' صاحب لواء خاصف النعل' کاشف الکرب' ابو الریحانتین' بیضتہ البلد اور بہت سے القاب سے یاد کیا جاتا ہے۔

کنیت

آپ کی کنیت ابو الحسن' ابو الحسنین' ابو القاسم' ابو تراب اور ابو محمد ہے اور نبی کریم ﷺ نے آپ کی کنیت ابو تراب رکھی اور یہ حدیث مسند' بخاری اور مسلم میں موجود ہے اور امام احمد نے ابی حازم سے روایت کی ہے کہ ایک شخص سہل ابن سعد کے پاس آیا اور کہنے لگا فلاں شخص منبر پر علیؑ کا ذکر کرتا ہے سہل نے کہا وہ کیا کہتا ہے۔ اس نے کہا وہ آپ کو ابو تراب کہتا ہے اور ابو تراب پر (معاذ اللہ) لعنت کرتا ہے سہل غضبناک ہو گئے اور کہنے لگے خدا کی قسم یہ کنیت تو آپ کی رسول اللہ ﷺ نے ہی رکھی تھی۔ کوئی نام بھی علیؑ کے نزدیک اس سے زیادہ محبوب نہیں تھا۔

زہری کا بیان ہے کہ اس وقت علیؑ کو سب کرنے والا مروان بن الحکم تھا کیونکہ یہ معاویہ کی طرف سے مدینہ کا حاکم تھا۔

حاکم ابو عبد اللہ نیشاپوری کا کہنا ہے کہ بنی امیہ اس نام کے ساتھ علیؓ کی تنقیص کیا کرتے تھے حالانکہ یہ نام تو رسول اللہ نے رکھا تھا اور امیرالمومنین پر خطبہ کے بعد یہ اپنی حکومت کے زمانہ میں لعنت کرتے تھے اور اس نام سے آپ کا مذاق اڑاتے تھے لیکن درحقیقت یہ تو اس کا مذاق اڑاتے تھے جس نے آپ کا نام رکھا تھا اور خداوند عالم فرماتا ہے کہہ دو اے در سول ﷺ کیا تم لوگ' اللہ اس کی آیات اور اس کے رسول سے مذاق کرتے ہو۔ تم عذر تراشی نہ کرو بے شک تم لوگ اس کی پرواہ نہیں کرتے تھے اور جو کچھ حاکم نے ذکر کیا ہے یہ درست ہے کیونکہ یہ لوگ اس کی پرواہ نہیں کرتے تھے اور اس کی دلیل وہ روایت ہے جو مسلم نے سعد بن ابی وقاص سے کی ہے کہ وہ معاویہ بن ابی سفیان کے دربار میں حاضر ہوئے تو معاویہ کہنے لگا تمہیں ابو تراب کو سب و شتم کرنے سے کیا چیز روکتی ہے الخ۔ اس روایت کو ہم آئندہ صفحات میں پیش کریں گے۔ یہ کیفیت ("سب" علی) عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ تک بدستور رہی۔ پس اس نے "سب" کی جگہ یہ آیت مقرر کی۔ "ان اللہ یامر بالعدل و الاحسان" (اللہ عدل و نیکی کا حکم دیتا ہے) جب عمر بن عبد العزیز کے بعد یزید بن عبدالملک بادشاہ ہوا تو وہ بھی سب و شتم سے احتراز کرتا رہا۔ جب لوگوں نے اس کے متعلق پوچھا تو کہنے لگا کہ ہمیں اس سے کیا سروکار ہے! اور پھر یہ کیفیت یونہی رہی اور بعض کہتے ہیں کہ ولید بن یزید نے دوبارہ سب و شتم علیؓ پر شروع کرا دیا تھا۔

شکل و شباہت

آپ متوازن جسم' کشادہ آنکھیں' مضبوط بازو' میانہ قد اور عریض اللحیہ تھے۔ آپ خضاب نہیں لگاتے تھے اور ایک روایت ہے کہ آپ ڈاڑھی پر پہلے مہندی لگایا کرتے تھے پھر اسے ترک کر دیا۔

والد گرامی

ہم آپ (ابو طالب) کا نسب بیان کر آئے ہیں اور یہ کہ آپ عبدالمطلب کے فرزند تھے اور جب عبدالمطلب کا وقت وفات قریب آیا تو انہوں نے ابو طالب کو اپنا وصی مقرر کیا اور رسول اللہ کے معاملہ میں ان سے عہد وصیت کی اور محمد بن سعد نے کتاب الطبقات میں علماء کی ایک جماعت سے جن میں ابن عباس مجاہد علا زہری ہیں اس سلسلے کے کچھ واقعات کی طرف اشارہ کیا ہے ان علماء کا بیان ہے کہ عبدالمطلب نے اس وقت وفات پائی جبکہ رسول اللہ

ﷺ کی عمر آٹھ سال تھی اور عبدالمطلب کی عمر اس وقت ایک سو بیس سال تھی اور وہ مقام حجون میں دفن ہوئے۔ ام ایمن فرماتی ہیں، میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ وہ عبدالمطلب کے تابوت کے نیچے روتے ہوئے جا رہے تھے اور بعض کہتے ہیں کہ عبدالمطلب کی عمر وقت وفات اسی سال تھی لیکن پہلا قول اظہر ہے۔

مجاہد نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ بنی مذحج کے قیافہ شناس لوگوں کی ایک جماعت نے عبدالمطلب سے کہا جب کہ انہوں نے رسول اللہ کے قدموں کے نشان دیکھے کہ اے ابوالبطحا اس کی حفاظت کیجئے کیونکہ ہم نے اس کے قدم سے زیادہ مشابہہ کوئی قدم نہیں دیکھے اس قدم کے ساتھ جو مقام ابراہیم میں موجود ہے تو عبدالمطلب نے ابو طالب سے کہا کہ سنتے ہو یہ لوگ کہتے ہیں یقیناً میرے اس بیٹے کے لیے ایک خاص ملک ہے پھر (یعنی عبدالمطلب کی وفات کے بعد) ابو طالب نے رسول اللہ ﷺ کی مدد اور کفالت کے لیے بہترین قیام کیا آپ ہمیشہ ان کے ساتھ رہتے اور جدا نہیں ہوتے تھے اور حد سے زیادہ محبت کرتے تھے اور اپنی اولاد سے انہیں مقدم رکھتے اور آپ کو اپنے پہلو ہی میں سلاتے اور رسول اللہ ﷺ سے فرمایا کرتے تھے کہ بیٹا تمہارا چہرہ بابرکت ہے۔

ابن سعد نے طبقات میں لکھا ہے کہ ابو طالب مقام ذی المجاز میں تشریف لے گئے اور آپ کے ساتھ رسول اکرم ﷺ بھی تھے۔ جناب ابو طالبؑ کو پیاس لگی تو کہنے لگے اے میرے بھتیجے مجھے پیاس لگی ہے اور پانی موجود نہیں۔ جناب رسالت مآب ﷺ سواری سے اترے اور زمین پر ایڑی ماری تو پانی کا چشمہ پھوٹ پڑا۔ ابو طالب نے پانی پیا۔

مورخین کا بیان ہے کہ جب ابو طالبؑ نصرت رسول ﷺ میں کھڑے ہوئے اور بہترین طریقے سے آپ کی حفاظت و مدافعت کرنے لگے۔ تو قریش ابو طالبؑ کے پاس جمع ہو کر آئے اور کہنے لگے آپ کا بھتیجا ہمارے خداؤں کو برا بھلا کہتا ہمیں بیوقوف بناتا اور آباؤ اجداد کو گمراہ کہتا ہے۔ پس اسے یا تو ہمارے سپرد کر دیجئے ورنہ تمہارے اور ہمارے درمیان جنگ ہو جائے گی تو ابو طالبؑ نے کہا تمہارے منہ میں خاک ہو خدا کی قسم میں اسے کبھی بھی تمہارے سپرد نہیں کروں گا۔ تو وہ کہنے لگے یہ عمارہ ابن ولید ابن مغیرہ سب سے جمیل اور خوبصورت نوجوان ہے اس کو لے لیجئے اور ان کے عوض اپنا بیٹا بنا لیجئے اور محمد ﷺ ہمارے سپرد کر دیجئے کہ ہم اسے قتل کر دیں تو ابو طالب نے کہا تمہارے چہروں کو تباہ کرے اور تم پر ہلاکت نازل ہو۔ خدا کی قسم تم نے بہت بری بات کہی تم مجھے اپنا بیٹا دیتے ہو کہ میں تمہارے

لیے اس کی تربیت کروں اور اپنا بیٹا تمہیں دوں کہ تم اسے قتل کر دو (ایسا کروں) تو خدا کی قسم میں برا شخص ہوں۔ پھر فرمایا کہ اونٹوں اور ان کے بچوں کو الگ کر لو۔ اگر کوئی اونٹنی اپنے بچے کے علاوہ کسی کی طرف مائل ہو تو میں بھی محمد ﷺ کو تمہارے سپرد کر دوں گا پھر آپ نے یہ اشعار پڑھے۔

والله من یصلوا الیک بجمعهم
حتی اوسه فی التراب دهینا
فاصدع بامرک ما علیک غضاضة
والبشر و ترذ لک عیونا
وعرضت دینالامحالت انه
من خیرا دیان البریت دینا

(خدا کی قسم یہ لوگ اپنی پوری جمعیت کے ساتھ تم تک نہیں پہنچ سکتے جب تک کہ مٹی کے نیچے نہیں دفن ہو جاتا۔ آپ اپنا امر واضح کر کے بیان کیجئے آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا اور آپ خوش رہیے اور آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچایئے۔ اور آپ نے ایسا دین پیش کیا ہے جو تمام لوگوں کے ادیان سے بہتر دین ہے)

ابو طالب نے رسول اللہ کی مدد کے لیے آپ کی ولادت کے آٹھویں سال سے لے کر اعلان نبوت کے دسویں سال تک قیام کیا اور یہ بیالیس سال بنتے ہیں۔

ابن سعد کا بیان ہے کہ مجھ سے واقدی نے بیان کیا' حضرت علیؓ نے کہا جب ابو طالب نے وفات پائی تو میں نے جناب رسول خدا کو جا کر اطلاع دی۔ آپ بہت شدت سے روئے پھر مجھ سے فرمایا کہ جاؤ انہیں غسل دو کفن پہناؤ اور دفن کرو خدا ان پر اپنی مغفرت نازل فرمائے۔ عباس نے کہا اے رسول خدا ﷺ کیا آپ ان کے لیے بخشش کی امید رکھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں خدا کی قسم میں یقیناً ان کی بخشش کی امید رکھتا ہوں اور رسول خدا ﷺ ابو طالب کے لیے کئی دن تک دعا و استغفار کرتے رہے اور گھر سے باہر نہیں نکلے۔

ابن عباس کہتے ہیں کہ رسول اللہ کے سامنے سے ابو طالب کا جنازہ گزرا تو آپ نے فرمایا اے چچا آپ نے صلہ رحمی کی' خدا آپ کو بہترین جزا دے۔

نیز ابن سعد نے ہشام بن عروہ سے نقل کیا ہے کہ قریش اس وقت تک رسول اللہ کو اذیت دینے سے رکے رہے جب تک ابو طالب کی وفات نہیں ہوئی۔

سدی کہتا ہے کہ وقت وفات ابو طالب کی عمر اسی سے چند سال اوپر تھی۔ حضرت علیؓ نے ان کے مرثیہ میں یہ اشعار کہے۔

اباطالب عصمته المستجیر
وغیث المحول ونور الظلم
لقد ہد فقدک اہل الحفاظ
فصلی علیک ولی النعم
ولقاک وبک رضوانه
فقد کنت للطھرمن خیر عم

(اے ابو طالب آپ پناہ ڈھونڈھنے والے کی پناہ' قحط زدہ کے لیے ابر باراں' تاریکیوں کے لیے روشنی تھے۔ آپ کے مفقود ہونے سے محافظین رسول کی کمر ٹوٹ گئی۔ آپ پر نعمتوں کا مالک رحمت کرے اور آپ کا رب اپنی رضا آپ کو دے کیونکہ آپ طاہر و مطہر رسول کے بہترین چچا تھے۔)

(اس کے علاوہ امیر المومنین کے اور اشعار بھی ابو طالب کے مرثیہ میں موجود تھے لیکن اختصار کے پیش نظران کا ذکر نہیں کیا جاسکا۔)

والدہ ماجدہ

آپ کی والدہ فاطمہ بنت اسد بن ہاشم بن عبد مناف ہیں۔ وہ اسلام لائیں مدینہ کی طرف ہجرت کی اور مدینہ میں ۴ھ میں وفات پائی' ان کے جنازہ پر سرکار رسالت ﷺ حاضر ہوئے۔ نماز جنازہ پڑھی' ان کے لیے دعائے خیر کی' اپنی قمیص عنایت فرمائی اور وہ قمیص بطور کفن انہیں پہنائی گئی۔

زہری کہتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ فاطمہ کی زیارت کے لیے جایا کرتے اور ان کے گھر میں قیلولہ فرماتے وہ نیک و صالحہ خاتون تھیں۔

ابن عباس کہتے ہیں کہ یہ آیت "یا ایھا النبی اذا جاء ک المومنات یبا یعنک الخ" (اے نبی جب مومن عورتیں آپ کے پاس آکر بیعت کریں) فاطمہ بنت اسد کی شان میں نازل ہوئی۔ ابن عباس کہتے ہیں یہ پہلی خاتون ہیں جنھوں نے مکہ سے پا برہنہ چل کر مدینہ کی طرف ہجرت کی اور یہ پہلی محرزہ ہیں جنھوں نے خدیجہ کے بعد محمد رسول اللہ ﷺ کی مکہ میں بیعت کی۔

زہری کا بیان ہے کہ فاطمہ بنت اسد نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے سنا کہ لوگ قیامت کے دن ننگے محشور ہوں گے تو فاطمہ نے کہا ہائے رسوائی! تو جناب رسالت ماب ﷺ نے فرمایا کہ میں خدا سے سوال کروں گا کہ آپ کو لباس کے ساتھ محشور کرے۔

زہری کہتا ہے کہ فاطمہ بنت اسد نے ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کو عذاب قبر کے متعلق بیان کرتے سنا تو کہا کہ ہائے کمزوری تو آپ نے فرمایا میں خدا سے سفارش کروں گا کہ وہ اس سے بھی آپ کو محفوظ رکھے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ فاطمہ بنت اسد خانہ کعبہ کا طواف کر رہی تھیں جبکہ علیؓ ان کے شکم میں تھے۔ انہیں دردزہ شروع ہوا تو ان کے لیے دیوار کعبہ شق ہوئی پس وہ اندر داخل ہوئیں اور وہیں علیؓ پیدا ہوئے۔

تذکرۂ اولاد

آپ کی تمام اولاد ابو طالب سے ہے وہ چھ افراد پر مشتمل ہے چار بیٹے اور دو بیٹیاں' بیٹے یہ ہیں طالب عقیل' جعفر اور علیؓ اور ہر ایک کے درمیان دس سال کا وقفہ ہے۔ ابو طالب کی اولاد میں طالب سب سے بڑے ہیں اور انہی سے آپ کی کنیت ابو طالب ہے۔ طالب اور عقیل کے درمیان دس سال' عقیل اور جعفر کے درمیان دس سال جعفر اور علیؓ کے درمیان دس سال کا وقفہ ہے پس علی اولاد ابو طالب میں سب سے چھوٹے اور طالب سب سے بڑے ہیں۔

طالب کی کنیت ابویزید تھی وہ انساب قریش کے عالم تھے۔ جنگ بدر کے دن مشرکین انہیں جبراً رسول اللہ ﷺ سے جنگ کے لیے لائے تھے جب جنگ بدر میں مشرکین کو شکست ہوئی تو طالب کا کوئی پتہ نہ چلا نہ وہ مقتولین میں ملے اور نہ قیدیوں میں۔ ان کے کوئی حالات معلوم نہ ہو سکے ان کی کوئی اولاد نہیں ہے۔

عقیل کو بھی جنگ بدر میں مشرکین جبراً لائے تھے وہ مسلمانوں کے ہاتھوں قید ہو گئے کوئی مال ان کے پاس نہ تھا۔ ان کے چچا عباس نے ان کا فدیہ پیش کیا۔ پھر عقیل مکہ میں واپس چلے گئے تھے اور ۷ھ تک وہیں رہے پھر مدینہ کی طرف ہجرت کی اور جنگ موتہ میں حاضر ہوئے اور رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے خراج میں سے ہر سال کے لیے ایک سو چالیس وسق انہیں بطور اخراجات کے عطا کیے۔

واقدی کہتا ہے کہ عقیل ۵۰ھ تک زندہ رہے اور اسی سال وفات پائی ان کی بینائی جاتی

رہی تھی۔ ابن اسحٰق راوی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عقیل سے کہا اے ابو یزید! مجھے تم سے دو قسم کی محبت ہے۔ ایک تو قرابت کی وجہ سے اور دوسری اس لیے کہ مجھے علم ہے کہ میرے چچا تم سے محبت کرتے تھے۔

عقیل کی اولاد میں سے ایک بیٹا یزید ہے جس سے آپ کی کنیت ہے اور دوسرا سعید ہے ان دونوں کی والدہ ام سعید بنت عمرو ہیں۔ جو بنی معصعہ میں سے تھیں اور دو بیٹے جعفر اکبر اور ابو سعید ہیں ان دونوں کی ماں ام البنین کلابیہ ہیں اور مسلم ہیں کہ جن کو حسینؓ نے کوفہ بھیجا تھا اور ابن زیاد نے انہیں شہید کیا تھا اور عبداللہ، عبدالرحمٰن، علی، جعفر، حمزہ، محمد، رملہ، ام معانی، فاطمہ، ام القاسم، زینب، ام النعمان، جعفر اصغر۔ یہ سب مختلف کنیزوں سے پیدا ہوئے۔

باقی رہی ابو طالب کی دو بیٹیاں تو ایک ام ہانی ہے ان کا نام جعدہ تھا اور بعض کے نزدیک فاختہ اور بعض نے ہند کہا اور یہ وہی ہیں کہ فتح مکہ کے دن جن کے گھر میں رسول اللہ ﷺ نے آٹھ رکعت نماز عید قرباں کی پڑھی تھی۔ بخاری اور مسلم نے صحیحین میں ان ہی ام ہانی سے روایت کی ہے کہ میں فتح مکہ کے سال رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں گئی۔ آپ غسل فرما رہے تھے اور جناب فاطمہؓ کی چادر سے پردہ کیے ہوئے تھے۔ میں نے آپ پر سلام کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کون ہے؟ میں نے کہا کہ میں ام ہانی بنت ابو طالب ہوں۔ فرمایا مرحبا! جب آپ غسل سے فارغ ہوئے تو آٹھ رکعت نماز پڑھی اور آپ نے ایک ہی کپڑا لپیٹا ہوا تھا۔

ام ہانی کے شوہر کا نام ابو وہب ہبیرہ بن عمرو بن عائذ مخزومی تھا۔ ام ہانی نے مدینہ کی طرف ہجرت کی اور جب (ظاہری) خلافت حضرت علیؓ کی طرف منتقل ہوئی تو آپ نے جعدہ بن ہبیرہ کو ایک جگہ کا گورنر بنایا۔ ابو طالب کی دوسری بیٹی کا نام جمانہ ہے اس کے ساتھ ابو سفیان بن حارث بن عبدالمطلب نے شادی کی، جمانہ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی اور رسول اللہ کی زندگی ہی میں وفات پائی اور جعفر بن ابی طالب کی سیرت بعد میں انشاء اللہ ذکر کریں گے۔

فضائل امیر المومنینؓ (قرآن مجید کی روشنی میں)

آپ کے فضائل آفتاب و ماہتاب سے زیادہ مشہور اور بہت زیادہ ہیں۔ میں نے آپ کے صرف وہ فضائل بیان کیے ہیں جو ثابت اور مشہور ہیں۔ وہ دو قسم کے ہیں۔ ایک قسم کے

فضائل تو کتاب خدا سے مستنبط ہیں اور دوسری قسم کے فضائل ان احادیث مشہور میں سے ہیں جن میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں۔

مجاہد نے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے ابن عباس سے سوال کیا کہ علی ابن ابی طالب کے فضائل اس قدر زیادہ ہیں اور میرا خیال ہے کہ وہ تین ہزار ہیں تو ابن عباس نے کہا کہ علیؑ کے فضائل اس تین ہزار کی بہ نسبت تیس ہزار سے زیادہ قریب ہیں۔ پھر ابن عباس نے کہا اگر درخت قلمیں بن جائیں اور دریا سیاہی ہو جائیں انسان اور جنات لکھنے اور حساب کرنے میں مشغول ہو جائیں تو بھی امیرالمومنین حضرت علیؑ کے فضائل کا احاطہ نہیں کر سکتے۔

عکرمہ نے ابن عباس سے روایت کی ہے انہوں نے کہا کہ خدا نے قرآن میں کوئی آیت فضیلت نازل نہیں فرمائی مگر یہ کہ علیؑ اس کے راس و رئیس ہیں۔

قرآن مجید کی وہ آیات جو آپ کی شان میں نص ہیں ان میں سے چند یہ ہیں۔

1۔ ان میں سے سورہ بقر میں خدا کا یہ ارشاد ہے۔ "واقیمو الصلٰوت واٰتو الزکوت وارکعوا مع الراکعین" یعنی نماز کو قائم کرو زکوٰۃ ادا کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔

مجاہد نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ پہلا شخص جس نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رکوع کیا وہ علی ابن طالب علیہ السلام ہیں۔ پس یہ آیت ان کی شان میں نازل ہوئی۔

2۔ اور ان آیات میں سے نیز سورہ بقر میں خدا کا یہ ارشاد ہے۔ الذین ینفقون اموالھم باللیل والنھار سرا و علانیۃ۔ یعنی وہ لوگ جو اپنا مال رات اور دن میں چھپ کر اور اعلانیہ طور پر خرچ کرتے ہیں۔

عکرمہ نے ابن عباس سے روایت کی ہے' ابن عباس نے کہا کہ حضرت علیؑ کے پاس چار درہم تھے۔ ایک درہم آپ نے رات کے وقت' ایک دن کو' ایک پوشیدہ طریقے سے اور ایک اعلانیہ طور پر صدقہ دیا تو یہ آیت آپ کی شان میں نازل ہوئی۔

3۔ ان آیات میں سے سورہ آل عمران میں خداوند عالم کا یہ ارشاد ہے۔ قل تعالو اندع ابناء نا وابناء کم و نساء نا ونساء کم وانفسنا و انفسکم الخ کہہ دے اے رسول آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بلاتے ہیں تم اپنے بیٹوں کو بلاؤ ہم اپنی عورتوں کو بلاتے ہیں تم اپنی عورتوں کو بلاؤ ہم اپنے نفسوں کو بلاتے ہیں

تم اپنے نفسوں کو بلاؤ۔ جابر بن عبداللہ انصاری کہتے ہیں جیساکہ مورخین نے ان سے روایت کی ہے کہ اہل نجران کا ایک وفد سرکار رسالت مآب ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جن میں عاقب، عبدالمسیح اور پادریوں کی ایک جماعت تھی۔ وہ لوگ آپ سے کہنے لگے موسیٰ کا باپ کون تھا آپ ﷺ نے فرمایا عمران۔ انہوں نے پوچھا آپ کا باپ فرمایا میرا باپ عبداللہ بن مطلب ہے۔ وہ کہنے لگے پھر حضرت عیسیٰ کا باپ کون ہے؟ آپ انتظار وحی کے لیے خاموش ہو گئے۔ تو خداوند عالم کا یہ ارشاد نازل ہوا "ان مثل عیسی عند اللہ کمثل ادم خلقہ من تراب الخ" یعنی بے شک عیسیٰ کی مثال تو آدم ایسی ہے کہ اس کو مٹی سے پیدا کیا۔ وہ کہنے لگے۔ ہمارے انبیاء کی طرف خدا نے جو وحی کی ہے اس میں تو یہ موجود نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا تم لوگ جھوٹ بولتے ہو۔ پس یہ آیت نازل ہوئی۔ فمن حاجک من بعد ماجاء ک من العلم فقل تعالو اندع ابناء نا وابناء کم۔ یعنی جو شخص تیرے ساتھ کج بحثی کرے تیرے پاس علم آجانے کے بعد تو اسے کہہ دے کہ آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بلاتے ہیں تم اپنے بیٹوں کو بلاؤ الخ وہ کہنے لگے آپ نے انصاف کیا ہم کب مباہلہ کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا انشاء اللہ کل ہو گا۔ وہ لوگ واپس چلے گئے اور ایک دوسرے سے کہنے لگے۔ اگر یہ اپنے اصحاب کی ایک جماعت لے کر آئے تو ان سے مباہلہ کر لیجئے کیونکہ (اس سے معلوم ہو گا) کہ یہ نبی نہیں ہے اور اگر اپنے اہل بیت لے کر نکلے تو پھر مباہلہ نہ کرنا کیونکہ یہ سچا نبی ﷺ ہے اور پھر اس سے مباہلہ کیا تو سب ہلاک ہو جاؤ گے۔

اور رسول اللہ ﷺ اس شان سے نکلے کہ علیؓ آگے آگے تھے حسنؓ رسول ﷺ کی دائیں طرف حسینؓ بائیں طرف اور فاطمہؓ پیچھے پیچھے پھر آپ نے ان سے کہا آؤ۔ جب انہوں نے یہ کیفیت دیکھی تو ڈر گئے اور آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگے ہمیں معاف کیجئے خدا آپ کو معاف رکھے تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر یہ لوگ مقابلے کے لیے نکلتے تو ساری وادی میں آگ لگ جاتی۔

ابو اسحٰق ثعلبی نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ صبح کے وقت اس شان سے روانہ ہوئے کہ حسینؓ کو اٹھائے ہوئے تھے اور فاطمہؓ آپ کے عقب

میں چل رہی تھیں اور حضرت علیؑ سب کے پیچھے تھے اور رسول اللہ نے فرمایا جب میں دعا مانگوں تو تم آمین کہنا تو اسقف نجران کہنے لگا اے نصاریٰ تحقیق میں ایسا چہرہ دیکھ رہا ہوں کہ اگر اللہ سے سوال کریں کہ پہاڑ کو اپنی جگہ سے ہٹا دے تو ہٹا دے گا۔ ان سے مباہلہ نہ کرو ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے اور روئے زمین پر مسلمانوں کے علاوہ کوئی باقی نہیں رہے گا۔ تو وہ رسول اللہ ﷺ سے دو ہزار حلوں پر مصالحت کر کے اپنے ملک کی طرف واپس چلے گئے۔

4۔ ان آیات میں سے سورۂ مائدہ میں خداوند عالم کا یہ ارشاد ہے۔ انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین امنوا وہم راکعون تک یعنی بس تمہارا ولی و حاکم اللہ' اس کا رسول ﷺ اور وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے نماز ادا کرتے اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں۔ ثعلبی نے اپنی تفسیر میں سدی عتبہ ابن ابی حکیم غالب ابن عبد اللہ سے ذکر کیا ہے یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ آیت حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی شان میں نازل ہوئی۔ آپ کے قریب سے ایک سائل گزرا آپ مسجد میں حالت رکوع میں تھے تو آپ نے اسے اپنی انگوٹھی عطا فرمائی۔

اور ثعلبی نے یہ واقعہ سند کے ساتھ ابوذر غفاری سے نقل کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک دن میں نے نماز ظہر مسجد میں ادا کی رسول ﷺ اللہ بھی موجود تھے۔ ایک سائل کھڑا ہو گیا اس نے سوال کیا لیکن کسی نے اسے کچھ نہ دیا۔ علی رضی اللہ عنہ حالت رکوع میں تھے۔ آپ نے اپنی انگلی کا اشارہ کیا اس نے آپ کی انگلی سے انگوٹھی اتار لی۔ جناب رسالت مآب ﷺ یہ کیفیت دیکھ رہے تھے۔ آپ ﷺ نے اپنا سر آسمان کی طرف بلند کیا اور کہا اے میرے اللہ تحقیق میرے بھائی موسیٰ نے تجسس سے سوال کیا تھا اور کہا تھا کہ پالنے والے میرے سینے کو کھول دے اور میرے کام کو مجھ پر آسان کر دے۔ موسیٰ کے اس قول تک کہ ہارون کو میرے امر میں میرا شریک قرار دے۔ پس اس پر قرآن نے گواہی دی کہ عنقریب ہم تیرے بازوؤں کو مضبوط کر دیں گے تیرے بھائی سے اور تم دونوں کے لیے سلطنت قرار دیں گے۔ پس تم دونوں تک وہ (تمہارے دشمن) نہیں پہنچ سکیں گے۔ خدایا میں (محمد ﷺ) تیرا منتخب نبی ہوں پس میرے لیے میرا شرح صدر کر دے۔ میرے امر کو مجھ پر آسان کر دے اور میرے اہل میں سے میرے بھائی کو میرا وزیر قرار دے اور اس سے میری

کمر کو مضبوط کردے۔ ابوذر کہتے ہیں خدا کی قسم آپ کی دعا ابھی تمام نہیں ہوئی تھی کہ جبرئیل علیہ السلام اللہ کی طرف سے نازل ہوئے اور کہنے لگے اے محمد ﷺ پڑھئے انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین امنوا وھم راکعون الخ۔

دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نکلے اور علی رضی اللہ عنہ نماز پڑھ رہے تھے مسجد میں ایک سائل تھا جس کے پاس انگوٹھی تھی۔ آپ ﷺ نے اس سے پوچھا کیا کسی نے تجھے کچھ دیا اس نے کہا اس نمازی نے یہ انگوٹھی حالت رکوع میں مجھے دی پس رسول اللہ ﷺ نے آواز تکبیر بلند کی اور جبرئیل یہ آیت تلاوت کرتے ہوئے نازل ہوئے۔ اس پر حسان بن ثابت نے یہ اشعار کہے۔

ابا حسن تعدیک روحی وسھتجی
دکل بطئی فی الھدی و مسارع
نانت الذی اعطیت اذ کنت راکعنا
ند تک نفوس الخلق یا خیر راکع
بخاتمک ایمموںؑ یا خیر سید
و یا خیر شار ثم یا خیر بائع
فانزل فیک اللہ خیر ولایتہ
وبینھا فی محکمات الثرائع

اے ابوالحسن تجھ پر میری روح اور جان قربان ہو جائے اور راہ ہدایت میں ہر سستی اور جلدی کرنے والا فدا ہو جائے۔ یہی تو وہ ہے کہ تو نے عطا کی جب کہ تو رکوع میں تھا تجھ پر تمام مخلوق کی جانیں فدا ہوں۔ اے بہترین رکوع کرنے والے اپنی مبارک انگوٹھی دینے والے اور اے بہترین بیچنے والے اور خریدنے والے پس اللہ نے تیری شان میں بہترین روایت نازل کی اور اسے آیات محکمات میں بیان کیا۔
نیز حسان نے یہ اشعار بھی کہے۔

من ذا بخاتمہ تصدق و راکعا
واسرھا فی نفسہ اسرادا
من کان بات علی فراش محمد

و محمد اسری یوم النھارا
من کان فی القران سمی مومنا
فی تسع ایات ستلین غزارا

وہ کون ہے جس نے حالت رکوع میں انگوٹھی صدقہ کے طور پر دی اور یہ راز اپنے دل میں رکھا کون ہے وہ جو محمد ﷺ کے بستر پر سویا جبکہ محمد ﷺ رات کے وقت غار کی طرف جا رہے تھے۔ کون ہے جس کو قرآن کی نو آیات میں مومن کہا گیا ہے جو آیات کثرت سے پڑھی جاتی ہیں۔

5۔ ان آیات میں سے سورہ برات میں خداوند عالم کا یہ ارشاد ہے۔ یا ایھا الذین امنوا اتقوا اللہ و کونو مع الصادقین (یعنی اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور صادقین کے ساتھ ہو جاؤ) علما تاریخ کا بیان یہ ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ علی رضی اللہ عنہ اور ان کے اہل بیت کے ساتھ ہو جاؤ۔
ابن عباس کہتے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ سید الصادقین ہیں۔

6۔ ان آیات میں سے سورۂ ھود میں خداوند عالم کا یہ ارشاد ہے۔ افمن کان علی بینت من ربہ و یتلوہ شاھد منہ۔ یعنی کیا وہ جو اپنے رب کی طرف سے بینہ پر ہے اور اس کے پیچھے ہے اس کا گواہ جو اسی میں سے ہے۔ ثعلبی نے اپنی تفسیر میں ابن عباس سے ذکر کیا ہے کہ وہ علی رضی اللہ عنہ ہیں اور یتلوہ شاھد منہ کا معنی یہ ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے تمام لوگوں کی نسبت زیادہ قریب ہیں۔
اور نیز ثعلبی نے اپنی اسناد سے زاذان کی روایت سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا ہے۔ زاذاں کہتا ہے کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے دانے کو شگافتہ کیا اور نفس انسانی کو پیدا کیا اگر میرے لیے مسند بچھا دی جائے تو میں اہل توراۃ کے درمیان ان کی توارۃ سے فیصلہ کروں' اہل انجیل کے درمیان ان کی انجیل سے' اہل زبور کے درمیان ان کی زبور سے اور اہل فرقان کے درمیان ان کے فرقان سے اور قسم ہے اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ قریش میں سے کوئی شخص نہیں مگر میں جانتا ہوں اس کے لیے آیت قرآنی جو اسے لیے جنت کی طرف سے جاتی ہے یا جہنم کی طرف تو ایک شخص نے عرض کی اے امیر المومنین آپ کی شان میں کونسی آیت نازل ہوئی تو آپ نے فرمایا افمن کان

علیٰ بینت من ربہ ویتلوہ شاھد منہ۔ پس رسول اللہ "علیٰ بینہ" ہیں اور میں شاہد منہ ہوں۔

7- اور ان میں سے سورہ مریم کے آخر میں خدا کا یہ ارشاد ہے۔ ان الذین امنوا وعملوالصالحت سیجعل لھم الرحمن ودا۔ یعنی وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے عمل صالح کیے تو بے شک خدائے رحمٰن ان کے لیے مودت قرار دے گا۔ ابن عباس نے کہا یہ مودت و محبت علی رضی اللہ عنہ کی ہے جو خدا نے مومنوں کے دل میں قرار دی ہے۔

ابو اسحٰق ثعلبی نے اسی چیز کو اپنی تفسیر میں سند کے ساتھ براء بن عازب سے روایت کیا ہے۔ براء کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ کہا کہ دعا کرو خدایا میرے لیے اپنے پاس ایک عہد قرار دے اور مومنین کے سینے میں میری مودت قرار دے تو خداوند عالم نے یہ آیت نازل فرمائی۔

8- اور ان میں سے سورہ احزاب میں خدا کا یہ ارشاد ہے فمنھم من قضیی نحبہ ومنھم من ینتظر ؕ یعنی بعض ان میں سے وہ ہیں جو اپنے وعدہ کو پورا کر چکے اور بعض وہ جو انتظار کر رہے ہیں۔

عکرمہ کہتا ہے جو انتظار کر رہے ہیں وہ امیرالمومنین ہیں آیت تطہیر کا تذکرہ انشاء اللہ بعد میں کیا جائے گا۔

9- ان میں سے سورہ صٰفٰت میں خداوند عالم کا یہ ارشاد ہے وقفوھم انھم مسئولون یعنی اور ان کو روک لو بے شک ان سے سوال کیا جائے گا۔ مجاہد کہتا ہے یعنی محبت علی رضی اللہ عنہ کا سوال کیا جائے گا۔

10- ان میں سے سورہ جاثیہ میں خداوند عالم کا یہ ارشاد ہے۔ ام حسب الذین اجترحوالسیات ان بمغلھم کالذین امنو وعملو الصلحت سواء یعنی کیا وہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ جنھوں نے برے اعمال کیے ہیں ہم انہیں ان لوگوں کے برابر قرار دیں گے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے۔ ابن عباس سے ہے کہ یہ آیت جنگ بدر کے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی اور الذین اجترحوالسیات سے مراد عقبہ، شیبہ اور ولید بن مغیرہ ہیں۔ اور الذین امنو وعملو الصالحات سے مراد

حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔

11۔ سورۂ واقعہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے والسابقون السابقون یعنی اور جنہوں نے سبقت کی اور سبقت کی۔ سعید بن جبیر نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ سب سے پہلے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی ہے وہ علی رضی اللہ عنہ ہیں اور انہی کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی۔

12۔ سورہ مجادلہ میں خداوند عالم کا ارشاد ہے یاایھا الذین امنوا اذا ناجیتم الرسول فقدموا بین یدی نجویکم صدقت یعنی اے ایمان والو جب رسول سے سرگوشی کرنے لگو تو سرگوشی کرنے سے پہلے صدقہ دو۔ علماء تاویل نے کہا یہ آیت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی۔ آپ نے ایک دینار صدقہ دیا پھر رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سرگوشی کی۔ ابو اسحٰق ثعلبی نے اپنی تفسیر میں اس واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے وہ کہتے ہیں ابن عباس سے ہے کہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرتے تھے اور بہت پریشان کرتے تھے۔ تو خداوند عالم نے اس آیت کے ذریعے ان کی تادیب کی۔

ثعلبی نے مجاہد سے حکایت کی ہے کہ لوگوں کو سرگوشی کرنے سے منع کر دیا گیا جب تک کہ صدقہ نہ دے لیں تو سوائے علی رضی اللہ عنہ کے کسی نے سرگوشی نہ کی۔ آپ نے ایک دینار پہلے صدقہ دیا اور پھر سرگوشی کی۔

راوی کہتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا قرآن مجید میں ایک ایسی آیت ہے کہ جس پر نہ مجھ سے پہلے کسی نے عمل کیا ہے اور نہ میرے بعد کوئی اس پر عمل کرے گا۔ پھر آپ نے یہی آیت تلاوت کی۔

ابن عمر کہا کرتے تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے تین فضائل ہیں اگر ان میں سے مجھے ایک بھی میسر آیا ہوتا تو مجھے سرخ بالوں والے اونٹوں سے زیادہ محبوب تھا۔

۱۔ فاطمہ کے ساتھ شادی۔ ۲۔ جنگ خیبر کے دن علم کا عطیہ۔ ۳۔ آیہ نجویٰ۔

13۔ اور ان میں سے سورۂ لم یکن (یعنی سورۂ بینہ) میں خداوند عالم کا یہ ارشاد اولئک ھم خیر البریت یعنی وہ ہی بہترین مخلوق ہیں۔ مجاہد کہتا ہے اس سے مراد حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے اہل بیت اور ان کے محب ہیں اور قرآن مجید میں اور بھی بہت سی آیات ہیں ہم نے مختصراً یہی پیش کی ہیں۔ بعض آیات کا تذکرہ مختلف ابواب

میں بھی کریں گے کہ جس سے مقصد کتاب خارج نہ ہونے پائے۔ مثلاً سورۂ سجدہ میں ارشاد ہے افمن کان مومنا کمن کان فاسقا لایسترون یعنی کیا جو مومن ہے وہ مثل فاسق کے ہے (نہیں) یہ برابر نہیں ہوسکتے۔ اما الذین امنوا وعملو الصالحات فلهم جنات الماویٰ نزلا بما کانوا یعملون یعنی بہرحال وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے ان کے لیے جنات ماویٰ ہیں۔ یہ عطیہ بہ سبب ان کے عمل کرنے کے ہے۔ باقی رہیں احادیث تو ہم ان روایات سے شروع کرتے ہیں جو صحاح اور کتب مشہورہ میں نقل ہوئی ہیں۔

فضائل امیرالمومنینؓ (احادیث کی روشنی میں)

1۔ امام احمد نے مسند میں سعد بن وقاص سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جنگ تبوک کے موقع پر اپنے گھر والوں پر خلیفہ بنا کر چلے تو علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ آپ مجھے بچوں اور عورتوں پر خلیفہ بنا چلے ہیں تو آپ نے فرمایا کیا تم راضی نہیں کہ تمہاری قدر و منزلت مجھ سے وہ ہے جو ہارون کو موسیٰ سے تھی۔ مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ اس حدیث کو مسلم و بخاری نے صحیحین میں درج کیا ہے اور اس پر دونوں کا اتفاق ہے۔

2۔ مسلم نے عامر بن سعد بن ابی وقاص سے روایت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ معاویہ بن ابی سفیان نے سعد سے کہا کہ تجھے ابو تراب پر سب و شتم کرنے سے کیا چیز مانع ہے؟ تو سعد نے کہا جب تک مجھے تین باتیں یاد رہیں گی جو میں نے رسول ﷺ کو کہتے سنا تھا۔ میں ہرگز علی ﷺ پر "سب" نہیں کروں گا۔ اگر میرے لیے ان میں سے ایک بھی ہوتی تو وہ مجھے سرخ رنگ والے اونٹوں سے زیادہ محبوب تھی۔ ان میں سے ایک تو سعد نے حدیث راسیتہ بیان کی جسے ہم بعد میں انشاء اللہ بیان کریں گے اور دوسری بات یہ ہے کہ جب خداوند عالم کا یہ کلام نازل ہوا کہ ندع ابناء نا وابناء کم الخ تو رسول اللہ ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ فاطمہ رضی اللہ عنہا حسن رضی اللہ عنہ حسین رضی اللہ عنہ کو بلایا اور عرض کی خدایا یہ میرے اہل بیت ہیں اور تیسری بات یہ ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا جب آپ ایک جنگ میں جاتے ہوئے علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنا کر گئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ مجھے آپ

عورتوں اور بچوں کے پاس چھوڑے جارہے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ کیا تم راضی نہیں کہ تمہاری نسبت مجھ سے وہ ہے جو ہارون کو موسیٰ سے تھی۔ البتہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

3۔ مسعودی نے کتاب مروج الذہب اور معادن الجواہر میں ذکر کیا ہے کہ سعد نے جب معاویہ سے یہ بات کہی تو معاویہ کہنے لگا تو میرے نزدیک اس وقت سے پہلے زیادہ قابل ملامت نہ تھا پس تو نے علی رضی اللہ عنہ کی پیروی کیوں نہ کی اور ان کی بیعت ترک کر کے کیوں بیٹھ گیا؟ پھر معاویہ نے کہا اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ باتیں سنی ہوتیں جو تو نے علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی شان میں سنی ہیں تو مرتے دم تک ان کی چاکری کرتا۔

4۔ امام احمد نے یہ حدیث کتاب فضائل میں جسے امیرالمومنین کے فضائل میں تصنیف کیا ہے ذکر کی ہے (حذف اسناد کے ساتھ) ابی بردہ سے روایت کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ثنیۃ الوداع تک نکلے اور وہ رو رہے تھے اور کہتے تھے کہ آپ مجھے اپنی معیت سے رہ جانے والوں کے ساتھ چھوڑے جارہے ہیں میں نہیں چاہتا کہ آپ کسی طرف جائیں اور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہ ہوں تو آپ نے فرمایا کیا تم راضی نہیں کہ تمہیں نبوت کے علاوہ وہی قدر و منزلت ہو جو ہارون کو موسیٰ سے تھی اور تم میرے خلیفہ ہو۔

5۔ اور ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب جنگ تبوک میں جانے لگے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے اہل بیت اور ازواج پر خلیفہ بنا کے چلے کیونکہ مدینہ مردوں سے خالی ہو چکا تھا اور منافقین نے یہ بات بنائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جانے کو پسند نہیں کرتے جب یہ خبر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ملی تو آپ مقام ثنیہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملے اور علی رضی اللہ عنہ رو رہے تھے اس کے بعد حدیث منزلت کا ذکر ہے۔

6۔ محمد بن شہاب زہری نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے گھر والوں پر اسی طرح خلیفہ بنایا جس طرح موسیٰ نے اپنے بھائی کو بنایا تھا۔ جب کہ حضرت موسیٰ میقات کی طرف گئے تھے۔ باقی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ لا نبی بعدی میرے بعد کوئی نبی نہیں تو یہ اس لیے کہ تمام شریعتیں منسوخ ہو گئیں۔ علماء

تاریخ کا اتفاق ہے کہ تبوک کے علاوہ کوئی ایسا غزوہ نہیں جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ شریک نہ ہوئے ہوں اور یہ بھی اتفاق ہے کہ تبوک میں جنگ ہی نہیں ہوئی جب اس کے متعلق عدی سے سوال کیا گیا تو وہ کہنے لگا جنگ شجاع اور بہادروں کو مفقود کر چکی تھی۔ کون جنگ کرتا میں کہتا ہوں (مؤلف)

7۔ احمد بن حنبل نے کتاب فضائل میں حدیث مواخات نقل کی ہے (حذف اسناد کے ساتھ) مجروح بن زید باہلی سے روایت ہے وہ کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مہاجرین و انصار میں مواخات (بھائی چارہ) قائم کی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ رونے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم کیوں روتے ہو؟ عرض کی کہ آپ نے میرا کسی کے ساتھ بھائی چارہ معین نہیں فرمایا۔ آپ نے فرمایا تمہیں تو میں نے اپنی ذات کے لیے محفوظ رکھا ہے۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا تمہیں مجھ سے وہ نسبت ہے جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی۔ اس کے بعد فرمایا یا علی رضی اللہ عنہ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ قیامت کے دن سب سے پہلے جسے بلایا جائے گا وہ میں ہوں گا پس میں عرش کی دائیں جانب عرش کے سایہ میں کھڑا ہو جاؤں گا اور مجھے جنت کے لباسوں میں سے سبز رنگ کا لباس پہنایا جائے گا پھر انبیاء کو یکے بعد دیگرے بلایا جائے گا پس وہ عرش کے دائیں بائیں قطار میں کھڑے ہو جائیں گے اور انہیں بھی جنت کے سبز لباس پہنائے جائیں گے اور میری امت قیامت کے دن سب سے پہلے حساب وکتاب کے لیے بلائی جائے گی پھر تجھے میری قرابت اور میرے نزدیک جو تیری قدر و منزلت ہے اس کی وجہ سے سب سے پہلے پکارا جائے گا اور میرا علم تمہارے سپرد کیا جائے گا اور وہ لواء الحمد ہے۔ پس تم آدمؑ اور ان کے بعد کے انبیاء اور تمام مخلوق کے درمیان اس علم کو لے کر چلو گے اور یہ سب لوگ قیامت کے دن اس علم کے سائے میں ہوں گے۔ علم کا طول ہزار سال کی مسافت کے برابر ہو گا۔ اس علم کا پھریرا سرخ یاقوت اور اس کی لکڑی سبز موتی سے ہو گی اور اس کے تین نورانی پھریرے ہوں گے۔

ایک مشرق میں دوسرا مغرب میں اور تیسرا وسط دنیا میں ہو گا۔ ہر پھریرے پر ایک سطر لکھی ہو گی ایک پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم دوسرے پر الحمد للہ رب العالمین اور تیسرے پر لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ تم اس جھنڈے کو لے کر چلو گے حسن رضی اللہ عنہ تمہاری دائیں طرف اور حسین رضی اللہ عنہ تمہاری بائیں طرف ہوں گے۔ یہاں تک کہ

تم میرے اور حضرت ابراہیمؑ کے درمیان عرش کے سایہ میں آ کے کھڑے ہو جاؤ گے۔ اور تمہیں جنت کے لباسوں میں سے سبز رنگ کا لباس پہنایا جائے گا اور مجھے عرش کے نیچے سے منادی کی آواز آئے گی کہ بہترین باپ تمہارا باپ ابراہیمؑ ہے اور بہترین بھائی تمہارا بھائی علی رضی اللہ عنہ ہے پس تمہیں بشارت ہو اے علی رضی اللہ عنہ کہ بے شک عنقریب تمہیں لباس پہنایا جائے گا جب مجھے پہنایا جائے گا اور تمہیں بھی بلایا جائے گا جب مجھے بلایا جائے گا اور تجھے تحیہ و سلام کیا جائے گا اور تو میرے حوض کے پانی پلانے کی جگہ پر کھڑا ہو گا اور اسے سیراب کرے گا جسے تو پہچانے گا۔ پس حضرت علی رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ قسم ہے اس کی جس کے قبضے میں میری جان ہے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوض سے کچھ جماعتوں کو دور کردوں گا جو منافق ہوں گے جس طرح اجنبی اونٹوں کو حوض سے دور کیا جاتا ہے۔

8۔ امام احمد نے کتاب فضائل میں جابر سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یا علی رضی اللہ عنہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے جنت کے دروازہ پر لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی ابن ابی طالب اخو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آسمان و زمین کی خلقت سے دو ہزار سال پہلے لکھا ہوا ہے۔

9۔ امام احمد نے فضائل میں لکھا ہے (حذف اسناد سے) راوی لکھتا ہے میں نے اسماءبنت عمیس سے سنا وہ کہتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرمارہے تھے خدایا میں وہی بات کہتا ہوں جو میرے بھائی موسیٰؑ نے کہی تھی اور میرے اہل بیت میں سے میرے بھائی علی رضی اللہ عنہ کو میرا وزیر بنادے اس سے میری کمر کو مضبوط کردے میرے امر میں شریک قرار دے تاکہ ہم تیری زیادہ تسبیح کریں اور تجھے زیادہ یاد کریں۔

10۔ اور امام احمد نے کہا ہے (حذف اسناد کے ساتھ) سعید بن مسیب سے روایت ہے جب جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحاب کے درمیان صیغہ مواخات و بھائی چارہ جاری کیا تو فرمایا علی ابن ابی طالب کہاں ہیں پس حضرت علی رضی اللہ عنہ آئے تو فرمایا تو میرا بھائی اور میں تیرا بھائی ہوں پس جب کوئی تیرے مقابلے میں آئے تو کہنا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھائی ہوں تیرے علاوہ جو بھی یہ دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے۔

11۔ اور امام احمد نے کتاب فضائل میں ذکر کیا ہے (حذف اسناد کے ساتھ) عبد اللہ بن روفی کہتا ہے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مسجد میں حاضر ہوا آپ نے فرمایا

فلاں اور فلاں کہاں ہیں؟ آپ صحابہ کی طرف دیکھتے اور ہر ایک سے پوچھتے اور اسے بلا بھیجتے یہاں تک کہ سب آپ کے پاس جمع ہو گئے۔ پس آپ ﷺ نے اللہ کی حمد و ثنا کی اور صحابہ کے درمیان مواخات جاری کی۔ یوں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ میں نہ سمجھ سکا۔۔۔کہ آپ نے صحابہ کے ساتھ جو کچھ کیا۔۔۔ پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے میں نے تجھے اپنے ہی لیے موخر کیا ہے اور تجھ سے مجھے وہی نسبت ہے جو موسیٰؑ کو ہارون سے تھی اور تو میرا بھائی اور میرا وارث ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں آپ کا کس چیز میں وارث ہوں آپ ﷺ نے فرمایا جس چیز کے وارث مجھ سے پہلے انبیاء ہوئے تو عرض کیا کس چیز کے وارث ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ خدا کی کتاب اور احادیث انبیاء اور جنت میں تم میرے قصر میں میری بیٹی فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا اور میرے بیٹے حسن رضی اللہ عنہ و حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہو گے اور تم میرے رفیق ہو گے۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی اخوانا علی سریر متقابلة یعنی بھائی ایک دوسرے کے مقابل تختوں پر بیٹھے ہوں گے۔

12۔ (حذف اسناد کے ساتھ) عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اصحاب کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا پس حضرت علی رضی اللہ عنہ آئے اور ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور کہا اے رسول اللہ ﷺ خدا آپ پر رحمت نازل فرمائے آپ نے اپنے اصحاب کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا لیکن میرے ساتھ کسی کو بھائی نہیں بنایا تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے کہا تم دنیا و آخرت میں میرے بھائی ہو۔

ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن اور صحیح ہے بعض کہتے ہیں گزشتہ حدیث احمد نے کتاب فضائل میں زید بن ابی روفی سے نقل کی ہے۔

حدیث رایتہ (علم)

13۔ امام احمد نے مسند میں اور مسلم و بخاری نے صحیحین میں اس حدیث کو نقل کیا ہے اور دونوں کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ حدیث سہل بن سعد سے ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جنگ خیبر کے دن فرمایا۔ البتہ ضرور علم دوں گا یہ علم کل دوں گا اس مرد کو جو اللہ اور رسول ﷺ کو دوست رکھتا ہے اور اللہ و رسول ﷺ اس سے

محبت کرتے ہیں۔ خدا اس کے ہاتھ پر فتح دے گا پس لوگوں نے پشت پر لیٹ کر رات گزادی (یہ سوچ سوچ کر) کس کو علم دیا جائے گا۔ جب صبح ہوئی تو سب رسول ﷺ کی خدمت میں گئے۔ ہر ایک یہ آرزو رکھتا تھا کہ علم اسے ملے تو آپ نے فرمایا کہ علی ابن طالب رضی اللہ عنہ کہاں ہیں عرض کیا گیا کہ وہ آشوب چشم میں مبتلا ہیں یا یہ کہ ان کی آنکھیں دکھتی ہیں آپ نے فرمایا کسی کو بھیجو جو انہیں لے آئے۔ جب علی رضی اللہ عنہ آئے تو آپ نے ان کی آنکھوں میں لعاب دہن لگایا اور دعا کی پس وہ صحیح د سالم ہو گئے گویا انہیں کوئی تکلیف ہی نہ تھی۔

تو آپ نے انہیں علم عنایت فرمایا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی اے اللہ کے رسول ﷺ کس طریقہ سے ان سے جنگ کروں آپ نے فرمایا جیسے جنگ میں جایا کرتے ہو اسی طرح جاؤ اور ان کے میدان میں داخل ہو جاؤ پھر انہیں اسلام کی طرف دعوت دو اور انہیں بتاؤ کہ اسلام کی رو سے کون سے اللہ کے حقوق ان پر واجب ہیں۔ پس قسم ہے اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تیرے ہدایت کرنے سے ایک آدمی ہدایت حاصل کر لے یا فرمایا خدا تیرے ہدایت کرنے سے اگر کسی کو ہدایت دے تو وہ تیرے لیے سرخ بالوں والے اونٹوں سے بہتر ہے اور مسلم میں ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب اس دن کہتے تھے کہ مجھے امامت کا شوق کبھی دامن گیر نہیں ہوا سوائے اس دن کے میں اونچا اونچا ہوتا تھا اس امید پر کہ مجھے بلایا جائے گا پس رسول اللہ ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور وہ علم انہیں دیا اور فرمایا جاؤ یہاں تک کہ خدا تمہیں فتح دے اور پیچھے کی طرف مڑ کر نہ دیکھنا پس علی رضی اللہ عنہ تھوڑی دور چلے پھر رک گئے اور پیچھے کی طرف ملتفت ہوئے بغیر کہنے لگے 'اے اللہ کے رسول ﷺ کب تک ان سے جہاد کروں فرمایا جب تک کہ وہ لا الٰہ الا اللہ اور انّ محمد رسول اللہ ﷺ کی گواہی نہ دیں۔ اور جب یہ گواہی دے دیں تو انہوں نے اپنے خون اور اموال تجھ سے محفوظ کر لیے مگر کسی حق کی وجہ سے اور ان کا حساب اللہ پر ہے۔

محمد وصی خان

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے معجزات

علامہ سید رضی علیہ الرحمتہ جامع کتاب نہج البلاغہ فرماتے ہیں کہ جب میں علی رضی اللہ عنہ کے متعلق غور کرتا ہوں تو حیرت میں پڑ جاتا ہوں اس لیے کہ اب تک دیکھا تو یہ گیا ہے کہ اگر کوئی بہت بڑا عبادت گزار ہے تو وہ بہت بڑا شجاع نہیں ہو سکتا اور اگر کوئی بہت بڑا عالم ہے تو وہ محنت مزدوری میں شہرۂ آفاق نہیں بن سکتا۔ اس لیے انسان ایک وقت میں ایک ہی چیز میں کمال حاصل کر سکتا ہے، لیکن ایک وقت میں ہمہ صفت اکمل موجود ہونا یہ اگر تھا تو خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد صرف علی رضی اللہ عنہ کے لیے۔

اگر مسند علم پر دیکھو تو علی رضی اللہ عنہ سے بڑا کوئی عالم نہیں۔ اگر مصلائے عبادت پر دیکھو تو علی رضی اللہ عنہ سے بڑا کوئی عابد نہیں۔ اگر مزدوری کرتے دیکھو تو علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ جفاکش نہیں اور اگر میدان شجاعت میں دیکھو تو علی رضی اللہ عنہ سے بڑا دلیر اور جری کوئی نہیں۔ یہی وہ منزل ہے جہاں کہنا پڑتا ہے کہ لباس امکاں میں اگر واجب الوجود کی مرقع کشی ممکن ہے تو صرف علی رضی اللہ عنہ ہی کی ذات ہو سکتی ہے جہاں پیکر امکانی تھا مگر جلوہ وجوبی تھا۔ تبھی تو دنیا نے کبھی عین اللہ کہا کبھی ید اللہ اور کبھی نفس اللہ غرض جس جس پہلو سے دیکھا جائے علی رضی اللہ عنہ جنب اللہ ہی نظر آئیں گے۔

یہ لقب یونہی نہیں مل گئے تھے بلکہ یوں کیوں نہ کہا جائے کہ خیبر اژدر نے طفلی و جوانی میں ہاتھوں کی قوت جانچ کے بتایا کہ علی رضی اللہ عنہ کی طاقت انسانی طاقت سے برتر اور بلند ہے جس

نے ہم کو یداللہ سمجھنے پر مجبور کر دیا۔ شب معراج نگاہ علی رضی اللہ عنہ قاب قوسین تک جا کے قدم رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لپٹی اور قاب قوسین جانے والے نے پلٹ کے تصدیق کی کہ یا علی رضی اللہ عنہ بیشک تم سچ کہتے ہو۔ تب دنیا پکار اٹھی عین اللہ۔ شب ہجرت بڑے بڑے قوت والوں کو جان کے خوف سے روتا اور علی رضی اللہ عنہ کو جان بچ کے تلواروں کے سایہ میں سوتا ہوا دیکھا۔ قدرت نے قرآن کے ذریعہ نفس اللہ کا لقب دیا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ہی تو ارشاد فرمایا کہ یا علی رضی اللہ عنہ اگر میں تیری وہ منزلت بتا دوں جو اللہ کے ہاں ہے تو لوگ تیرے پیروں کی خاک لے جائیں گے۔

علی رضی اللہ عنہ کے فضائل نہ جانے کس کس نے چھپائے۔ دشمنوں نے دشمنی میں فضائل پر پردہ ڈالا۔ دوست دشمنوں کے ڈر سے زیادہ زبان نہ کھول سکے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مصلحت ایزدی کے پردوں میں فضیلتیں چھپائیں مگر جب اتنا چھپانے پر اتنے نمایاں ہیں تو اگر ظاہر ہو جاتے تو کیا عالم ہوتا۔ سچ کہا تھا جس نے کہا تھا کہ حق خود بلند ہوتا ہے اس کو بلند کیے جانے کی ضرورت نہیں۔ یا علی رضی اللہ عنہ آپ کی بلندی اور معجز نمائی کا پوچھنا ہی کیا ہر زینہ مرتبہ میں پہلے زینہ سے اتنا بلند کہ جہاں تک دنیا کی رسائی مشکل اسی طرح ہر معجزہ دوسرے معجزہ سے زیادہ حیرت انگیز آنکھیں دل اور دماغ جس کو دیکھ کر سن کر اور پڑھ کر یہ کہنے پر مجبور ہو جاتی ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ مظہر صفات خداوندی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا نے آپ کو مظہر العجائب الغرائب کے لقب سے پکارا۔ ذرا دیکھو تو سہی کیسی قسمت ہے کیسی تربیت گاہ ہے جو دنیا میں کسی انسان کو نصیب نہیں۔ دنیا میں قدم آتے ہی فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت اسد جیسی ماں کی گود ملی جس کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم خدا نے بھی اپنی ماں کا لقب دیا۔ ابو طالب رضی اللہ عنہ محافظ رسالت کے سایہ تلے آغوش رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں پروان چڑھتے رہے۔ جوں جوں بڑھتے گئے ترقی کی منزلیں اونچی ہوتی گئیں یہاں تک کہ جب بچپن کی حد سے بڑھ کے شباب کی منزل میں قدم رکھا تو اب نہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کا زانو نہ ماں کی گود تھی لیکن اللہ ری ترقی رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی گود سے جو قدم نکالا تو کیا کہوں بس مختصر یہ ہے کہ مہر نبوت صلی اللہ علیہ وسلم نے قدم مبارک چوم لیے۔ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے کاندھے تھے امامت کا بوجھ تھا۔ بت شکنی ہو رہی تھی۔ اللہ کا مبارک گھر تھا جس میں فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت اسد کی گود کا پالا پروان چڑھ رہا تھا۔ آغاز ہو تو ایسا کہ جب آئے تو پہلا قدم اللہ کے خاص گھر میں رکھا اور جب وقت وداع آیا تو شہادت کا شرف اللہ کے گھر میں ملا۔ اس ذات کا کیا کہنا جو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں کرامت ہی کرامت ہے

جس کی ذات بذات خود ایک معجزہ ہے جس وقت اس عظیم ہستی کا وجود باوجود عالم مشہود میں آیا اس وقت سے لے کر آج تک علی علیہ السلام کی ذات اقدس سے برابر مسلسل معجزات ظاہر ہو رہے ہیں۔ اول ابو جہل کا اپنا چہرہ جھولے کے نزدیک لانا اور طمانچہ کھانا۔ دوم جھولے میں اژدہے کا چیرنا۔ گدا کو رکوع میں انگوٹھی دینا۔ ایک نان کے لیے سائل کو اونٹوں کی قطار بخش دینا۔ جنات سے بیرالعلم میں لڑنا اور خیبر کا اکھاڑنا' بربر پہاڑ کا الٹنا' دروازۂ خیبر کا پل بنا کر لشکر کا اتارنا' خندق' حنین' صفین کی لڑائیوں کا فتح کرنا' سب مسلمانوں پر ظاہر ہے اور ناقابل انکار مستند واقعات ہیں۔ شہادت کے بعد سے آج تک جو معجزات ہوئے ہیں اور ہو رہے ہیں ان کا بھی کوئی فرد انکار نہیں کر سکتا چنانچہ مرۃ بن قیس کا مارا جانا' زرگر کا زندہ ہونا۔ مشہور زمانہ صحافی کراکا کو دل کی بیماری سے نجات دلانا سب پر ظاہر ہیں اور تاقیامت اس ہی طرح بے شمار معجزات ہوتے رہیں گے۔ اس سلسلہ میں مزید بتاتا چلوں کہ ایک روز کا ذکر ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بیٹھے تھے۔ دوران گفتگو آپ نے اللہ کے رسول ﷺ سے خواہش کی کہ مراتب امیر المومنین علی ابن طالب علیہ السلام ان کو دکھائے جائیں اس پر رسول مقبول ﷺ نے حضرت سلمان کو ایک کنجی عطا فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ جاؤ فلاں صحرا میں وہاں جو بلندی ہے اس کی مٹی ہٹانا کہ ایک پتھر نمودار ہوگا اور اس کے سرکانے سے ایک دروازہ نظر آئے گا اس کا قفل اس کنجی سے کھول کر اندر جانا۔ مراتب علی رضی اللہ عنہ کو دیکھنا۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب میں نے ایسا کیا تو ایک شہر نظر آیا کہ جس کے ہر کوچہ میں ایک مسجد تھی اور ہر مسجد میں ستر محرابیں اور ہر محراب میں جناب امیر علیہ السلام نماز پڑھ رہے تھے۔ یہ عجائب دیکھ کر میں حیران ہوا اور واپس آیا تو یہاں میں نے علی رضی اللہ عنہ کو پھر نماز پڑھتا پایا۔ ایک دفعہ چالیس آدمیوں نے ایک دن ایک وقت میں آپ کی دعوت کر دی حضرت نے سب سے وعدہ وفائی فرمائی۔ آخرالامر ہر شخص نے یہ دعویٰ پیش کیا کہ اس وقت آپ ہمارے یہاں مدعو تھے اور موجود تھے۔ رسول خدا نے کہا علی رضی اللہ عنہ میرے پاس تھے حسین علیہ السلام نے ارشاد فرمایا بابا ہمارے پاس تھے۔ بی بی رضی اللہ عنہا سیدہ نے کہا آپ گھر میں تشریف رکھتے تھے جبرئیلؑ امین نازل ہوئے آپ نے کہا علی رضی اللہ عنہ آسمان پر خداوند کریم کے مہماندار تھے۔

شوکت علی عابد

شانِ علیؓ

شجاعت اور علیؓ

تمام ملت اسلامیہ اس پر متفق ہے کہ تمام صحابہ کرام میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ بہادر تھے۔ حیات طیبہ میں جتنے بھی معرکے حق اور باطل کے درمیان ہوئے۔ سوائے غزوہ تبوک کے تمام معرکوں میں نہ صرف شرکت کی بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر کے علمبردار رہے۔ ان تمام معرکوں میں لشکر کفار کے نامی گرامی بہادر آپ کے ہاتھوں مارے گئے۔ لشکر کفار کی نصف تعداد آپ کے ہاتھوں قتل ہوئی۔ آپ اس قدر بہادر اور دلیر تھے کہ جب بڑے بڑے بہادروں اور اعلیٰ ہمت مسلمانوں کی ہمتیں جواب دے دیتیں۔ مسلمان پریشان ہو کر ادھر ادھر بھاگتے۔ بڑے بڑے نامی گرامی بہادر کفار کی طاقت سے گھبرا اٹھتے۔ شجاعان اسلام کفار سے عاجز آ جاتے۔ دشمن اسلام فتح کے قریب ہوتے لشکر کفار کی للکار چیلنج بن جاتی اس وقت ایک ہی جوان میدان میں گرجتا ہوا لشکر کفار کے سروں پر برستا ہوا آگے بڑھتا۔ کفار کی للکار کو تلوار کی دھار سے کاٹتا ہوا غرور و تکبر کو خاک میں ملاتا ہوا شکست کو فتح میں بدل کر رکھ دیتا۔

خداوند کریم نے ہادیٔ برحق سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام صفات انسانی اکملیت اور افضلیت کے ساتھ عطا کیں تاکہ اس زمین پر وحدانیت کا پرچار، رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ اور انسانوں کو اپنے کردار اور عملیات سے صحیح راستہ دکھا سکیں۔ خداوند عالم نے اپنے پیارے

حبیب ﷺ کی نصرت، تائید اور مدد کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو منتخب کیا۔ دربار نبوی ﷺ کی تمام صفات سے حضرت علی رضی اللہ عنہ آراستہ ہوئے یہی وجہ ہے کہ آپ تمام صفات محمدی ﷺ کے مجسمہ اور آئینہ دار تھے۔ حضرت علی ﷺ نے اپنی زندگانی سے کردار نبوی ﷺ کی مکمل تصویر پیش کی۔ تاکہ آنے والا کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ آغوش رسالت ﷺ کے شاہکار میں کسی چیز کی کوئی کمی رہ گئی ہے اور اس شاگرد رشید میں وہ تمام صفات انسانی جلوہ گر ہیں جو بعد از نبی کائنات کے تمام انسانوں سے بلند اور افضل کہلانے کی مستحق ہیں۔ آپ نبی کے معاون، وصی رسول ﷺ، ولیوں کے ولی، بہادروں کے بہادر، شیروں کے شیر، باب علم لاثانی، سخاوت، سچائی، شرافت، عبادت، امانت، دیانت، ایثار، رحم، تقویٰ، نیکی، عدل، غرض کہ تمام صفات انسانی میں بلند و افضل ہیں۔ صفات انسانی کی ایک خوبی شجاعت ہے۔ ملت سواد اعظم اور ملت امامیہ اس پر متفق ہے کہ آپ ہی شیر خدا ہیں۔ آپ ہی سب سے بڑی شجاعت کے مالک اور بہادر ہیں۔ تاریخ اسلام کے تمام معرکے اس بات کی گواہی دے رہے ہیں کہ کوئی معرکہ ایسا نہیں جس میں تیغ حیدری نے لشکر کفار کو الٹ پلٹ کر نہ رکھ دیا ہو۔ بہادر وہ نہیں جو مال و زر، تخت و تاج کے لیے اپنی قوت کا مظاہرہ کرے۔ بہادر وہ نہیں جس کی تلوار سے مظلوم اور پر امن انسانوں کا خون بہے۔ کسی سیاسی یا ذاتی مفاد کی خاطر قتال کرنا شجاعت نہیں۔ اسلام کی نظر میں ملک و شہر حاصل کرنا اور آبادیوں کو مٹانا بہادری نہیں بلکہ ظلم ہے۔ یہ طاقت ہلاکو خان اور چنگیز خان تو بن سکتی ہے مگر حق کی تلوار نہیں بن سکتی۔ بہادر وہ نہیں جو اپنی طاقت کا مظاہرہ کمزور اور بے بس سے کرے۔ بہادر وہ نہیں جو نہتوں پر تلوار اٹھائے۔ مظلوموں کا گلا دبائے، حق کی آواز کو مٹائے، بہادر وہ نہیں جو ذاتی انتقام کی آگ میں بستیوں کو اجاڑے، بہادر وہ نہیں جو جوش میں ہوش کھو بیٹھے۔ اسلام کی نظر میں شجاع وہ ہے جو دنیاوی فائدہ سے ہٹ کر ذاتی انتقام سے بلند ہو کر سوچے۔ جس کی شجاعت صرف نیک مقصد کے لیے ہو۔ (سب سے زیادہ نیک مقصد خدا اور اس کے رسول ﷺ کی رضا، دین اسلام کی پاسبانی، حق کی حمایت، باطل کی مخالفت ہے) جو مظلوم کا ساتھی بنے۔ ظالم کا دشمن ہو، خود غرض نہ ہو بلکہ بے غرض ہو۔ جوش ہو مگر ہوش کے ساتھ۔ کمزور کا نگہبان ہو ظالم کے لیے تیز دھار ہو جس کی جنگ فقط اللہ کے نام کے لیے ہو جس میں قتل کرنے والا غازی، قتل ہونے والا شہید بن جائے۔ ان دونوں کے لیے خدا نے آخرت میں جنت اور دنیا میں عزت کی بشارت دی ہے۔ اس نیک اور عظیم مقصد کو سامنے رکھتے ہوئے

اس پر رسول خدا نے عمل کر کے دکھایا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کارناموں کا جائزہ لیں جو صفحات تاریخ میں سنہری حروف سے لکھے گئے ہیں تو ان کو انسانی عقل پڑھ کر حیران اور دنگ رہ جاتی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس قدر بہادر اور شجاع تھے کہ جو انسانی طاقت سے باہر نظر آتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی جنگ میں کوئی غیبی طاقت مدد کر رہی ہے ورنہ احد' بدر' خندق' خیبر' حنین' جمل' صفین کے میدان آج بھی نعرہ حیدری کے نعروں سے گونج رہے ہیں۔

تاریخ عالم حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کی شجاعت اور بہادری کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ ابتدائے اسلام میں کئی اہم جنگیں ہوئیں اگر ان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شجاعت نہ ہوتی تو شاید اسلام کا خاتمہ احد اور بدر کے میدان میں ہو جاتا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ تمام اسلامی معرکوں میں جب بھی سنگین سے سنگین معرکہ پیش آتا بڑے بڑے نامی گرامی مسلمان پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تنہا چھوڑ کر گھروں کا رخ اختیار کرتے تو ایک جوان ان میدانوں میں ثابت قدم رہا۔ ایک طرف ذوالفقار حیدری لشکر کفار پر برستی تو دوسری طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کے لیے چمکتی' تیغ حیدر کس کس میدان میں نہیں چمکتی۔ جب بدر کے میدان میں لشکر کفار کا مشہور جری جو کئی مسلمانوں کو جام شہادت پلانے کے بعد لشکر اسلام کو للکار کر کہہ رہا تھا کہ میری تلوار مسلمانوں کے خون کی پیاسی ہے تو اس وقت کون کام آیا۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز پر لبیک کس نے کہا۔ ایک ہی جوان' وہی جوان جس نے شب ہجرت کو اپنی جان کو فدیہ بنایا' آگے بڑھا۔ اس جوش کا ہوش سے جواب دیا کہ پل دو پل میں سارا غرور تکبر خاک میں ملا دیا۔ حق اور باطل کا دوسرا معرکہ احد کے میدان میں ہوا۔ بڑے بڑے مسلمانوں کے پیر اکھڑ گئے۔ مگر تیغ حیدری نے صفوں کی صفیں پلٹ ڈالیں۔ کبھی گھمسان میں بڑھ بڑھ کر حملے کئے۔ کبھی صفوں پر بجلی بن کر ٹوٹ پڑا۔ بڑے بڑے جری اور بہادرں کا کام کام تمام کیا۔ ہاتف کی آواز سے احد کا میدان گونج اٹھا۔ کوئی تلوار نہیں ذوالفقار جیسی' کوئی جوان نہیں علی جیسا۔ کس قدر مسرور ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علی کی جنگ سے خندق کا میدان لشکر کفار کا مشہور جری بار بار لشکر اسلام کو للکار رہا ہے۔ مگر اسلامی لشکر میں سکوت کا عالم ہے۔ ہر بار نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیارا اٹھتا ہے اپنے آقا پر قربان ہونے کے لیے۔ تاریخ گواہی دے رہی ہے کہ کوئی مسلمان' عمرو بن عبد وُد کی للکار کا جواب نہ دے سکا۔ اس قدر خوفزدہ تھے۔ عمرو سے مقابلہ کرنا تو کیا اس کے مقابلے پر جاتے ہوئے لرز رہے

تھے۔ یہاں کون کام آیا۔ یہاں کس نے شجاعت دکھائی۔ خندق کا میدان گواہی دے رہا ہے وہ صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں جو آگے بڑھے' مقابلہ ہوا۔ محدثین اور مورخین لکھنے پر مجبور ہوگئے کہ بروز خندق کی ایک ضربت سارے جہان کے اعمال سے افضل ہے۔ عمرو کا قتل ہونا تھا کہ لشکر اسلام میں اللہ اکبر کی صدا گونجی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پکارا میرے پیارے نے لاج رکھ لی۔ اسلام فاتح ہوا۔ باطل خاک میں ملا۔ حضرت نے دعا فرمائی اے خدا آج پورے کفر کا مقابلہ پورے ایمان سے ہے۔

ایک طرف کل کفر ایک طرف کل ایمان۔ ایمان کو فتح' کفر کو شکست ہوئی۔ باطل نہ مانا پھر خیبر کے قلعہ کا سہارا لیا۔ یہاں بھی صحابہ روانہ ہوئے۔ مگر فتح نہ کر سکے۔ فتح تو وہی کر سکتا ہے جس کو خدا نے تیغ حیدری دی ہو۔ جس کو صاحب ذوالفقار بنایا ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کی شکست سے پریشان ہیں۔ ایسے میں علی رضی اللہ عنہ کی یاد آئی۔ علی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور سب کے سامنے اعلان کر دیا کہ کل میں اس کو علم دوں گا۔ جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دوست رکھتا ہے۔ اور اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس کو دوست رکھتے ہیں۔ جو کرار ہے' فرار نہیں۔ جو بڑھ بڑھ کر حملہ کرنے والا ہوگا۔ علم دیا۔ ذوالفقار حیدری مرحب و عنتر کو کاٹنے کے لیے آگے بڑھی۔ یہود خوفزدہ ہوئے کہ موت آگئے۔ آخر فتح اسی کی ہوئی جو نبی کا جانشین ہے۔ جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تمام صفات حاصل کیں۔ جو حق کا پرستار ہے اور نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کا ورثہ دار ہے۔

محدثین و مورخین گواہی دے رہے ہیں "لافتی الا علی لاسیف الاذوالفقار" آپ کی شجاعت و بہادری کے واقعات تاریخ اسلام کے صفحات پر بکھرے پڑے ہیں۔ جس سے کسی مسلمان کو انکار کی گنجائش نہیں۔ آپ کی تلوار نے تاریخ اسلام کا رخ موڑ کر رکھ دیا ہے۔ جب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ جنگ احد میں شہید ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے لیے دعا فرمائی تھی۔ اے خدا اب علی رضی اللہ عنہ کو مجھ سے نہ چھیننا۔ ہم جب ان تمام غزوات کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ حقیقت سامنے آجاتی ہے کہ تمام غزوات کی فتح صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تیغ کی وجہ سے ہوئی اور آپ ہی ہمیشہ ثابت قدم رہے۔ بڑے سے بڑے نامی گرامی بہادر کا مقابلہ کرتے ہوئے ذرہ بھر بھی خوف نہ کھاتے اور ایک ہی وار میں ختم کر ڈالتے۔ کئی مرتبہ غزوات میں ایسے مراحل آئے کہ تمام لشکر اسلام لشکر کفار کی للکار کا جواب دینے سے بے بس رہا اور بالکل خاموشی اور پست ہمتی چھا جاتی۔ پھر یہی علی

رضی اللہ عنہ آگے بڑھتے اور ان کی للکار کا جواب ذوالفقار حیدری سے اس طرح دیتے کہ تمام لشکر اسلام میں خوشی کی لہر دوڑ آتی۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیشہ آپ کو اپنے لشکر کا علمبردار رکھا اور خدا نے آپ کو وہ قوت عطا کی کہ خیبر جیسے قلعہ کو فتح کرنا اور اس کے مضبوط اور آہنی دروازے کو ایک ہاتھ سے اس طرح اٹھا کر پھینک دینا جس کو چالیس پہلوان مل کر کھولا کرتے تھے یہ سب کچھ غیبی طاقت ہے جو خدا نے حق کے ساتھ اس مرد کو عطا کی۔ احد کا میدان گواہی دے رہا ہے کہ آج ہی کے دن علی رضی اللہ عنہ صاحب ذوالفقار ہوئے۔ خندق کا میدان گواہی دے رہا ہے کہ آپ کی ایک ضربت تمام جہان کے اعمال سے افضل ہے۔ آپ کی شجاعت اور بہادری کے سامنے نہ صرف بڑے بڑے کفار بے بس نظر آتے ہیں بلکہ چودہ سو سال گزرنے کے باوجود جب بھی کوئی نام علی رضی اللہ عنہ لیتا ہے' نعرہ حیدری کی آواز میدان میں جب گونجتی ہے تو پست ہمتوں میں ہمت' شکست فتح میں بدل جاتی ہے۔ خداوند کریم نے اس نام میں وہ طاقت عطا کی ہے وہ قوت بخشی ہے کہ اس کا نام لینے والا اس کا دامن پکڑ کر مدد مانگنے والا کبھی ناکام اور مایوس نہیں ہوتا۔ ہمیشہ فتح مند اور کامیاب ہوتا ہے۔ شجاعت علی رضی اللہ عنہ عقلی اعتبار سے بالاتر ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب کفار لشکر اسلام پر غالب آنے کو ہوتے' علی رضی اللہ عنہ میدان میں جاتے اور کفار کے بے شمار لوگوں پر تن تنہا حملہ کرتے۔ صفوں کو الٹ پلٹ کر رکھ دیتے۔ کثیر تعداد کو چیرتے ہوئے آگے بڑھتے اس وقت یقیناً خداوند کریم اپنے فرشتوں کے ذریعہ آپ کی حفاظت کرتا رہا۔ ورنہ لشکر کفار میں ایسے ایسے نامی گرامی بہادروں کا مقابلہ کرنا جن کی طاقت اور شجاعت کے ڈنکے سارے عربستان میں بجتے تھے اور پھر کفار کی نصف تعداد کو قتل کرنا یہ کوئی معمولی کام نہیں اور نہ ہی دنیا کی کوئی تاریخ ایسی شجاعت اور بہادری کی مثال پیش کر سکتی ہے۔ یہ سب کچھ اس لعاب دہن کی طاقت ہے' اس آغوش کی تربیت کا نتیجہ ہے جو دربار نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے براہ راست جناب امیر رضی اللہ عنہ کو حاصل ہوئیں۔ جناب امیر رضی اللہ عنہ شیر خدا وصی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ' امام المتقین فخر اولیاء' صاحب ذوالفقار' حیدر کرار' علی مرتضیٰ' مشکل کشا' دامن نجات' شفاعت کے مددگار' امامت کے تاجدار' نبوت کے رازدار' لشکر کے علمبردار' میدان سے غیر فرار' کوثر کے مختار' محشر کے نائب تاجدار' رسالت کے شاہکار' مکہ کے میزبان' مدینہ کے نگہبان' اسلام کا سالار' ایمان کا جانثار' آقائے دوجہاں کا غلام' بروز احد کی جنگ کے لیے فرماتے ہیں اس روز سولہ زخم ایسے لگے کہ میں گرنے کے قریب ہوتا تھا مگر ایک خوشبودار جھونکا ہر بار مجھے گرنے سے سنبھال

لیتا۔ جب میں نے یہ واقعہ اپنے آقا آنحضرت ﷺ ختمی مرتبت کو سنایا تو آپ نے فرمایا "اے علی رضی اللہ عنہ خدا تیری آنکھوں کو ٹھنڈک عطا فرمائے، تجھے برکت دے، یہ حضرت جبرئیل تھے۔"

خداوند کریم نے جناب امیر کو صفات محمدی ﷺ کا مجسم بنایا۔ تمام انسانی صفات اکملیت اور افضلیت کے ساتھ عطا کیں تاکہ کوئی بشر آپ کا ہمسر نہ ہو۔ ان صفات میں شجاعت کا جب تجزیہ کیا گیا تو پتہ چلا کہ سب سے بہادر اور شجاع تاریخ اسلام میں اگر کوئی ہستی ہے تو وہ شیر خدا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ہے۔ آپ کو شجاعت اور بہادری کے عوض کبھی بارگاہ الٰہی نے صاحب ذوالفقار بنایا۔ کبھی آپ کی ایک ضربت تمام امت کے اعمال سے افضل قرار دی۔ کبھی آپ کو اپنا دوست بنایا کبھی آپ کو بڑھ بڑھ کر حملہ کرنے والا اور غیر فرار قرار دیا۔ کبھی حیدر کرار کہا کبھی ذوالفقار کہا کبھی شیر خدا کہا کبھی سیف اللہ کا لقب ملا، کبھی جرار بنایا۔

یہی وجہ ہے کہ مسلم اور غیر مسلم تمام مورخین نے آپ کی شجاعت اور بہادری کا اعتراف کرتے ہوئے اپنی اپنی کتابوں میں آپ کے کارنامے سنہری حروف سے لکھے ہیں۔ مصعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ لڑائیوں میں بہت ہوشیار تھے۔ اس کی گھاتیں خوب جانتے تھے۔ ناممکن تھا کہ کوئی آپ پر چوٹ لگا سکے۔ آپ کی زرہ صرف آگے کے لیے تھی۔ پشت کے لیے نہ تھی۔ لوگوں نے پوچھا کہ آپ اس بات سے نہیں ڈرتے کہ آپ کا کوئی دشمن پیچھے سے آئے۔ آپ نے فرمایا میں اپنے دشمن کو پیچھے سے آنے دوں، خدا مجھے اس دن کے لیے زندہ نہ رکھے۔" امام احمد بن حنبل نے الفضائل میں شہداد بن ہار سے روایت کی ہے کہ رسول خدا ﷺ کی خدمت میں یمن کا وفد آیا۔ آپ نے فرمایا نماز قائم کرو ورنہ تمہارے پاس ایک ایسے آدمی کو بھیجوں گا جو تم سے لڑائی لڑے گا اور تمہاری اولاد کو قید کرے گا، وہ میرے نفس کے مانند ہو گا پھر آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کیا۔

کفار پر آپ کی شجاعت اور بہادری کا اس قدر خوف اور رعب طاری تھا کہ آپ کا نام سنتے ہی خوف سے کانپنے لگتے اور میدان جنگ سے راہ فرار اختیار کرتے۔ مناقب آل ابی طالب میں تحریر ہے کہ جب علی رضی اللہ عنہ مشرکین پر حملہ کرتے تو وہ پہاڑوں کی طرف دوڑ جاتے اور جب قریش آپ کو جنگ میں دیکھتے تو کانپنے لگ جاتے۔ ایک جنگ کے موقعہ پر ایک شخص

نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو لشکر سے بھاگ نکلا اور کہا کہ موت کا فرشتہ اس طرف ہوتا ہے جدھر علی ہوتے ہیں۔ حدیث خیبر میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا نام بار بار حملہ کرنے والوں اور نہ بھاگنے والوں میں رکھا۔ رسالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم آپ کا نام لے کر کفار کو ڈرایا کرتے تھے۔ عمرو بن عاص معاویہ کے پاس آیا اور کہا کہ تمہیں بشارت ہو کہ شیر مارا گیا۔ جس کے ہاتھ عراق تک پھیلے ہوئے تھے۔

جنابہ سیدہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔

"جب کبھی شیطان نے سر اٹھایا یا مشرکوں کی شرارت کے اژدہے نے منہ کھولا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بھائی علی رضی اللہ عنہ ہی کو بلاتے اور ان بلاؤں کے منہ میں بھیجتے۔ اس بہادر علی رضی اللہ عنہ کی شان یہ ہے کہ وہ اس وقت تک نہ پلٹتے جب تک اپنے پیروں تلے ان بلاؤں کے سر نہ کچل دے اور فتنہ کی آگ نہ بجھا دے۔" مشہور عالم اپنی تصنیف حماۃ الاسلام میں تحریر کرتے ہیں کہ "شاہان روم اپنے محلوں میں اور عبادت گاہوں میں آپ کی تصویر بناتے تھے اور لشکر کے سردار آپ کے نام مبارک کو تلوار پر کندہ کراتے اس کو اپنے لیے خیر اور فتح و نصرت کا سبب سمجھتے تھے۔" غیر مسلم مورخین نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شجاعت کو تسلیم کیا ہے۔ یورپ کے مشہور عالم مسٹر کارلائل جناب امیر کی بہادری کے لیے لکھتے ہیں۔ "وہ صاحب اخلاق و محبت سے بھرپور اور ایسا بہادر شخص تھا جن کی آگ کی ایسی تیز و تند جرات کے سامنے کوئی چیز نہیں ٹھہر سکتی تھی۔ اس شخص کی طبیعت میں کچھ عجیب طور کی جوانمردی تھی شیر سا تو بہادر تھا۔"

تاریخ اسلام نے بے شمار شجاع پیدا کیے۔ مسلمانوں میں بڑے بڑے بہادر اور دلیر بھی پیدا ہوئے جن پر مسلمان بجا طور پر فخر کر سکتے ہیں لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شجاعت ان سب کے مقابلے میں بلند و بالا ہے۔ ایک تو سب سے بڑی بات کہ اپنے سے کمزور پر کبھی ہاتھ نہیں اٹھایا اور آپ کی تلوار حق خدا اور اس کے رسول کے نام پر اٹھی جس میں قطعی طور پر ذاتی اغراض شامل نہیں تھیں۔ آپ کی تمام جنگیں صرف اور صرف رضا الٰہی کے مطابق ہیں۔ ایک مرتبہ ایک جنگ میں آپ مشرک کے سینے پر سوار تھے۔ چاہتے تھے کہ اس کا کام تمام کر دیں مگر اس بدبخت نے آپ کے رخ مبارک پر تھوکا تو آپ فوراً اس کے سینے سے اتر آئے۔ بشری تقاضا تو کچھ اور تھا۔ اس موقعہ پر کوئی بھی بڑے سے بڑا بہادر ہوتا تو اس وقت اس مشرک کو ایک دفعہ کی جگہ دو مرتبہ مارتا مگر آپ اس کے سینے سے نیچے اتر آئے اس مشرک

نے دریافت کیا۔ اے علی رضی اللہ عنہ میں تمہاری زد میں تھا اور پھر میں نے تھوکا۔ تمہیں تو طیش میں آکر جلد ہی میرا کام تمام کرنا چاہیے تھا مگر آپ نے قتل نہیں کیا۔ جناب امیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا پہلے میں تجھے صرف خدا کے نام پر ہی قتل کرنا چاہتا تھا مگر تو نے مجھ پر تھوکا ہے اگر میں اس وقت تجھے قتل کر دیتا تو اس قتل میں میرا نفس بھی شامل ہوتا یعنی میرا طیش و غصہ بھی شامل ہوتا۔ اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کی کوئی جنگ ایسی نہیں ہے جس میں ذاتی نفس شامل ہو۔ آپ کی شجاعت صرف اور صرف اسلام کی سربلندی کے لیے تھی اور آپ کبھی بھی کسی سے ذرا بھر بھی خوف زدہ نہیں ہوتے اور نہ کبھی گھبراتے تھے۔ آپ کی شجاعت میں ایک شان تھی۔ حق کی آواز تھی۔ غزوات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ پتہ چلتا ہے اگر ان غزوات میں تیغ حیدری نہ ہوتی تو شاید مسلمانوں کی پہلی ہی جنگ میں ناکامی اور شکست کا سامنا کرنا پڑتا اسلام کا نام لینے والا بھی کوئی نہ ہوتا۔ اس کا مقصد یہ نہیں کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ کا ایثار' جناب بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا کی خدمات اور دیگر اصحابہ کرام کی خدمات اہم نہ تھیں۔ لیکن چونکہ تیغ حیدری نے اسلام کا بول بالا کیا اس لیے اسلام کے دائرے میں ہر طرف شجاعت حیدری نمایاں نظر آتی ہے۔ آپ نے کسی جنگ سے منہ نہیں موڑا عربستان کی کسی ماں نے ایسا بیٹا پیدا ہی نہیں کیا جو علی رضی اللہ عنہ کو زیر کر سکے۔ کوئی جنگ ایسی نظر نہیں آتی جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شکست کا سامنا کرنا پڑا ہو۔ یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ علی کی جنگ مال و دولت' تخت و تاج اور ذاتی خود غرضی سے پاک تھی۔ جس کی تلوار حق کا پرچار' واحدانیت کو پھیلانے اور رسالت کی تبلیغ کے لیے اٹھی جس نے قدم قدم پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دے کر یہ ثابت کر دیا کہ جو کچھ اہل قریش کے سامنے وعدہ کیا تھا وہ ہنسی کے قابل نہیں تھا۔ بلکہ زمانے نے دیکھ لیا کہ علی ہی ہر میدان میں ہر مقام پر ثابت قدم رہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سرکار دو جہاں نے اپنا علم' لشکر اسلام کا علم' دنیا اور آخرت کا علمبردار حضرت علی رضی اللہ عنہ کو منتخب کیا اور آپ نے بھی اس علمبرداری کا حق ادا کر دکھایا۔ ناممکن کو ممکن کر دکھایا۔ جب لشکر اسلام مایوس اور بد دل ہوا اس وقت ذوالفقار حیدری نے مسلمانوں کی شکست کو فتح میں بدل دیا۔ تاریخ اسلام آپ کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ علی رضی اللہ عنہ کی تیغ تنہا نہیں ہے اس کے ساتھ خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید اور مدد ہے اور پھر جب کسی بندے پر آقائے دوجہان کی نظر ہو جائے پھر کون اسے شکست دے سکتا ہے۔ واقعی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی شاگردی کا حق ادا کر دیا۔ اپنے استاد کا اپنے پیر کا نام

اس طرح زندہ کر دکھایا کہ روز قیامت تک اسے مٹانے والے خود مٹتے رہیں گے۔ مگر نام محمد ﷺ کوئی نہ مٹا سکے گا۔ جہاں جہاں نام محمد ﷺ لیا جائے گا وہاں وہاں علی رضی اللہ عنہ کا نام آئے گا۔ کیونکہ علی رضی اللہ عنہ واحد ہستی ہیں جو آپ سے کبھی جدا نہیں ہوتے۔ خداوند کریم نے سرکار دوجہاں کی مدد اور تائید و حمایت جناب علی رضی اللہ عنہ سے کی ہے۔ اگر اب بھی کوئی شجاعت علی رضی اللہ عنہ کو تسلیم نہ کرے اور بغض علی رضی اللہ عنہ میں اندھا ہو کر آپ کے مقابلہ پر کسی کو پیش کرے تو اس نے علی رضی اللہ عنہ سے مقابلہ نہیں کیا بلکہ سرکار دوجہاں سے مقابلہ کیا ہے۔ کیونکہ بار بار ختمی المرتبت کا فرمانا کہ علی رضی اللہ عنہ مجھ سے ہے اور میں علی سے ہوں۔ اس لیے جہاں نام مصطفیٰ ہوگا' وہاں نام حیدر کرار ہوگا۔ اس جہان میں بھی ایک رہے اور دوسرے جہان میں بھی ایک رہیں گے۔ اس لیے لشکر اسلام کا علم آپ کے ہاتھوں میں دیا کہ وہ جانتے تھے کہ اسلام کی قیادت کے لیے سب سے زیادہ موزوں حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں اور ہر مقام پر علی رضی اللہ عنہ نے اس علم کی لاج رکھی۔ ہر مقام پر جناب امیر رضی اللہ عنہ کو اپنا علم بخشا۔ یہ وہ فضیلت ہے جو ہمیں کسی بھی صحابی میں نظر نہیں آتی۔ محدثین و مورخین اسلام استیعاب' ریاض النضرہ' اصابہ' اسد الغابہ' طبقات ابن سعد اپنی اپنی کتابوں میں لکھتے ہیں۔ علماء نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دونوں قبلہ (بیت المقدس اور خانہ کعبہ) کی طرف نماز پڑھی۔ ہجرت فرمائی ہر معرکہ میں شریک رہے۔ بدر' احد' خندق و خیبر میں بڑی بڑی آزمائشیں جھیلیں۔ ان معرکوں پر پیغمبر ﷺ کو دوسروں کی مدد سے بے نیاز کیا۔ بڑی عزت و شرف کے درجے پر فائز ہوئے۔ اکثر معرکوں میں پیغمبر ﷺ کے لشکر کے علمبردار آپ رہے۔"

آپ کے علمبردار ہونے کی روایت استیعاب' ریاض النضرہ اور ازالۃ الخفا میں اس طرح بیان کی ہے۔ علی رضی اللہ عنہ کی چار خصوصیات ایسی ہیں جو کسی کو نصیب نہ ہوئیں۔ آپ اہل عرب و عجم دونوں میں پہلے وہ شخص ہیں جس نے پیغمبر ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی ہر جنگ میں لشکر علم آپ کے ہاتھوں میں رہا۔ پیغمبر ﷺ کو کبھی تنہا چھوڑ کر نہیں بھاگے اور پیغمبر ﷺ کو غسل و کفن دیا اور قبر میں اتارا۔

محدثین و مورخین کے اقوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نہ صرف لشکر اسلام کے علمبردار رہے۔ بلکہ تمام غزوات میں فتح آپ ہی کی وجہ سے ہوئی اور ہمیشہ علم اس فرد کو دیا جاتا ہے جو سب سے زیادہ بہادر اور ثابت قدم ہو ایسا نہیں کہ کسی بھگوڑے یا بزدل کو علمبردار

بنادیا جاتا تو پتہ چلتا کہ روز بدر میں نہ تو رسول ﷺ خدا کا کوئی مددگار ہوتا اور اسلام ہمیشہ کے لیے ختم ہو کر رہ جاتا ہے۔ یہ حقیقت تسلیم شدہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ثابت قدمی اور شجاعت اگر تاریخ کے صفحات سے نکال دی جائیں تو پھر تاریخ اسلام میں سوائے تخت و تاج کی جنگ کے کچھ نہیں بچتا۔ خدائے بزرگ و برتر نے مکمل طور پر جناب امیر کو صفات نبوی ﷺ کا مجسم بنا کر پیش کیا تاکہ بعد از نبی اگر کوئی بھٹک جائے' اسلام کے ارکان میں غفلت سے کام لے تو در علی رضی اللہ عنہ پر آجاؤ تاکہ تمہیں وہی سیدھی راہ پر لے چلیں۔ جس راہ پر سرکار دوجہاں نے اپنی زندگی پیش کی۔ آپ تاریخ کا مطالعہ کریں کسی صفت میں بھی نبی ﷺ اور علی کو جدا نہیں پائیں گے۔ تاریخ اسلام میں شجاعت علی رضی اللہ عنہ کی داستانیں بکھری پڑی ہیں۔ جس کا نام ہی فتح کی علامت ہے جس کا نعرہ لگتے ہی دشمنوں کے دل کانپ اٹھتے ہیں۔ یہ وہ نام جس کا نام لیے بغیر بھکاری کو بھیک نہیں ملتی ولی کو ولایت نہیں ملتی' قطب کو عزت نہیں ملتی' درویش کو درگاہ نہیں ملتی۔ یہ نام ہی ہر مقام پر' ہر منزل پر فتح و کامرانی کی نشانی بن چکا ہے۔ جو حیدر کرار بھی ہے۔ صاحب ذوالفقار بھی ہے۔ باب علم لاہوتی ہے۔ نفس رسول اللہ بھی ہے۔ ابو الحسن بھی ابوتراب بھی ہے' خدمت گار بھی ہے' بندہ وصی رسول ﷺ بھی ہے' اللہ کا ولی ہے' اول الائمہ بھی' پدر شبیر و شبر بھی ہے۔ بتول کی عظمت بھی ہے۔ مومنوں کا امیر بھی ہے متقیوں کا امام ہے جو کہ پنجتن پاک کی شان ہے۔ بارہ اماموں کی جان ہے جو کہ محمد ﷺ پہ قربان ہے۔ دین محمد کی جان ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے۔

اسلام کے دامن میں اور اس کے سوا کیا ہے
اک ضرب ید اللہی اک سجدۂ شبیری

جنگ بدر

آنحضرت ﷺ اور آپ کے ساتھیوں نے کفار مکہ سے تنگ آکر مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ جہاں مسلمان خدا کی عبادت اور تبلیغ کے فرائض آزادانہ طور پر انجام دیتے۔ مگر اہل قریش کی اسلام سے دشمنی اور بغض دلوں سے نہ گیا۔ انہیں اپنی تعداد اور مال و زر پر بڑا گھمنڈ تھا اور دل میں خوف بھی تھا کہ کہیں مسلمان مدینہ پہنچ کر ایک بڑی طاقت بن کر ہم پر حملہ نہ کر دیں۔ مدینہ پہنچنے کے بعد اہل کفار اور مسلمانوں کے درمیان کئی معرکے ہوئے۔ جس کی پہلی کڑی جنگ بدر ہے۔ جہاں حق اور باطل کا عظیم معرکہ ہوا۔ یہاں یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ مسلمانوں کی جنگ نہ مال و دولت کے لیے تھی نہ تخت و تاج کے لیے تھی بلکہ

مسلمانوں کا پہلا مقصد اپنی حفاظت اور امن و سلامتی تھا۔ اہل قریش کو اپنی طاقت پر بڑا ناز تھا۔ ابوجہل جو دشمنان اسلام میں اپنا کوئی ثانی نہیں رکھتا ایک ہزار کا لشکر معہ جنگی ساز و سامان کے ساتھ مدینہ پر حملہ کرنے کے خواب دیکھ رہا تھا۔ ادھر ختمی مرتبت نے اپنے ۳۱۳ جانثار لیے اور بدر کے میدان میں حق اور باطل کی فوجیں آمنے سامنے آئیں۔ لشکر کفار میں بڑے بڑے نامی گرامی بہادر اور ماہر حرب تھے جن کی طاقت اور حرب کا چرچا عام تھا۔ دولت کی فراوانی تھی مکمل سامان تھا۔ دوسری طرف مسلمانوں میں ساز و سامان کی بھی کمی تھی۔ لشکر کفار کی کثرت اور مسلمانوں کی قلت کو دیکھ کر یہ معلوم ہوتا تھا کہ کفار آج مسلمانوں کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیں گے۔ کفار کے پاس ہر وہ شے موجود تھی جس پر وہ نازاں تھے۔ ۲ھ تاریخ اسلام کا اہم باب ہے۔ حق اور باطل کے درمیان پہلا معرکہ ہوا۔ اہل مکہ کے نامی گرامی جوان جن کی شجاعت اور بہادری کا ڈنکا سارے عربستان میں بجتا تھا۔ اپنی طاقت اور غرور کے نشے میں مکہ کے تین ماہر حرب جنہیں اپنی قوت بازو اور شمشیرزنی پر مکمل اعتماد تھا۔ اپنی صفوں سے باہر آئے۔ پہلا جری شیبہ دوسرا عتبہ تیسرا ولید جو اپنے وقت کے نامور بہادر تھے۔ لشکر اسلام کی طرف رخ کر کے للکارا جنہیں دیکھ کر ختمی مرتبت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مکہ نے اپنے کلیجہ کے ٹکڑوں کو سامنے ڈال دیا ہے۔ دستور عرب یہی تھا کہ ابتداء ہی میں طرفین کی یہی کوشش ہوتی کہ اپنے حریف کے نامی گرامی بہادروں کو ختم کر دیا جائے تاکہ حریف کے پیر میدان سے اکھڑ جائیں۔ اس لیے اہل مکہ نے اپنے تین ایسے ماہرین حرب کو روانہ کیا تاکہ پہلے ہی حملہ میں مسلمانوں کے ہوش اڑا دیئے جائیں۔ لشکر اسلام سے ان تینوں کے مقابلہ کے لیے معاذ معوذ اور عوف انصاری نکلے مگر ان تینوں نے جن کی گردنیں غرور سے تنی ہوئی تھیں جو اپنی طاقت پر اس قدر نازاں تھے کہ انہوں نے ان تینوں سے لڑنے سے انکار کر دیا کہ یہ ہمارے حسب نسب کے نہیں اس لیے ہمارے مقابلے کے جوانوں کو بھیجو۔ تینوں واپس آئے اور آنحضرت ﷺ نے ۳۱۳ جانثاروں پر نظر دوڑائی۔ ان غرور اور طاقت کے نشے میں چور جوانوں کے لیے تین بنی ہاشم کا انتخاب کیا۔ عبیدہ بن الحارث بن مطلب، حمزہ بن عبدالمطلب اور علی ابن ابی طالب کو حکم دیا کہ مقابلہ میں جاؤ۔ ادھر ابوجہل کا خاندان، ادھر بنی ہاشم کے لخت جگر ہیں۔ شیبہ کا مقابلہ عبیدہ رضی اللہ عنہ سے عتبہ کا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ سے اور ولید بن عتبہ جو دلیروں کا دلیر اور ماہر حرب تھا۔ اس کا مقابلہ علی ابن ابی طالب سے ہوا۔ مقابلہ کے لیے یہ جوان قریش کو پسند آئے اور عمریں بھی سب کی تقریباً ایک جیسی

تھیں۔ بدر کا میدان تلواروں کی آواز سے گونج اٹھا۔ علی رضی اللہ عنہ نے ولید کو پہلے وار کا موقعہ دیا مگر اس نے موقعہ کھویا۔ علی رضی اللہ عنہ بڑھے وار کیا تن سے ولید کا بازو جدا کیا۔ دوسرا وار کیا' ولید کا کام تمام کیا۔ ادھر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ گئے۔ ادھر علی جھپٹے عتبہ پر وار چلا عتبہ مارا گیا باقی شیبہ بچا۔ اس کا بھی پل میں صفایا کیا۔ تینوں کے مرتے ہی لشکر کفار میں کہرام مچا۔ حوصلے خطا ہوگئے ابو جہل کی سیاست ناکام ہوئی۔ جب انہوں نے دیکھا کہ پل ہی پل میں ہمارے نامی گرامی بہادروں کو انہوں نے لے لیا تو ایسے میں فوج میں بے اطمینانی کی فضا پھیلنے لگی۔ ضربت حیدری نے ایسا کام دکھایا کہ ساری بہادری دھری کی دھری رہ گئی۔ اگر یہ بنی ہاشم پہلے حملہ میں کام آجاتے تو یقیناً اسلام مغلوب ہو کر رہ جاتا۔

علی رضی اللہ عنہ اپنے شکار کے لیے اپنی صفوں سے پھر باہر آئے۔ مگر ہمت کہاں رہی ان کافروں کی۔ قریش کے طبعہ ابن عدی کی غیرت نے جوش مارا۔ باہر آیا۔ مقابلہ تیغ حیدری سے تھا ایک بار پھر بدر کے میدان میں حیدر کی تیغ چمکی۔ بجلی کی مانند اس پر ایسی گری کہ پھر اٹھ نہ سکا۔ اب عبداللہ بن منذر کی قضا میدان میں آئی۔ بڑے جوش میں ابو جہل کی زرہ پہن کر آیا مگر ابھی عربستان کی ماں نے کوئی بچہ ایسا جنا ہی نہ تھا جو علی رضی اللہ عنہ کو زیر کر سکتا۔ اس کا بھی انجام ان جیسا ہی ہوا' جو پہلوں کا ہوا۔ ابو جہل کے مشہور جری بہادر ایک ایک کر کے مارے گئے۔ اس نے لشکر کو پکارا اس طرح تو علی کی تیغ سب کو مار ڈالے گی۔ سب مل کر حملہ کر کے مسلمانوں کو ہلا دو۔ مگر ابو جہل ہوش میں نہ تھا۔ اسے معلوم نہ تھا کہ سردار انبیاء کی رحمت ہے وہ جانتا نہ تھا بدر کا علمبردار علی رضی اللہ عنہ ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہے۔ علی رضی اللہ عنہ کی تیغ اب تک چن چن کر کفار کو جہنم رسید کر رہی تھی۔ یکایک لشکر کفار ٹوٹ پڑا ادھر علی رضی اللہ عنہ کی تیغ چمکی لہراتی ہوئی بل کھاتی ہوئی کفار کے سر پر بجلی بن کر گرنے لگی۔ کبھی ادھر کبھی ادھر۔ کبھی آگے کبھی پیچھے۔ چاروں طرف سے کفار کو بھگانے لگی جو سامنے آیا وہ جان سلامت لے کر نہ گیا۔ بہتوں نے سامنے آکر اپنی جان گنوائی لشکر کفار میں خوف پیدا ہوا۔ یہ تلوار ہے یا آسمانی بلا ہے۔ جہاں پڑتی ہے۔ چیرتی کاٹتی آگے بڑھتی جاتی ہے۔ اب تو کفار اس قدر خوفزدہ ہوئے کہ مقابلہ کی ہمتیں جواب دینے لگیں اور گھروں کا رخ کیا۔ پل ہی پل میں کفار کے خون سے بدر کی زمین لال ہو گئی۔ ایسے میں حنظلہ ابو سفیان آگے بڑھا۔ ایسی ضربت سر پر لگی کہ آنکھیں باہر آگئیں۔ اب تو جو باقی بچے تھے ان کی ہمتیں بھی جواب دے گئیں۔ اور بھاگتے بھاگتے یہ کہہ گئے کہ ہم پھر آئندہ سال آئیں گے۔ اس جنگ کی خوبی یہ تھی کہ اس

میں تیغ علی رضی اللہ عنہ نے ان کا حساب اچھی طرح لیا جو مکہ میں آنحضرت کو تکلیف دیا کرتے تھے۔ کفار اپنی لاشیں چھوڑ کر بھاگ گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشخبری سنائی گئی کہ فتح نے قدم چومے۔ اللہ کے رسول کس قدر مسرور ہیں اس کا کوئی اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ اس جنگ میں ۷۰ کے قریب مشرکین مارے گئے۔ جن میں سے ۳۲ کے قریب صرف علی رضی اللہ عنہ نے قتل کئے۔ بعض مورخین نے ان کے نام بھی اپنی کتابوں میں تحریر کئے ہیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں مارے گئے۔ جنگ بدر کا میدان گواہی دے رہا ہے کہ فتح علی رضی اللہ عنہ کی شجاعت کی وجہ سے ہوئی جنہوں نے نصف سے زیادہ کفار کو ٹھکانے لگایا۔

لافتی الا علی لاسیف الا ذوالفقار

جنگ احد

بدر کی شکست نے اور اہل قریش کے نامی گرامی جوانوں اور بہادروں کے مرجانے سے مکہ میں کہرام مچ گیا۔ ایک سال تک مکمل طور پر اس کا انتظام کیا گیا کہ ہم اس مرتبہ اس انداز سے تیاری کریں گے کہ مسلمانوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم کر ڈالیں گے۔ بدر کی جنگ میں اہل مکہ کا ابوجہل جیسا نامی گرامی سردار مارا گیا۔ لشکر کی قیادت ابوسفیان اور اس کی بیوی ہندہ کے ہاتھوں آئی یہ بھی اسلام اور آنحضرت کی دشمنی میں اپنا ثانی نہیں رکھتی تھی۔ انہوں نے قریش کے جوانوں کی ہمت ابھارنے اور انہیں مقابلہ پر آمادہ کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ بڑے بڑے تجارتی قافلے اس غرض سے روانہ کئے۔ کافی مال و دولت اس جنگ کے لیے اکٹھا کیا۔ حرب و ضرب کا مکمل سامان مہیا کیا گیا۔ بدر کی شکست نے جو مکہ میں صف ماتم بچھائی تھی۔ اس کا مداوا اب صرف ان کا انتقام ہی ٹھنڈا کر سکتا تھا۔ اس جنگ میں ہندہ کی کارروائیاں بھی خاص ہیں۔ اس نے اس جنگ میں ان کی ہمتوں کو ابھار۔ ابوسفیان اس جنگ میں نہ صرف اپنی مکمل طاقت کا مظاہرہ کرنا چاہتا تھا بلکہ اپنی سیاست اور ہندہ کی چالاکی سے ہر ممکن طریقہ سے فتح کا خواہش مند تھا۔ باطل آج پھر اپنی طاقت اور کثرت تعداد سامان حرب پر نازاں مدینہ کو تہ و بالا کرنے کے لیے روانہ ہوا۔ ابوسفیان نے تین ہزار کی فوج لی اور ہندہ نے چند خوبصورت عورتوں کو ساتھ لیا تاکہ قریش کے جوان انہیں دیکھ کر میدان جنگ میں ثابت قدم رہیں۔ آقائے دوجہاں اپنے ایک ہزار جانثاروں کے ساتھ مدینہ سے باہر آئے مگر تین سو منافقین نے ساتھ چھوڑ دیا۔ اب سات سو جانثاروں کا مقابلہ تین ہزار سے ہونا ہے۔ آنحضرت نے خطرات کے پیش نظر کوہ احد کو اپنی پشت پر رکھا۔ اپنی مختصر جماعت کو

کئی حصوں میں تقسیم کیا۔ ہر ایک کا الگ الگ سردار مقرر کیا۔ فوج کی سالاری کا علم جناب علی رضی اللہ عنہ مرتضیٰ کو عطا کیا۔ ادھر ابو سفیان نے نہایت تدبر سے اپنی فوج کو تقسیم کیا۔ آنحضرت کا خیال تھا کہ گھاٹی کی پشت سے کفار حملہ نہ کر دیں اس لیے انہوں نے عبداللہ بن جبیر کی ماتحتی میں پچاس تیراندازوں کا دستہ دیا اور سختی سے آپ نے حکم دیا کہ اس گھاٹی کو نہیں چھوڑنا ہے۔ چاہے جنگ کا نقشہ کچھ بھی ہو مگر تمہیں یہاں سے ہلنا نہیں۔ اگر تم دیکھو کہ ہم فتح کے قریب ہیں اور دشمنوں کو مکہ تک بھگا لے جارہے ہیں' اس وقت بھی تم گھاٹی نہ چھوڑنا غرض کہ اس گھاٹی کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سختی سے تاکید فرمائی بلکہ جنگ کی شکست اور فتح اس عہد و پیماں پر ہے۔

دونوں طرف کی فوجیں آمنے سامنے ہوئیں باطل اپنی قوت اور طاقت کے نشے میں اسلام کو مٹانے کے لیے بڑھا۔ حق جام شہادت کو پانے کے لیے نکلا۔ ۳ھ احد کے میدان میں ایک دفعہ پھر ظالم اور مظلوم آمنے سامنے ہوئے۔ ایک طرف احد کے میدان میں اللہ اکبر کی صدا گونجی دوسری طرف طبل پر ہندہ اور اس کے حواریوں کی آواز اٹھی۔ "ہم ستاروں کی بیٹیاں ہیں۔ اگر تم لڑائی میں آگے بڑھو گے تو ہم تمہیں پیار سے گلے لگائیں گی۔ تمہارے لیے مسند بچھائیں گی۔ اور اگر لڑائی سے پیٹھ موڑ لو گے تو ہم تم سے الگ ہو جائیں گی۔"

اس سریلی آواز کو سنتے ہی مکہ کے جوانوں کی غیرت جاگی ابو سفیان نہایت دلیری سے آگے بڑھا اور اپنے پچاس تیراندازوں کو حکم دیا کہ مسلمانوں کے سینے تیروں سے چھلنی کر دو۔ اللہ رے مسلمانوں کی شان جنہوں نے اپنے سینوں سے تیروں کی نوکوں کو پھیر کر رکھ دیا۔ یہ ناموافق رنگ دیکھ کر مشرکین کا علم دار طلحہ ابن طلحہ جوش و خروش سے میدان میں آیا جو اپنی حرب و ضرب کی وجہ سے سردار لشکر کے نام سے یاد کیا جاتا تھا لشکر اسلام کو للکارا۔ ایسے موقعہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی واحد ایسی ہستی تھیں جو اس خوفناک جری کا مقابلہ کر سکیں۔ علی رضی اللہ عنہ میدان میں آئے طلحہ نے پوچھا تم کون ہو آپ نے فرمایا میں علی رضی اللہ عنہ ابن ابی طالب، ہوں۔ طلحہ نے کہا میں پہلے ہی جانتا تھا کہ تمہارے سوا مجھ سے مقابلہ کرنے کی ہمت کسی کو نہیں ہو سکتی تھی۔ لشکر سردار اور حیدر کرار کا مقابلہ شروع ہوا۔ حق و باطل کی تلواریں آپس میں ٹکرائیں باطل قوت پر نازاں' حق ایمان پر نازاں' حیوانیت اور انسانیت کی تلواریں احد میں چمکیں۔ باطل نے وار کیا حق نے بچاؤ کیا۔ باطل ڈرا حق بڑھا۔ تیغ علی رضی اللہ عنہ ہوا میں لہرائی ضربت سر پر ایسی کہ پاؤں تک چیر گئی۔ طلحہ قتل ہوا۔ ایسے جری اور خوفناک

بہادر کے مرجانے سے ایک مرتبہ پھر احد کا میدان اللہ اکبر کے نعروں سے گونج اٹھا آپ اس کا سر کاٹ لینا ہی چاہتے تھے مگر واپس آئے مسلمانوں نے پوچھا یا علی ؓ سر کیوں نہیں کاٹا آپ نے فرمایا اس کو میں نے برہنہ پا دیکھا۔ ایسی بے ہوشی کی حالت میں دشمن کو مارنا دلیری کا کام نہیں میری ضربت سے وہ بچ نہ سکے گا۔ احد کے میدان نے دیکھا کہ طلحہ وہاں سر پٹک پٹک کر مرگیا۔ علی کفار کے دوسرے جری کے منتظر ہیں۔ ایسے میں نظیر ابن طلحہ ہوا میں تلوار لہراتے ہوئے آگے بڑھا۔ مگر کسی کی کیا مجال جو علی ؓ کی پہلی دھار کا وار روک سکے۔ کفار باری باری آتے گئے۔ علی ؓ کو قتل کرنے کی حسرت میں خود قتل ہو گئے۔ علم جو بھی میدان میں لے کر بڑھتا ابھی سنبھلنے بھی نہ پڑتا تھا کہ علمبردار کی ضرورت پڑ جاتی۔

لشکر کفار کے مشہور اور نامور بہادر علی ؓ کے ہاتھوں قتل ہوتے گئے۔ تاریخ اسلام گواہی دے رہی ہے کہ آپ ہی کے ہاتھوں نامی گرامی پہلوان مارے گئے۔ علامہ طبری۔ علامہ ابن اثیر۔ اور ریاض النضرہ میں تحریر ہے کہ کل علمدار قریش آپ کے ہاتھوں سے قتل ہوئے۔ قریش کا علم ایسا ؓ ثابت ہوا کہ جو بھی اس علم کو لیتا وہ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتا۔ ایسے ایسے بہادر مارے گئے جنہوں نے ابو سفیان کو یقین دلایا تھا کہ ہم مقتولین بدر کا بدلہ لیں گے۔ مگر بدلہ لینا تو درکنار وہ اپنی جان بھی واپس نہ لے جاسکے۔ یہ علی ؓ کی ضربت ہے جو لشکر کفار کے نامی گرامی بہادروں کے سروں پر اس طرح برستی کہ آرا مشین کی طرح چیرتی ہوئی چلی گئی۔ جس نے احد کے میدان میں صفوں کی صفوں کو الٹ پلٹ کر رکھ دیا۔ کفار مکہ کے نامی گرامی بہادر مارے جانے کی وجہ سے ان کے پاؤں میدان جنگ سے اکھڑ گئے۔ ان کے حوصلے خطا ہو گئے ہندہ جو اپنے ساتھ عورتیں جوش و ہمت دلانے کے لیے لے کر آئی تھیں۔ وہ بھی گھروں کی طرف بھاگنے پر مجبور ہو گئیں ابو سفیان کی تمام سیاست اور حکمت عملی دھری کی دھری رہ گئی۔ مسلمان فتح کے بالکل قریب پہنچ رہے تھے۔ علی ؓ کی ضربت نے مسلمانوں کی کامیابی کے راستے بالکل ہموار کردیئے تھے۔ ایسے موقعہ پر چند مسلمانوں کی غلطی سے احد کے میدان کا نقشہ پلٹ گیا جو عظیم الشان کامیابی مسلمانوں کو ہونے والی تھی وہ نہ ہو سکی۔ ذرا سی غلط فہمی نے اور حضور کے فرمان پر عمل نہ کرنے سے مسلمانوں نے اپنی فتح کو شکست میں بدل ڈالا۔ خدا کے رسول ﷺ نے جنگ کے ابتداء میں گھاٹی پر جن مسلمانوں کو حفاظت کے لیے رکھا تھا وہ حضور ﷺ کی نافرمانی کر گئے۔ احد کے میدان میں جب حضرت علی ؓ حضرت حمزہ اور ابو دجانہ انصاری قریش کی بھاگتی افواج کے تعاقب

میں مصروف تھے تو یہ دیکھ کر گھاٹی والے مسلمان جن کو رسول ﷺ خدا نے سختی سے تاکید فرمائی تھی کہ گھاٹی کو کسی قیمت پر نہیں چھوڑنا' افسوس ان مسلمانوں نے صرف مال غنیمت کی لوٹ مار کی خاطر قول نبی ﷺ کو بھلا دیا۔ فرمان رسالت ﷺ کو نظرانداز کردیا اور ان مسلمانوں نے گھاٹی چھوڑ دی۔ واقدی کا کہنا ہے کہ جنگ احد میں عظیم الشان فتح ہونے والی تھی۔ لوگوں نے پیغمبر ﷺ کی نافرمانی کرکے جنگ کا نقشہ پلٹ دیا اور فتح شکست میں بدل گئی۔ خالد نے جب دیکھا کہ تیراندازوں نے اپنی جگہ چھوڑ دی ہے تو وہ اپنی پوری طاقت کے ساتھ حملہ آور ہوا۔ بھاگتے ہوئے مشرکین نے جب اپنے لشکر کو لڑتے ہوئے دیکھا تو وہ بھی واپس آئے اور مسلمانوں کو دونوں طرف سے گھیرلیا اور مسلمانوں کی پل ہی پل میں صفیں پلٹ ڈالیں اور ۷۰ سے زائد مسلمان شہید ہوئے' اس سے زائد ہی زخمی ہوئے۔ جو مال غنیمت لوٹا اس سے بھی ہاتھ دھونے پڑے۔ ایسے نازک موقعہ سے ہندہ بدبخت نے فائدہ اٹھایا اور حبشی کو دولت کا لالچ دے کر اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ کسی طرح آنحضرت ﷺ یا حضرت علی رضی اللہ عنہ یا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل کرڈالے۔ اس نے جواب دیا کہ آنحضرت ﷺ تو ہروقت محافظوں میں رہتے ہیں ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ تو میدان کے شیر ہیں انہیں مارنا مشکل ہے۔ البتہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو ضرور قتل کرڈالوں گا۔ کیونکہ وہ جب طیش میں ہوتے ہیں تو پھر کچھ نہیں دیکھتے۔

جنگ کا نقشہ پلٹ چکا تھا۔ کہاں مسلمان کفار کو بھگا رہے تھے اب خود بھاگنے پر مجبور ہوگئے اور بہت سے مسلمان آنحضرت ﷺ کو تنہا چھوڑ کر بھاگ گئے کچھ نے تو گھر جاکر دم لیا کچھ پہاڑ پر چڑھ گئے۔ میدان جنگ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی تلواروں سے چمک رہا تھا۔ جو کبھی بھی کسی سے خائف نہیں ہوتے تھے۔ جناب حمزہ رضی اللہ عنہ صفوں کو چیرتے ہوئے آگے بڑھے ایسے میں غلام حبشی نے فائدہ اٹھایا اور دور سے ایسا وار کیا کہ وہ وار حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کا باعث بنا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ جیسا جری اور بہادر میدان احد میں کام آیا۔ اب تیغ علی رضی اللہ عنہ کے سواء احد کے میدان میں کچھ نہیں کبھی یہ تیغ صفوں کو چیرتی ہوئی نظر آتی ہے کبھی آنحضرت ﷺ کی حفاظت کرتی ہے بھاگتے ہوئے چند مسلمانوں کی غیرت جاگی اور وہ واپس آئے۔ پھر آنحضرت ﷺ کے گرد دشمنوں کے وار روکنے لگے۔ کفار قریش کی پوری طاقت آنحضرت ﷺ کو قتل کرنے کے لیے تلی ہوئی تھی۔ مگر خدا نے جناب امیر کو آپ کی مدد اور تائید کے لیے مقرر کیا ہے ظاہر ہے کہ اس وقت تک بھی

بھی دشمن آنحضرت ﷺ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ دشمن بار بار آگے بڑھتے آپ ﷺ علی رضی اللہ عنہ کو فرماتے اے علی رضی اللہ عنہ آگے بڑھو اور ان پر حملہ کرو۔ علی رضی اللہ عنہ کبھی صفوں پر برستے کبھی رسول ﷺ کی حفاظت کے لیے بڑھتے دشمنوں نے آنحضرت ﷺ پر وار کیا ان کا وار آپ ﷺ کے رخ مبارک کو زخمی کر گیا۔ آپ ﷺ بے ہوش ہو گئے۔ میدان جنگ سے ایک طرف آپ کو لٹا دیا گیا۔ اس موقعہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رسالت ماب ﷺ کو میدان میں نہ پایا تو تمام مورخین متفقہ طور پر اپنی اپنی کتابوں میں تحریر کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بروز احد جب لوگ آنحضرت ﷺ کو چھوڑ کر بھاگ گئے تو میں نے آنحضرت ﷺ کو نہ پایا پھر میں نے متقولین میں آپ ﷺ کو تلاش کیا مگر آپ ﷺ نہ ملے مجھے یقین تھا کہ پیغمبر ﷺ اسلام جنگ سے منہ موڑنے والے نہیں ہیں۔ میری سمجھ میں نہ آتا تھا کہاں گئے کہیں خداوند عالم مسلمانوں پر غضبناک ہوئے اور پیغمبر ﷺ اسلام کو آسمان پر اٹھالیا ہے لہٰذا اب آپ ﷺ ہمارے درمیان سے اٹھ گئے ہیں تو اب جینے سے کیا فائدہ اور اب ایسی جنگ کرو کہ قتل ہو جاؤ۔ میں نے اپنی تلوار کی نیام توڑ ڈالی اور پھر دشمنوں پر ٹوٹ پڑا۔ احد کا میدان علی رضی اللہ عنہ کی تیغ کی کرامات دیکھ رہا تھا۔ آپ صفوں کو چیرتے ہوئے دوسرے کنارے پر پہنچ گئے۔ آپ نے رسول ﷺ خدا کو وہاں پایا۔ پھر آپ نے بڑھ بڑھ کر حملے کیے۔ مورخین اسلام لکھ رہے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے کفار قریش کی جماعت کو بڑھتے ہوئے دیکھا تو آپ ﷺ نے فرمایا علی رضی اللہ عنہ ان پر حملہ کرو۔ علی رضی اللہ عنہ نے حملہ کیا اور انہیں مار بھگایا۔ آپ ﷺ نے دوسری جماعت کو بڑھتے ہوئے دیکھا تو وہی فرمایا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان پر بھی حملہ کر کے ان سب کو منتشر کر دیا۔ اس پر حضرت جبرئیل نے فرمایا اے اللہ کے رسول ﷺ بے شک یہی مواخات ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کیوں نہ ہو علی رضی اللہ عنہ مجھ سے ہے اور میں علی رضی اللہ عنہ سے ہوں اور جبرئیل نے فرمایا میں آپ دونوں سے ہوں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ گھمسان کی جنگ میں مصروف ہیں تیغ حیدری نے صفوں کو پلٹ کر رکھ دیا میدان احد سے ہاتف کی صدا بلند ہوئی "کوئی تلوار نہیں ذوالفقار جیسی کوئی جوان نہیں علی جیسا" (تاریخ طبری تاریخ کامل اور دیگر کتب)

جب مسلمانوں نے احد کے میدان میں گھر کی راہ اختیار کی تو آپ اس قدر غضبناک ہوئے کہ آپ کی پیشانی مبارک سے پسینہ ٹپکنے لگا۔ اس جنگ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ پر ۱۶ زخم ایسے لگے کہ میں گرنے کے قریب ہوتا مگر ہر مرتبہ ایک خوشبودار جھونکا

مجھے سہارا دیتا جب اس واقعہ کا ذکر میں نے آنحضرت ﷺ سے کیا تو آپ نے فرمایا اے علی رضی اللہ عنہ خدا تیری آنکھوں کو ٹھنڈک دے وہ جبرئیل تھے (مدارج النبوۃ جلد نمبر ۱) مورخ علامہ دیار کبری تاریخ خمیس جلد اول اور دیگر کتب میں لکھا ہے کہ "حضرت علی رضی اللہ عنہ کا جنگ میں ہاتھ زخمی تھا آپ کفار پر حملہ کرتے اور انہیں شکست دیتے اس وقت جبرئیل رضی اللہ عنہ نے رسول خدا ﷺ سے دریافت کیا یہ کس نے ابھی کفار کے ساتھ جنگ کی ہے جس کی وجہ سے خدا ملائکہ پر فخر و مباہات کر رہا ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا وہ علی رضی اللہ عنہ تھے۔"

جنگ احد میں مسلمانوں کو جو عظیم الشان فتح ہونے والی تھی صرف اس وجہ سے نہ ہو سکی کہ مسلمان نے فرمان رسالت ﷺ کو اہمیت نہ دی جس کی وجہ سے مسلمانوں کو سخت نقصان اٹھانا پڑا بہت سے جانثار شہید ہو گئے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ جیسا علم دار جری بہادر شہید ہوا۔ آپ کی لاش کی بے حرمتی کی گئی۔ مادر معاویہ ہندہ نے آپ کا کلیجہ نکال کر چبانا چاہا مگر وہ پتھر کا بن گیا آپ کے جسم کے اعضا کاٹ کر ان کا ہار بنا کر ہندہ نے پہنا۔ اس جنگ میں آپ ﷺ کی پیشانی مبارک زخمی ہوئی آپ کے دندان مبارک شہید ہوئے دشمنوں نے یہ افواہ گرم کر دی کہ آنحضرت ﷺ شہید ہو گئے تو جناب سیدہ رضی اللہ عنہا جو اپنے بابا سے بہت زیادہ محبت کرتی تھیں میدان جنگ میں تشریف لے آئیں آنحضرت ﷺ نے جب چچا حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش دیکھی تو آپ جیسا شاکر اور صابر بھی دھاڑیں مار کر رونے پر مجبور ہو گیا ظالموں نے جیسی بے حرمتی کی اس کی مثال میدان کربلا کے علاوہ کہیں نہیں ملتی۔

جنگ احد کا میدان آج بھی شجاعت علی رضی اللہ عنہ کی گواہی دے رہا ہے یہ صرف جنگ نہ تھی بلکہ ثابت قدمی اور ایثار کا امتحان تھا احد کا میدان استقلال اور پامردی کے لیے جائے میدان تھا۔ خداوند کریم نے دیکھ لیا کہ اس امتحان میں کون ثابت قدم رہا کس نے راہ فرار اختیار کی احد کا میدان آج بھی گواہی دے رہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں ہی بڑے بڑے جری سردار لشکر اور علمبردار مارے گئے۔ اس جنگ میں آنحضرت ﷺ نے لشکر علم آپ کو عنایت کیا آپ کی جنگ دیکھ کر ملائکہ بھی حیرت زدہ تھے۔ انہوں نے بھی ایسی جانثاری بہادری نہیں دیکھی اس جنگ میں اسلام اگر کسی کی حمایت اور نصرت کا ممنون ہو سکتا ہے تو علی رضی اللہ عنہ مرتضیٰ کی جانثاری کا ہو سکتا ہے جنہوں نے استقلال اور ثابت قدمی سے یہ ثابت کر دکھایا کہ اس کی جان صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لیے ہے۔ عالم کی تاریخیں پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ آج ہی کے دن خداوند کریم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنی بارگاہ سے

اتنی بڑی سند عطا کی جو کسی اور کو نہ مل سکی۔

"لافتیٰ الا علی لاسیف الا ذوالفقار"

آج ہی کے دن ناد علی رضی اللہ عنہ کی بشارت پائی جو چودہ سو سال گزرنے کے باوجود ہر مصیبت اور پریشانی کے وقت بے ساختہ زبان پر آجاتی ہے۔ آپ کی پامردی پائے استقلال اور وفاداری کو دیکھتے ہوئے خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس جنگ کے خاتمے پر اپنے جانثار اپنے مددگار اپنے بھائی کا ہاتھ تھام کر بھری محفل میں فرمایا۔

"اے ابوالحسن رضی اللہ عنہ اگر تمام خلقت کے ایمان میزان کے ایک پلہ میں رکھ دیئے جائیں اور تمہارے روز احد کے اعمال دوسرے پلے میں تو تمہارے اعمال کا پلہ بھاری ہوگا۔" (سراج المبین ۸۹ بحوالہ ینابیع المودۃ فی القربیٰ مطبوعہ قسطنطنیہ)

جنگ خندق

بروز خندق علی رضی اللہ عنہ کی ایک ضربت ثقلین کی عبادت سے افضل ہے

(حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

حضرت علی رضی اللہ عنہ شیر خدا جو حیدر کرار ہے' رسالت کا نگہبان ہے۔ دین کا علم دار ہے اسلام کا پاسبان ہے سیدہ رضی اللہ عنہا کا تاجدار ہے حسنین رضی اللہ عنہما کا دلدار ہے۔ امامت کا ورثہ دار ہے پہلے نمبر کا حقدار ہے' ہجرت کا سودے دار ہے' بدر کا جی دار ہے' احد کا ذوالفقار ہے' خندق کا عبادت گزار ہے' خیبر کا علم دار ہے' حسنین رضی اللہ عنہما کا وفادار ہے' جمل کا شراکت دار ہے' صفین کا سردار ہے' قرآن کا کردار ہے' عرش تا زمین کا رازدار ہے' مشرق تا مغرب کا علمدار ہے۔ شہر علم کا دروازہ ہے' سورج کا پلٹ دار ہے عمرو کے لیے تیز دھار ہے' عنتر و مرحب پہ بجلی بن کر نمودار ہے۔ امام برحق ہے' مومنوں کا امیر ہے متقیوں کا امام ہے۔ اسد اللہ ہے' سیف اللہ ہے شاہ مرداں شیر یزداں ہے ہاتھوں میں خدا کی تلوار ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ شیر خدا' جنگ بدر و احد میں اپنی شجاعت' بہادری ثابت قدمی' استقلال کا مظاہرہ کرچکے بارگاہ الٰہی سے ایسی مستند سندیں حاصل کرلیں جن پر تمام ملت اسلامیہ متفق ہے کہ یہ فخر سوائے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اور کسی کو نہ مل سکیں' ذوالفقار حیدری نے احد اور بدر کے گھمسان کے معرکوں میں یہ ثابت کر دکھایا کہ ابھی کفار کی کسی ماں نے ایسے بچے کو جنم ہی نہیں دیا جو علی رضی اللہ عنہ کو زیر کرسکے بارگاہ الٰہی سے خدا کا شیر ایسی مضبوط

سندیں حاصل کرچکا ہے جو روز قیامت تک کوئی نہ حاصل کرسکے گا۔ وقت گزرتا گیا باطل آہستہ آہستہ پھر اپنی قوت اور طاقت کو بڑھانے میں مصروف رہا اس مرتبہ باطل کا مکمل ارادہ یہی تھا کہ وہ حق کو ہمیشہ کے لیے فنا کرکے اپنے آباؤاجداد کا نظام پھر عرب پر مسلط کرے گا مگر یہ اس وقت ہی ممکن ہو گا جب علی رضی اللہ عنہ نہ ہوں گے۔ ذوالفقار حیدری نے کفار کے نامی گرامی پہلوانوں کو زیر کرکے کفار مکہ کو خوفزدہ کردیا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو زیر کرنے کی ہر حکمت عملی کو آزما چکے ہر بار شکست اٹھانی پڑی یہ کس طرح ممکن ہوسکتا ہے جو خدا کا شیر ہو جس کو خدا نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد اور تائید کے لیے بھیجا ہو اس کو کوئی زیر کرسکے۔ آج پھر اس ۱۲ سالہ بچہ کا وعدہ یاد آتا ہے جو قدم قدم پر اپنی ثابت قدمی سے اپنے وعدوں کی لاج رکھے ہوئے ہے لشکر کفار نے مسلسل اپنی طاقت میں اضافہ کیا۔ اس بار ان کا ارادہ ایک فیصلہ کن جنگ کا ہے ۵ھ کا کارواں رواں ہے لشکر کفار اپنی پوری آب و تاب اور طاقت کے ساتھ ایک کثیر لشکر فیصلہ کن جنگ کے لیے مکہ سے روانہ ہوا۔ اتنے بڑے لشکر اور سازوسامان کو دیکھ کر یہی اندازہ ہوتا تھا کہ اس مرتبہ ان کے ارادے مسلمانوں کو تہس نہس کرنے اور مدینہ کی اینٹ سے اینٹ بجانے کے ہیں۔ لشکر کفار، طبل کی گونج پر آگے بڑھ رہا تھا۔ بڑے بڑے مسلمان خوفزدہ ہوئے لشکر کفار کی تعداد دس ہزار سے بھی زائد اور مسلمان صرف ہزار جانثاروں کے ساتھ میدان میں آیا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اسلام نے مسلمانوں کا خوف وہراس مٹانے کے لیے بشارت دی کہ اس جنگ میں مسلمان فتح پائیں گے یہ ایسی بشارت تھی جس کی حقیقت کے سامنے اگر کوئی مسلمان سر خم نہ کرے تو پھر وہ مسلمان، مسلمان نہیں رہتا۔ لشکر کفار کی تعداد کو دیکھتے ہوئے یہی حکمت عملی سلمان فارسی کی رائے سے منظور ہوئی کہ جنگ کھلے میدان کے بجائے چاروں طرف خندقیں کھودی جائیں تاکہ دشمن سے مقابلہ کیا جاسکے فوراً تمام آلات مہیا کیے گئے خدا کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھوں سے دیگر جانثاروں کے ساتھ خندق کی کھدائی میں مصروف ہیں کفار نے مدینہ کا محاصرہ کرلیا اس دفعہ ان کی نیت مدینہ کو تباہ و برباد کرنے کی تھی مگر حکم خدا کی بشارت کا اعلان ہوچکا ہے کہ مسلمان ضرور فتح مند ہوں گے۔ لشکر کفار کے لیے خندق عبور کرکے آنا مشکل تھا اس لیے کفار لشکر کا سرتاج جس کی طاقت اور قوت اور حرب کا لوہا سارا عربستان مانتا تھا جس کی شجاعت اور بہادری کے چرچے عام ہیں ہر طرف اس کی بہادری کا ڈنکا بجتا تھا جس کا نام ہی دہشت اور وحشت کی علامت تھا وہ عمرو بن عبدِ وَد جس کا نام سنتے ہی بڑے بڑے بہادر اس سے مقابلہ تو درکنار اس کے سامنے

جاتے ہوئے بھی گھبراتے تھے وہ نہایت دلیری اور بہادری سے اپنے چھ سات ہمراہیوں کے ساتھ خندق کو عبور کر کے لشکر اسلام کے سامنے آگیا۔ بدر کی جنگ میں زخمی ہوا تھا اس لیے احد کی جنگ میں شریک نہ ہو سکا اس مرتبہ وہ اپنا امتیازی نشان لگا کر آیا تا کہ سب لوگ پہچان سکیں اپنی قوت بازو اور اپنے حرب میں اس قدر کمال رکھتا تھا کہ نہایت تکبر و غرور سے مسلمانوں کے لشکر کو للکار کر مقابلہ کے لیے دعوت دینے لگا عمرو بن عبد ود کی آواز سے تمام لشکر میں سناٹا اور تاریکی چھاگئی لشکر اسلام میں کوئی جوان بہادر ایسا نہیں تھا جو اسلام کے نام پر اس کافر کے مقابلے میں آئے۔ تاریخ اسلام چیخ چیخ کر اس بات کی گواہی دے رہی ہیں کہ اس موقعہ پر اس سکوت کے عالم میں ایک آواز آئی اور وہ شیر خدا کی تھی آپ نے آنحضرت ﷺ سے اجازت چاہی مگر آپ ﷺ نے فرمایا بیٹھ جاؤ شاید خدا کا رسول ﷺ اس بات کے لیے منتظر تھا کہ سارے لشکر میں جن کو فتح کی بشارت دے چکا ہوں کہ ان میں کوئی بھی ایسا بہادر نہیں جو اس للکار کا جواب دے سکے اسلام کے متوالوں کی تعداد ایک ہزار ہے اور تاریخ اسلام گواہی دے رہی ہے کہ اس موقعہ پر جانثاری کے لیے ایک ہی آواز بلند ہوئی عمرو نے دوبارہ لشکر اسلام کو للکارا۔ اس مرتبہ بھی تمام اسلامی لشکر پر سکوت کا عالم رہا پھر وہی جوان اٹھا وہی بہادر آگے بڑھا اس مرتبہ بھی ختمی مرتبت نے آپ کو بیٹھنے کے لیے کہا کسی نے اس موقعہ کی تصویر ان الفاظ میں بیان کی ہے۔ "گویا ان کے سروں پر چڑیا بیٹھی تھی وہ سر نہ اٹھا سکے۔" لشکر اسلام سے عمرو بن عبد ود کے مقابلہ پر نہ آنے کی وجہ پوچھی گئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ شخص دلیری اور شجاعت میں اپنا ثانی نہیں رکھتا کیونکہ ایک مرتبہ میں اس کے ساتھ تھا کہ تقریباً ایک ہزار ڈاکوؤں نے ہمارا راستہ روک لیا اور اہل قافلہ اپنی جان و مال سے ہاتھ دھو بیٹھے مگر عمرو ذرا بھی ان سے نہ ڈرا اور سپر کے بدلے عمرو نے ایک ہاتھ میں اونٹ کا بچہ لیا اور اس زور سے حملہ کیا کہ وہ سب ڈاکو پریشان ہو کر بھاگ گئے اور قافلہ بھی آرام سے گزر گیا (مدارج النبوۃ) ظاہر ہے جو اس قدر دلیر اور بہادر ہو اس سے مقابلہ کرنا اپنی موت کو دعوت دینا ہے عمرو کا شمار ایک ہزار بہادروں کے برابر ہوتا تھا تیسری مرتبہ پھر عمرو نے للکارا۔ اس مرتبہ بھی سارے لشکر میں مکمل خاموشی تھی کسی طرف سے کوئی جانثار ایسا نہ تھا جو عمرو کا غرور خاک میں ملاتا۔ ایک مرتبہ پھر اسی جوان نے اجازت طلب کی اس مرتبہ آنحضرت ﷺ نے جب یہ دیکھ لیا کے تمام لشکر میں اگر کوئی عمرو کا مقابل ہے تو صرف اور صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ محدثین اور مورخین کہنے پر مجبور ہیں کہ عمرو کی للکار کا جواب

علی کی ہمت کے سوائے کوئی نہ دے سکا مولانا شبلی سیرۃ النبی جلد ا میں تحریر کرتے ہیں "لشکر کفار میں سب سے زیادہ مشہور عمرو بن عبد وُد تھا وہ ایک ہزار کے برابر مانا جاتا تھا۔ سب سے پہلے وہی آگے بڑھا اور عرب کے دستور کے مطابق مقابلہ کے لیے للکارا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اٹھ کر کہا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روکا تیسری دفعہ جب عمرو نے للکارا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ پھر اٹھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ عمرو ہے جناب امیر نے فرمایا میں جانتا ہوں غرض آپ نے اجازت دی خود دست مبارک سے تلوار عنایت کی سر پر عمامہ باندھا۔" تاریخ اسلام کی یہ جنگ کس قدر اہمیت کی مالک ہے کہ اس جنگ میں کفار کا جوان پکار پکار کر کہہ رہا ہے اور ہر مرتبہ سوائے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کسی کو جرات نہیں ہوئی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ثابت قدمی اور استقلال کو دیکھتے ہوئے مورخ لکھنے پر مجبور ہے اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شجاعت تاریخ اسلام میں سے نکال دی جائے تو پھر اسلام احد اور بدر کے میدان میں ہی فنا ہو جاتا اگر آج علی رضی اللہ عنہ نہ ہوتے تو سوچئے مسلمانوں کی تاریخ کی کیا حیثیت ہوتی۔ کوئی مسلمانوں کو بہادر قوم کبھی نہیں کہہ سکتا۔ بلکہ ساری دنیا عمرو کی بہادری کے گن گاتی ہوئی نظر آتی تاریخ اسلام میں دو ہی ستون نظر آتے ہیں جن کی وجہ سے نہ صرف اسلام کی روشنی ساری دنیا میں پھیلی بلکہ اسلام ہمیشہ ہمیشہ کے لیے فتح مند ہوا اگر اب بھی کوئی دعویٰ کرے کہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر بہادر ہوں تو یقیناً وہ فرد کذاب ہوگا اور بعض مسلمان بغض علی رضی اللہ عنہ میں اس قدر اندھے ہو چکے ہیں کہ آپ کی شان و عظمت بیان کرتے ہوئے زبان پر تالے پڑ جاتے ہیں لیکن وہ جانتے نہیں جس کی شان خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان کی ہو۔ وہ کبھی نہیں مٹ سکتی بلکہ اس کے مٹانے والے خود بغض کی آگ میں جل جل کر مٹتے رہیں گے ارے مسلمانوں کے ارکان دین ادا کر لینے کے بعد اگر کوئی بغض علی رضی اللہ عنہ دل میں رکھے تو اس کا ٹھکانہ جہنم سے کم نہ ہوگا۔ یہ خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے علی رضی اللہ عنہ کی شان آپ کی ثابت قدمی جانثاری کا کوئی ثانی نہیں خندق کے میدان میں ثابت کر دکھایا کہ اسلام پر قربان ہونے والا دین محمدی کی لاج رکھنے والا صرف علی ابن ابی طالب ہے جو امن اور جنگ ہر حالت میں قدم قدم پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے ہاتھوں سے شمشیر عطا کی، سر پر عمامہ باندھا پیشانی کو بوسہ دیا۔ خدا کے سامنے ہاتھ پھیلا دیئے اے خداوند کریم عبیدہ بن حارث کو تو نے مجھ سے بدر کے دن لے لیا، چچا حمزہ رضی اللہ عنہ کو تو نے احد کے دن مجھ سے لے لیا۔ یہ میرا بھائی میرے چچا کا لڑکا بچ رہا

ہے خداوند اس کی تو حفاظت کرنا' میں اس کو تیری پناہ میں دیتا ہوں تو مجھے اکیلا نہ چھوڑنا تو سب وارثوں سے بہتر ہے۔ علی رضی اللہ عنہ کو عمرو کے مقابلہ کے لیے روانہ کیا۔ محدثین و مورخین اپنی اپنی کتابوں میں لکھ رہے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے میدان جنگ میں جانے پر ارشاد فرمایا کہ "پورا ایمان پورے کفر کے مقابلے کو نکلا ہے۔" یہ جناب علی رضی اللہ عنہ اور عمرو کی جنگ نہیں رہی بلکہ ایک طرف مکمل اور کامل ایمان ہے اور دوسری طرف مکمل کفر ہے۔ صاحب عقل کے لیے سوچنے کا مقام ہے اس حدیث کا ایک ایک لفظ غور طلب ہے کہ جب لشکر اسلام سے کوئی فرد عمرو کے مقابلے کے لیے نہ نکلا اور صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ آئے تو آپ کو مکمل ایمان قرار دے دیا کیونکہ سب مسلمانوں میں اگر کسی کا ایمان اور یقین اعلیٰ واکمل تھا تو صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کا تھا اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے اس جنگ کے لیے پہلے ہی بشارت دی تھی کہ فتح مسلمانوں کی ہے مگر مسلمانوں نے اس قول پر یقین نہ کیا اگر یقین کامل ہوتا تو ہر فرد عمرو کے مقابلہ کے لیے تیار ہوتا۔ مگر یہاں صرف علی رضی اللہ عنہ نے مقابلہ کرکے یہ بتا دیا کہ اعلیٰ واکمل ایمان صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہے۔ یہ جنگ ایمان اور کفر کی ہے اگر اس جنگ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ شہید ہو جائیں تو علی رضی اللہ عنہ کا جسم شہید نہیں ہوتا بلکہ ایمان قتل ہوتا کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آج ہی کے دن آپ کو مکمل ایمان کہا ہے۔

شیر خدا' خدا کی تائید کے ساتھ میدان جنگ میں آئے جناب امیر رضی اللہ عنہ نے عمرو سے کہا کہ سنا ہے تم تین باتوں میں سے ایک بات ضرور مان جاتے ہو۔ پہلی بات یہ ہے کہ میں درخواست کرتا ہوں تو ایمان لے آ' لڑائی سے واپس چلا جا یا مجھ سے مقابلہ کر عمرو نے کہا میں پہلی دونوں باتیں نہیں مانتا البتہ مقابلے والی بات منظور کرتا ہوں خندق کا میدان ہے ایک طرف علی رضی اللہ عنہ ابن ابی طالب ہے دوسری طرف عمرو بن عبدِ وُد ہے۔ میدان میں دو تلواریں چمکیں ادھر حق تھا اور مکمل ایمان تھا۔ ادھر کل کفر تھا۔ علی ایمان پر نازاں تھا وہ سازو سامان پر نازاں تھا ادھر رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے ادھر شیطان تھا ادھر خدا تعالیٰ ادھر بت تھے' ادھر انسانیت تھی ادھر حیوانیت تھی' وہ بڑا جی دار تھا مگر ادھر حیدر کرار تھا خندق کی زمین لرزائی۔ عمرو نے ہمت دکھائی' تلوار اٹھائی۔ علی رضی اللہ عنہ نے ڈھال دکھائی وہ جوش میں تھا یہ ہوش میں تھا عمرو نے تیغ چلائی۔ خفیف سی ضربت پیشانی حیدر کے آئی ضربت یادگار بنی ذوالقرنین بنے (کیونکہ ابن ملجم کی ضربت سے شہادت پائی۔) قوت حیدری جوش میں آئی کرار کو جلال آگیا ضربت حیدری سر کو چیرتی نظر آئی ابھی اٹھنے بھی نہ پایا تھا کہ دوسری ضربت

نے کام تمام کیا عمرو نے پکارا حیدر نے مارا شور ہوا حق فتح ہوا باطل فنا ہوا۔ ادھر نبی ﷺ نے پکارا علی ؑ کی ایک ضربت سارے جہاں کے اعمال سے افضل ہے ابھی عمرو کے باقی ہمراہی تھے کہ یہ دیکھ کر ادھر ادھر بھاگنے لگے مگر علی ؑ کی تیغ سے بچ کر نکلنا مشکل تھا۔ چن چن کر آپ نے مارا عمرو کے قتل کے بعد آپ نے اس کا سرتن سے جدا کیا پیغمبر اسلام ﷺ کی خدمت میں پیش کیا' پیغمبر ﷺ اسلام کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا فرط مسرت سے باغ باغ ہوئے حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ نے آگے بڑھ کر آپ کی پیشانی کو بوسہ دیا۔

(مدارج النبوۃ' روضۃ الصفا)

عمرو کی گردن الگ کی ادھر نبی ﷺ نے اعلان کیا محدثین و مورخین نے گواہی دی واقعی یہ حدیث حقیقت کی کسوٹی کے اصول پورے کرتے ہوئے زمانے میں روشن ہوئی سرکار دوجہاں نے فرمایا۔

"علیؓ کی بروز خندق عمرو بن عبد وَد سے جنگ میری امت کے ان تمام اعمال سے افضل ہے جو وہ قیامت تک کریں گے۔"

خدا کی شان ہے حضرت علیؓ کی ایک ضربت تمام جہان کی عبادت سے بہتر واقعی ہونی چاہیے کیونکہ اگر عمرو کی للکار کا جواب نہ دیا جاتا تو پھر تاریخ اسلام اس قابل نہ ہوتی کہ کوئی اسے پڑھ بھی سکتا حضرت علیؓ نے یہاں صرف شجاعت کا ہی مظاہرہ نہیں کیا بلکہ اپنی شرافت اور انسانیت کا بھی مظاہرہ کیا ہے ہمیشہ سے دستور یہی تھا کہ قاتل اپنے مقتول کے تمام آلات اور جو کچھ بھی اس کے جسم پر ہوتا تھا اسے اتار لیا کرتا تھا۔ مگر حضرت علیؓ نے یہاں اپنی کریم النفسی کا مظاہرہ کیا جبکہ عمرو کے جسم پر جو سامان تھا وہ نہایت قیمتی تھا مگر آپ نے اس کے جسم پر سے کوئی چیز نہیں اتاری ان کے لیے علامہ دیار بکری کہتے ہیں۔

"جب علیؓ نے عمرو کو قتل کیا تو دستور کے مطابق اس کے اسباب نہیں لیے۔ جب عمرو کی بہن لاش پر آئی تو اس نے دیکھا کہ قاتل نے جسم پر سے کوئی سامان نہیں لیا تو کہنے لگی میرے بھائی کا قاتل یقیناً کوئی بزرگ اور شریف شخص ہے پھر اس نے قاتل کا نام پوچھا تو لوگوں نے بتایا علیؓ ابن ابی طالب۔ اس پر عمرو کی بہن نے کہا اگر عمرو کا قاتل اور کوئی ہوتا تو میں زندگی بھر اپنے بھائی کا ماتم کرتی مگر عمرو کا قاتل تو وہ ہے جو معزز اور محترم ہے جس میں کوئی عیب نکل ہی نہیں سکتا اور جس کو لوگ بیضۃ البلد اور سردار عرب کہتے ہیں۔"

(تاریخ خمیس)

عمرو کی بہن کی رائے جو اس نے حضرت علیؑ کے لیے قائم کی ہے وہ آپ کی شرافت اور کریم النفسی کی عکاسی کرتی ہے۔

بدر، احد، خندق میں علیؑ کے ہاتھوں سے قریش کے نامی گرامی پہلوان اور ایسے ایسے دلیر مارے گئے جس کی وجہ سے مکہ میں صف ماتم بچھ گئی۔ خندق کے میدان کا آخری معرکہ اس قدر سنگین ہوا کہ کفار کے نہ صرف اس سے پیر اکھڑ گئے بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حضرت علی ؑ نے ان کے دانت کھٹے کر کے رکھ دیئے۔ ان تمام جنگوں سے پتہ چلا کہ حضرت علیؑ کی شجاعت نے ہی مسلمانوں کو کامیاب کیا کسی مقام پر بھی آپ نے جانثاری اور ثابت قدمی کا موقعہ ہاتھ سے نہیں جانے دیا بروز خندق خدا کے پیارے حبیبؐ نے حضرت علیؑ کی وہ فضیلت بیان کی ہے جو روز محشر تک کسی اور کے حصے میں نہیں آسکے گی خندق کے موقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی جس کا ترجمہ یہ ہے۔

"جس وقت وہ لوگ تمہارے اوپر آپڑے اور تمہارے نیچے کی طرف سے بھی مل گئے جس وقت ان کی کثرت سے تمہاری آنکھیں خیرہ ہوگئیں اور خوف سے کلیجے منہ کو آگئے تھے اور جس وقت منافقین اور وہ لوگ جن میں کفر کا مرض تھا سمجھتے تھے کہ خدا نے اور اس کے رسول ﷺ نے جو ہم سے وعدے لیے ہیں وہ سب دھوکے کی ٹٹی تھی۔"

اس آیت کی رو سے یہ عتاب سب پر تھا اور سب مورد ملامت ٹھہرے کوئی بھی اس سے نہ بچ سکا سوائے حضرت علیؑ کے کیونکہ اس جنگ میں یقین کامل کا مظاہرہ صرف حضرت علیؑ نے کیا اور حضرت علیؑ نے ہی عمرو جیسے بہادر کو قتل کر کے آنحضرت ﷺ سے سند حاصل کی حالانکہ اس جنگ سے قبل آنحضرت ﷺ کا لوگوں کو کہنا کہ فتح مسلمانوں کی ہے اس کے باوجود مسلمان آگے نہ بڑھے فتح کے ہوتے ہوئے بھی خوفزدہ رہے۔ حضرت علیؑ کی شجاعت کے لیے علامہ فخرالدین رازی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"جب علیؑ عمرو کو قتل کر چکے تو لوگوں نے آپ سے پوچھا آپ نے اپنے نفس کو اس وقت کیسا پایا۔ آپ نے فرمایا اس وقت میرے قلب کی قوت اور میرے ثبات قدم کا یہ عالم تھا کہ اگر مدینہ ایک طرف اور میں ایک طرف رہتا تو میں ہی ان پر غالب ہوتا۔"

جناب جابرؓ کہتے ہیں کہ جناب امیرؑ کا عمرو کو قتل کرنا بالکل حضرت داؤدؑ اور جالوت کے

قصہ سے مشابہ ہے جس کا ذکر خداوند عالم نے ایسے کیا ہے یعنی طالوت کے ہمراہیوں نے جالوت کی فوج کو شکست دی اور داؤدؑ نے جالوت کو مار ڈالا عبداللہ بن مسعود آیت کو اس طرح پڑھا کرتے تھے۔ "لڑائی میں مومنوں کی اللہ نے علیؑ کی وجہ سے کفایت کی اور اللہ غالب و مہربان ہے۔" (ارجح المطالب۔ سیرۃ علویہ۔ تفسیر در منشور سیوطی۔ ینابیع المودۃ)

علامہ ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغۃ میں لکھتے ہیں کہ

"علیؑ کا بروز خندق عمرو کے مقابلہ میں نکلنا اسے صرف اہم اور عظیم کہہ دینا ہی کافی نہیں بلکہ یہ اہم سے بھی اہم تر ہے اور عظیم سے بھی عظیم تر ہے' یہ تو ایسا ہی عظیم ترین تھا جیسا کہ ہمارے استاد ابوالہندیل نے کہا تھا۔ جب ان سے کسی شخص نے سوال کیا کہ خدا کے نزدیک علیؑ کی منزلت زیادہ تھی یا فلاں کی تو انہوں نے جواب دیا بیٹے خدا کی قسم علیؑ کا بروز خندق عمرو سے جنگ کرنا تمام مہاجرین اور انصار کے جملہ اعمال و عبادت سے افضل تھا۔" (نفس رسول بحوالہ اعیان الشیعہ)

جنگ خیبر

"میں کل یہ علم اس شخص کو دوں گا جو بڑھ چڑھ کر حملہ کرنے والا ہے' بھاگنے والا نہیں جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو دوست رکھتا ہے اللہ اور اس کا رسول ﷺ بھی اسے دوست رکھتے ہیں خدا اس کو فتح دے گا۔" (حدیث نبوی ﷺ)

حق' احد' بدر' خندق کے میدانوں میں باطل کو روندتا اور کچلتا ہوا آگے بڑھتا گیا باطل کو پے در پے شکست ہوتی رہی حق کی شمع چاروں طرف اجالے بکھیرتی رہی حق کو مٹانے والے خود مٹتے گئے حق کا پرچم بلند ہوتا رہا۔ باطل اپنی شکست سے خوفزدہ ہو کر خیبر کے مضبوط قلعہ میں پناہ لینے پر مجبور ہو گیا۔ باطل نے اپنی قوت میں ایک مرتبہ پھر اتنا اضافہ کر لیا کہ وہ حق کی راہ میں حائل ہونے لگا سرکار دوجہاں فخر انبیاء سلطان مدینہ باطل کو مٹانے کے لیے ۷ھ میں اپنے ۱۴۰۰ سو جانثاروں کے ساتھ خیبر کے قلعہ کی طرف روانہ ہوئے محدثین و مورخین لکھ رہے ہیں کہ اس لشکر میں حضرت علیؑ موجود نہیں آپ آشوب چشم کی وجہ سے مدینہ میں رہ گئے۔ اسلام کے متوالے آگے بڑھے خیبر کے قلعہ کے قریب خیمہ زن ہوئے ایک طرف لشکر کفار ہے اور دوسری طرف آقا دوجہان درد شقیقہ سے بے چین ہیں اور آپ اکثر اپنے خیمہ میں رہتے ہیں سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ جوش میں اٹھے علم کو تھاما اور خیبر کے قلعہ کو

فتح کرنے کے لیے آگے بڑھے مگر قدرت کو فتح کے لیے کسی اور کا انتظار تھا آپ وہاں سے واپس آئے دوسری مرتبہ حضرت عمرؓ جوش میں اٹھے علم لیا اور آگے بڑھے اور قلعہ پر حملہ کیا مگر خدا کو یہ بھی منظور نہ تھا کہ قلعہ کسی اور کے ہاتھوں فتح ہو آپ بھی ناکام واپس لوٹ آئے۔ تاریخ طبری اس شکست کے لیے تحریر کرتے ہیں۔

چونکہ خیبر یہودیوں کی مضبوط پناہ گاہ تھی اس لیے خیبر کو فتح کرنا اتنا آسان نہ تھا یہی وجہ ہے کہ مسلمان بار بار حملہ کرنے کے باوجود کامیاب نہ ہو سکے اس میں بھی حکمت تھی۔

بہرحال قلعہ نہ فتح ہونا تھا نہ ہوا اس کی وجہ کیا ہو سکتی ہے وہی مسلمان ہیں جو احد و خندق میں کام آئے تعداد میں پہلے سے زیادہ ہیں سامان بھی اس مرتبہ زیادہ ہے پھر کیا وجہ ہے کہ قلعہ اب تک فتح نہیں ہوا لشکر بھی وہی علم بھی وہی۔ اگر نہیں ہے تو علیؓ ابن ابی طالب نہیں ہیں ایک علیؓ کے نہ ہونے کی وجہ سے قلعہ فتح نہ ہوا۔ آخر علیؓ میں اتنی قوت اور طاقت ہے کہ وہ اس قدر مضبوط قلعہ کو بھی فتح کر لیں گے یہ سب کچھ غیبی امداد ہے مسلمانو! علیؓ کے رتبے کو پہچانو جس کی طاقت بشری انداز سے بالا ہے تو پھر اس حقیقت کو تسلیم کرنا پڑ جائے گا کہ علیؓ بشری شکل میں اس زمین پر آئے تو ضرور ہیں مگر یہ دوسرے انسانوں سے مختلف ہیں یہ خدا کے اس نور سے پیدا ہوئے جس نور سے خاتم النبی المرسلین پیدا ہوئے خدا نے علیؓ کو اس لیے پیدا کیا کہ وہ اپنے حبیب کی حفاظت کریں اس کے دین کی پاسبانی کریں کبھی وقت آئے تو نبی کی جان کا فدیہ بنیں یہی وجہ ہے کہ آج حیدر کرارؓ نہیں ہیں تو خیبر بھی فتح نہیں ہو رہا۔ افواج مسلم میں پریشانی اور بے چینی پھیلی ہوئی ہے کوئی ترکیب ایسی نظر نہیں آتی کہ قلعہ خیبر فتح ہو جائے ایسے میں سرکار دوجہاں ختمی المرتبت اپنے خیمہ سے باہر تشریف لائے مسلمانوں کے اضطراب اور بے چینی کو مدنظر رکھتے ہوئے حکم خدا کا اعلان فرمایا۔ "کل میں یقیناً علم ایسے بہادر شخص کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو دوست رکھتا ہے اور اللہ اور اس کا رسول بھی اسے دوست رکھتے ہیں۔" (تاریخ طبری و دیگر کتب)

اعلان ختم ہوا دل میں علم کی حسرت موجیں مارنے لگی سب کی خواہش یہی تھی کہ صبح علم مجھے مل جائے تو خدا کی دوستی مل جائے گی محمد ﷺ کی محبت مل جائے گی ایسے موقعہ پر بڑے بڑے صحابہ اس علم کے لیے آرزومند تھے۔ امام مسلم اور دیگر نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ "اس روز کے سوا میں نے کبھی امیر بننے کی آرزو نہیں کی تھی۔" رات بھر آنکھوں میں گزری سب بے قرار اور بے چین تھے حسرت و انتظار کا عالم تھا

کہ سورج کی سپیدی نے صبح کا اعلان کیا سرکار دوجہان تشریف لائے سب کی نظریں علم پر تھیں اس علم کی خواہش دل میں موجیں مار رہی تھیں (تاریخ طبری) نے بیان کیا ہے کہ "صبح ہوئی تو علم کی آرزو میں حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ نے اپنے کو لمبا کر کے دکھایا اور ہاتھ آگے بڑھائے تاکہ حضرت ﷺ آپ دیکھ سکیں مگر یہاں تو خدا کا انتخاب ہے جس کو خدا ہی بہتر سمجھتا ہے کہ وہ کس کے ہاتھوں خیبر کے قلعہ کو پاش پاش کروانا چاہتا ہے کس کو اپنا اور رسول خدا کا دوست بنانا چاہتا ہے یہ تو خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ ہر کسی کے نفس اور دل کا امتحان لے چکا ہے اور اس کے دل کے راز جانتا ہے وہ یہ بھی جانتا ہے کہ کس دل میں میری اور میرے رسول ﷺ کی محبت ہے۔ یہ کسی عام انسان کا حکم نہیں یہ فرمان رسالت ﷺ ہے اور حکم رسول ﷺ وہی ہوتا ہے جو خدا کا حکم ہوتا ہے یہ اس قدر ٹھوس الفاظ ہیں جو انسانوں کو صحیح اور حقیقت کا راستہ دکھانے کے لیے کافی ہیں اس حدیث پر کسی کو ذرا بھر بھی اختلاف نہیں۔ ملت جعفریہ اور سواد اعظم کے تمام محدثین و مورخین نے ہی اس حدیث کو روایت نہیں کیا بلکہ غیر مسلم مورخین نے بھی آنحضرت ﷺ کے یہ الفاظ اپنی کتابوں میں درج کیے ہیں البتہ اتنا ضرور ہے کہ بعض طبیعتوں کو مکمل حدیث بیان کرنا کچھ ناگوار گزری ہے اس لیے کچھ الفاظ حذف کر دیئے گئے ہیں مگر پھر بھی جو الفاظ انہوں نے تحریر کیے ہیں وہ اس انسان کی عظمت اور بلندی کی دلیل کے لیے کافی ہیں جس کو یہ علم ملنا ہے۔ مکمل حدیث یہ ہے "میں کل یہ علم اس شخص کو دوں گا جو بڑھ بڑھ کر حملہ کرنے والا ہے اور بھاگنے والا نہیں' جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو دوست رکھتا ہے اللہ اور اس کا رسول ﷺ بھی اس کو دوست رکھتے ہیں خدا اس کے ہاتھ پر اس قلعہ کو فتح دے گا۔"

(روضتہ الاحباب' حبیب السیر' سیرۃ حلبیہ منتخب کنزالعمال بر حاشیہ مسند امام احمد اور اس کے علاوہ بہت سی کتابیں)

اس حدیث پاک کا ایک ایک لفظ غور طلب ہے ایک ایک لفظ میں وہ فضیلت بخش دی گئی ہے کہ جس کو بھی یہ علم مل گیا وہ سمجھ لو نبوت کا ورثہ دار ہو گیا امامت کا حق دار بن گیا۔ اسلام کا علمدار ہو گیا اس کی دوستی پر صرف خدا ہی نہیں بلکہ اس کا رسول ﷺ اور ملائکہ بھی نازاں ہیں خدا کا وہ کس قدر محبوب بندہ ہو گا جس کے ہاتھوں میں پہلے سے ہی فتح لکھ دی گئی ہے۔

سب پر حسرت کا عالم ہے سرکار دوجہاں نے لشکر اسلام کو ایک نظر دیکھا یہ مبارک

نگاہیں جس چہرے کی متمنی ہیں وہ موجود نہیں ہے۔ آخر اپنی زبان مبارک سے ارشاد فرمایا علی رضی اللہ عنہ کہاں ہیں ایسی غیر متوقع آواز کو سن کر سب حیران رہ گئے کسی نے لشکر سے جواب دیا کہ علی رضی اللہ عنہ تو بالکل بے بس ہیں ان کی آنکھوں میں اس قدر تکلیف ہے کہ ان کے لیے لڑنا تو کیا چلنا پھرنا بھی دشوار ہے وہ قیادت کس طرح کر سکیں گے۔ ختمی المرتبت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا علی کو حاضر کی جائے علی رضی اللہ عنہ اپنے آقا کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے آنکھیں دیکھیں' اپنا لعاب ان آنکھوں پر لگایا پل جھپکتے ہی آنکھیں بالکل ٹھیک ہوگئیں اور تاحیات آپ کو آنکھوں کی تکلیف نہ رہی سینہ سے لگایا۔ سرکار دوجہاں نے علم آپ کو عنایت کیا اپنے ہاتھوں سے ذوالفقار حیدری عطا کی سر پر عمامہ باندھا آپ نے فرمایا جاؤ انہیں اسلام پیش کرو اگر وہ نہ مانیں تو اس وقت تک جنگ کرو جب تک شکست تسلیم نہ کرلیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وہ حکم ملا جس کی تمنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی کی۔ یہاں مسند امام احمد اور منتخب کنز العمال کے حوالے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے الفاظ پیش کرتے ہیں۔ "حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تین ایسی باتیں عطا ہوئیں ہیں اگر ان میں سے ایک بھی مجھے مل جاتی تو سرخ اونٹوں کی قطار سے بہتر تھیں لوگوں نے پوچھا وہ کونسی؟ آپ نے فرمایا فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بیاہ ہونا۔ مسجد میں آپ کی سکونت وہی باتیں ان کے لیے بھی جائز تھیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تھیں اور بروز خیبر علی رضی اللہ عنہ کو علم کا ملنا۔" ایک جگہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی تمنا کا اظہار کیا ہے جس سے جناب امیر کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے۔ "حضرت ماب صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر فرمایا تھا کہ تم میں وہ شخص قرآن مجید کی تاویل کے متعلق اس طرح جنگ کرے گا جس طرح میں نے کلام مجید کی تنزیل کے لیے جنگ کی ہے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اٹھے اور کہا کہ ہم؟ آپ نے فرمایا تم دونوں نہیں بلکہ وہ جو جوتیاں ٹانکنے والا ہے اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جوتیاں ٹانک رہے تھے۔" (نفس رسول بحوالہ مسند احمد حنبل مستدرک منتخب کنزالعمال)

حضرت سرکار دوجہاں نے اپنے جانثار بھائی اپنے علم بردار کو سینہ سے لگایا۔ سر پر سرخ عبا اوڑھے ہوئے اللہ کا شیر قلعہ خیبر فتح کرنے کے لیے روانہ ہوا۔ ہاتھوں میں حق کی تلوار ہے آنکھوں میں جلوہ یار ہے فضاؤں میں اللہ اکبر کی آواز ہے محدثین و مورخین لکھ رہے ہیں کہ آپ کے چہرے پر جلالت اور صولت کے آثار نمایاں تھے۔ قلعہ خیبر پر پہنچے' علم کو پتھر پر گاڑ دیا خیبر کے یہودیوں نے پہلے سے ہی ایک آدمی کو قلعہ کے دروازہ پر بٹھا رکھا تھا تاکہ

آنے والے کا حسب نسب پوچھے۔ آپ نے جس جوش سے اور طاقت سے پتھر پر علم گاڑا تھا قلعہ کے اوپر بیٹھنے والا منجم آپ کی جلالت کو دیکھ کر خوفزدہ ہوگیا۔ ڈرتے ڈرتے آپ سے نام پوچھا آپ نے فرمایا علی ابن ابی طالب۔ یہ نام سنتے ہی یہودی چیخ پڑا۔ اے قوم یہود موسیٰ آ گئے' موسیٰ آ گئے۔ اے قوم یہود تم ضرور مغلوب ہو جاؤ گے یہ وہ شخص ہے جو قلعہ فتح کئے بغیر واپس نہ جائے گا۔

(تاریخ کامل۔ ازالتہ الخفا۔ ریاض النضرہ۔ سیرت ابن ہشام۔ تاریخ الخمیس۔ مدارج النبوۃ۔ روضہ الصفا بحوالہ نفس رسول۔ سراج المبین)

مدارج النبوۃ میں شاہ عبدالحق محدث دہلوی" تحریر کرتے ہیں۔ "حضرت علی رضی اللہ عنہ علم لے کر روانہ ہوئے اور قلعہ قموص کے نیچے پہنچے آپ نے اس علم کو پتھر پر گاڑ دیا یہ دیکھ کر قلعہ کے اوپر ایک یہودی عالم اور مذہبی پیشوا نے پوچھا کہ اے علم والے تو کون ہے تیرا نام کیا ہے؟ آپ نے کہا علی رضی اللہ عنہ ابن ابی طالب۔ یہ سننا تھا کہ وہ یہودی اپنی قوم کو پکار کر کہنے لگا توریت کی قسم اب تو ضرور مغلوب ہو جاؤ گے کیونکہ یہ شخص وہ ہے جو بغیر قلعہ فتح کئے واپس نہ جائے گا۔ غالباً وہ یہودی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی صفات اور شجاعت کی حالت سے واقف تھا کیونکہ توریت میں حضرت کے اوصاف پڑھ چکا تھا۔"

شیر خدا کی جلالت اور پتھر پر علم گاڑنے کی وجہ سے یہودیوں کے حوصلے خطا ہو گئے ایسے موقع پر اہل یہود کا مشہور جری' حرب کا ماہر۔ حارث میدان میں آیا جو اس سے قبل دو مرتبہ لشکر اسلام کو شکست دے چکا تھا۔ حارث بڑی پھرتی سے آگے بڑھا۔ شیر خدا اپنے شکار کے منتظر تھے حارث آگے بڑھا حملہ کیا مگر وار خالی گیا۔ باری اب شیر یزداں کی تھی۔ تیغ حیدری فضا میں بلند ہوئی اور حارث کو چیرتی ہوئی گزر گئی۔ ایک ہی وار میں حارث کی لاش خون میں تڑپنے لگی۔ قلعہ میں حارث کے قتل کی خبر پہنچی ایسے میں بھائی کے خون نے جوش مارا۔ مرحب کو باہر آنا پڑا۔ یہ وہ مرحب ہے جس کی طاقت اور قوت کا چرچا تمام اہل یہود میں تھا۔ تیغ زنی کا ماہر حرب کا جرار اپنے وقت کا مشہور جری اور پہلوان تھا۔ جوش میں باہر آیا' بھائی کی لاش نے اور جوش مند کیا نہایت گرجدار آواز میں اپنی شجاعت آب و تاب و طاقت کا اظہار کیا اور اپنے سر پر لوہے کا وزنی خود پہن کر آیا تاکہ تلوار کا وار اثر نہ کر سکے۔ مرحب جوش میں یہ کہتا ہوا بڑھا۔

"اہل خیبر جانتے ہیں کہ میں مرحب ہوں ہتھیاروں سے لیس اور تجربہ کار

ہوں، جنگجو ہوں، جب میں نیزہ زنی کرتا ہوں اور تلوار کا وار کرتا ہوں تو شیر دل بہادر چیخ اٹھتے ہیں جس مقام کو میں محفوظ کرلوں اس کے قریب جانے کی کوئی جرات نہیں کرتا۔"

جناب امیر علیہ السلام نے مرحب کا جواب اس طرح دیا۔

"میں وہ شخص ہوں کہ میری ماں نے میرا نام حیدر علیہ السلام رکھا ہے میں وہ شیر ہوں جو شکار کو چیر ڈالتا ہے۔ میں تم کو ایسی ضربت لگاؤں گا جو تمہاری پشت اور ہڈیوں کو چیر ڈالے گی۔ ایسی ضربت لگاؤں گا جو ایک نوجوان خاندان قوی دست لگاتا ہے۔"

رجز کا دور ختم ہوا۔ آج بھی پھر بدر، احد، خندق کا شیر میدان میں آیا۔ علی علیہ السلام کی ضربت گواہی دیتی ہے کہ جہاں وہ پڑ جائے اسے اس طرح چیر کر رکھ دیتی ہے جس طرح آرا مشین لکڑی کو چیر ڈالتی ہے۔ ایک طرف خیبر کا دلیر مرحب آیا دوسری طرف محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھائی حیدر آیا ادھر تلوار نکلی ادھر ذوالفقار چمکی دو تلواریں ہوا میں لہرائیں۔ ایک توحید حق کو مٹانے کے لیے دوسری اس کو بچانے کے لیے۔ ایک طرف حق دوسری طرف باطل، باطل کی تلوار اٹھی حق کی ڈھال پر رکی۔ پھر مرحب نے وار کیا علی علیہ السلام نے روک لیا شاہ مرداں شیر یزداں قوت پروردگار حیدر کرار علیہ السلام جرار علمدار غضب میں آیا قوت بازو سے تلوار کو ہوا میں لہرایا فضا میں چمکایا بجلی کی طرح اس کو مرحب کے سر پر گرایا۔ سر کو ٹکڑوں میں بانٹتی ہوئی جسم کو کاٹتی ہوئی، دشمن اسلام کو مٹاتی ہوئی زمین سے ٹکرائی۔ زمین سے ایک شور اٹھا مرحبا مرحبا۔ مصنف ابوالفدا بول اٹھا خیبر فتح ہوا۔ لشکر اسلام گواہی دے رہا ہے کہ جب مرحب کے سر پر ضربت علی علیہ السلام پڑی تو اس کی آواز تمام لشکر نے سنی اس کے علاوہ بھی پانچ یا چھ قلعے اور تھے ان کے بھی جوانمرد مقابلہ کے لیے آئے مگر دل میں علی علیہ السلام کو زیر کرنے کی حسرت میں ہی مارے گئے آپ ابھی مقابلے سے فارغ نہیں ہوئے تھے کہ کسی نے آپ کے ہاتھ پر تلوار ماری جس کی وجہ سے ڈھال گر پڑی ایسے میں قوت حیدری نے جوش مارا اور لشکر اسلام کے سامنے خیبر کے آہنی دروازہ کو ہاتھ ڈالا اور اس زور سے جھٹکا دیا کہ دروازہ آپ کے ہاتھوں میں آگیا اس دروازے کے لیے مشہور ہے کہ اس کو چالیس آدمی بھی مل کر مشکل سے کھولا کرتے تھے۔ یہاں ایک اور روایت بھی ہے کہ اس جگہ ایک اور دروازہ تھا جس کو آٹھ آدمی بھی مشکل سے اٹھا سکتے تھے وہ آپ علیہ السلام نے اٹھایا اور اس سے ڈھال کا

کام لیا یہ دروازے بہت وزنی تھے جو بشری قوت سے بالاتر ہیں۔ (تاریخ الخمیس۔ سیرت ابن ہشام۔ معارج النبوۃ۔ تاریخ طبری و دیگر بحوالہ سراج المبین) حارث اور مرحب جیسے نامی گرامی بہادروں کی لاشیں دیکھ کر قلعہ والوں کی ہمتیں جواب دے گئیں۔ ایسے موقعہ پر بقایا قلعہ کے محافظ اور بڑے بڑے جری میدان میں آئے سب سے پہلے مرحب اور حارث کے بعد' داؤد ابن قابوس کبری آیا اس کے بعد عنتر سلاح پھریا سر مگر سب تیغ علی رضی اللہ عنہ کے سامنے بے بس ہوئے۔ تیغ حیدری نے ان کا بھی کام تمام کیا۔

بالاخر حضرت علی رضی اللہ عنہ شیر خدا کے ہاتھوں یہودیوں کا سب سے بڑا مرکز سب سے طاقتور قلعہ فتح ہوا آپ ان قلعوں کو تسخیر کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ مبارک خوشی سے کھل اٹھا آپ نے آگے بڑھ کر آپ کا استقبال کیا۔ پیشانی کو بوسہ دیا اپنے علمدار کو سینہ سے لگایا اور فرمایا۔

"اے علی رضی اللہ عنہ تمہارا قابل شکریہ کارنامہ اور نہ بھولنے والا احسان مجھ تک پہنچا تمہاری اس خدمت کو خدا نے پسند کیا ہے اور تم سے رب راضی ہے آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ خوشی کے آنسو ہیں یا کسی غم کے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا خوشی کے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ آپ مجھ سے راضی ہیں۔ رسول خدا نے فرمایا ہم تنہا ہی تم سے راضی نہیں بلکہ جبرئیلؑ ' میکائیلؑ اور سب فرشتے تم سے راضی ہیں۔ (مدارج النبوۃ)

اس شاندار فتح کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔ جس کو محدثین و مورخین نے بیان کیا ہے یہاں پر مختصر الفاظ نقل کرتے ہیں۔

"اے علی رضی اللہ عنہ اگر مجھے ڈر نہ ہوتا تو تمہارے لیے میری امت کے لوگ بھی وہی کہنے لگیں گے جو حضرت عیسیٰ بن مریم کے بارے میں عیسائی کہتے ہیں تو البتہ میں تمہارے بارے میں وہ باتیں بیان کر دیتا جس کی وجہ سے تم مسلمانوں کے جس گروہ کے پاس سے بھی گزرتے وہ تمہارے قدموں کے نیچے کی مٹی اٹھا لیتے اور شفا حاصل کرنے کے لیے تمہاری طہارت کا بچا ہوا پانی لے جاتے لیکن اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ تم مجھ سے اس درجہ ہو جس درجہ پر ہارون موسیٰ سے تھے لیکن فرق اتنا ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہو گا۔ اے علی رضی اللہ عنہ تم میرے ہی فرضوں کو ادا کرو گے میری امت کے لیے جہاد کرو گے آخر میں سب لوگوں سے زیادہ میرے قریب و نزدیک تم

ہی ہو گے اور قیامت میں حوض کوثر پر تم ہی میرے خلیفہ ہو گے اور تم ہی سب سے پہلے میرے پاس حوض کوثر پر پہنچو گے اور منافقوں کو تم ہی حوض کوثر سے ہٹاؤ گے اور میری امت میں سب سے پہلے تم ہی جنت میں جاؤ گے تم سے جنگ کرنا مجھ سے جنگ کرنا ہے تم سے صلح کرنا مجھ سے صلح کرنا ہے۔ تمہارا راز میرا راز تمہارا اعلان میرا اعلان۔ اے علی رضی اللہ عنہ! میں تم کو بشارت دیتا ہوں کہ تم اور تمہارے دوست جنتی اور تمہارے دشمن دوزخی ہیں"

(مناقب خوارزمی' ینابیع المودۃ۔ معارج النبوۃ سید علی ہمدانی کی اسناد اور سراج المبین)

احد' بدر' خندق کی طرح خیبر بھی علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں فتح ہوا اور زمانے نے دیکھ لیا کہ جب تک علم اسلام علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں میں نہیں آیا جب تک مسلمانوں نے علی کی قیادت کے سامنے سر خم نہیں کیا۔ اس وقت تک خیبر فتح نہیں ہوا۔ یہاں بھی غور طلب بات ہے اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم دکھانا چاہتا ہے کہ کوئی جنگ کوئی معرکہ شیر خدا کے بغیر فتح نہیں ہو سکتا ایک ہی معرکہ میں شیر خدا نظر نہیں آئے تو مسلمانوں کو مسلسل شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ سب کچھ کیا ہے خدائے بزرگ و برتر نے جناب امیر رضی اللہ عنہ کو وہ فضیلت عطا کی ہے جو کسی دوسرے میں نظر نہیں آتی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ جنگ میں تنہا نہیں لڑتے خدا کی تائید اور آسمانی ملائکہ علی رضی اللہ عنہ کے گرد ہوتے ہیں جو ہر وقت علی رضی اللہ عنہ کی حفاظت میں مشغول ہیں کیونکہ مستقبل اس کی آنکھوں کے سامنے ہے خدا جانتا ہے کہ اگر علی رضی اللہ عنہ کام نہ لیا تو نہ تو دین اسلام پھیل سکتا ہے نہ رسالت کی تبلیغ مکمل ہو سکتی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کارنامے سے یہ بات کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ ان تمام معرکوں میں خدا کی غیبی امداد آپ کے ساتھ رہی ورنہ خیبر کے قلعہ کا دروازہ ایک جھٹکے سے اکھاڑ لینا کوئی معمولی واقعہ نہیں۔ تاریخ اسلام تو کیا تاریخ عالم بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسا جوان شجاع' بہادر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ خدا نے آپ کے نام میں ہی اتنی قوت اور تاثیر عطا کی ہے کہ اگر صدق دل سے علی رضی اللہ عنہ کے رتبہ کو تسلیم کر لے اور پھر اس کا نام لے تو ناممکن ہے کہ وہ کامیاب نہ ہو۔ جنگ ہو یا امن ہر مقام پر علی رضی اللہ عنہ' علی رضی اللہ عنہ ہے۔ بارگاہ الٰہی سے احد' بدر' خندق اور خیبر میں مشکل کشا ایسی سندیں حاصل کر چکے ہیں جو دنیا کے کسی بشر میں بعد از نبی صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ملتیں۔ آپ کی زندگانی حیات طیبہ کی عکاسی کرتی ہے اگر کوئی سرکار دوجہاں کا کردار دیکھنا چاہتا ہے تو وہ علی رضی اللہ عنہ کو دیکھ لے جس کو دیکھنا بھی عبادت ہے جس کا نام لینا بھی عبادت ہے۔

دنیاء اسلام و غیر اسلامی تاریخ کا مطالعہ کرنے کے بعد پتہ چلتا ہے کہ دنیا میں بڑے بڑے بہادر گزرے ہیں جنہوں نے بے شمار ملک فتح کئے مگر تاریخ عالم یہ پیش کرنے سے قاصر ہے جو مشن آنحضرت ﷺ اور علی رضی اللہ عنہ لے کر اٹھے تھے۔ جس نیک مقصد کے لیے انہوں نے جہاد کئے ایسا کوئی کبھی نہیں ہوا اور نہ ہی شیر خدا جیسا بہادر پیدا ہوا۔ کوئی معرکہ آپ کی زندگی میں ایسا نظر نہیں آتا کہ جس میں آپ نے شکست کھائی ہو کوئی جوان عربستان پر ایک بھی ایسا نظر نہیں آتا جس نے علی رضی اللہ عنہ جیسے بہادر کو زیر کیا ہو۔ ارجح المطالب کے مصنف نے اپنی کتاب میں تحریر کیا ہے کہ آپ نے اپنی زندگی میں بیس ہزار سے زائد لوگوں کو جہنم میں پہنچایا یہ سب اس لعاب کا اثر ہے کہ آپ مشکل کشا' شیر خدا ہوئے آپ کی زندگانی کے ہر پہلو کا مطالہ کرنے کے بعد پتہ چلتا ہے کہ آپ کی زندگی حیات طیبہ کا مکمل اور کامل نمونہ ہے۔

آفتاب کا مغرب سے طلوع ہونا

سرکار دوجہاں فخر انبیاء ختمی مرتبت نور مجسم کی بشری زندگی میں کوئی بھی ایسا مقام نظر نہیں آتا جہاں علی رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ نہ ہوں۔ سرکار دوجہاں نے روز اول سے ہی اپنے نور کے ٹکڑے کو پہچان لیا یہی وجہ ہے کہ ابو طالب رضی اللہ عنہ کے اور بچے بھی تھے آپ کے قرابت داروں میں بہت سے بچے نظر آتے ہیں مگر جناب نے صرف علی رضی اللہ عنہ ہی کو اپنے لیے منتخب کیا آپ جان چکے تھے آج کا یہ بچہ آئندہ زندگی میں میرے لیے ڈھال اور دشمنان دین کے لیے برہنہ تلوار ثابت ہوگا مورخین و محدثین اس بات کی گواہی دے رہے ہیں کہ آنحضرت ﷺ جس قدر اعتماد و راز و نیاز حضرت علی رضی اللہ عنہ سے رکھتے تھے کسی سے بھی اتنی قرابت نہ تھی یہی وجہ ہے کہ شیر خدا کی دشمنی کو اپنی دشمنی قرار دیا۔ اعلانیہ فرماتے رہے "علی رضی اللہ عنہ مجھ سے ہے اور میں علی رضی اللہ عنہ سے ہوں" جو علی رضی اللہ عنہ کا دوست وہ میرا دوست' جو علی رضی اللہ عنہ کا دشمن وہ میرا دشمن۔ یہ فرمان رسول ﷺ ہے کہ علی رضی اللہ عنہ اور میں ایک نور سے ہیں۔" علی کو مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارون کو موسیٰؑ سے تھی۔" ان احکامات کو ان احادیث کو جھٹلایا نہیں جا سکتا اگر کوئی بغض علی رضی اللہ عنہ میں اندھا ہو کر ان حقائق کو تسلیم نہ کرے تو یقیناً وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ غرض کہ آنحضرت ﷺ جہاں بھی گئے شیر خدا کو ساتھ لے گئے۔ بدر' احد' خندق و خیبر کے میدانوں کو تسخیر کرتے ہوئے باطل کو کچلتے ہوئے حق کا پرچم بلند کرتے ہوئے۔ خدا کا نبی ﷺ اور اس کا وصی رضی اللہ عنہ خیبر کو فتح کرنے

کے بعد واپس پلٹ رہے ہیں قافلہ کارواں منزل صہبا پر جا رکا نماز عصر ادا کی گئی۔ مشکل کشا شیر خدا تشریف فرما ہیں کہ جناب ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنا سر مبارک جناب امیر علیہ السلام کے زانو پر رکھ کر سو گئے۔ کیا روح پرور منظر ہے کیا قرابت داری ہے۔ اس حال میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی کے آثار ہوئے یہ علی علیہ السلام کا مرتبہ ہے کہ ایک طرف جلوہ نبوت کا دیدار ہے دوسری طرف جبرئیلؑ کو شرف دیدار ہے۔ وحی نے طول پکڑا نماز کا وقت گزر تا گیا مگر اپنے حبیب کا سر زانو سے اٹھانا گوارہ نہ کیا اور جناب امیر علیہ السلام جانتے ہیں کہ نماز قضا ہو رہی ہے مگر آپ نہیں چاہتے کہ محبت کی نماز قضا ہو۔ یہاں شیر خدا کو عظمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشنودی مقدم ہے خواہ ساری نمازیں قضا ہو جائیں مگر محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز قضا نہیں ہونا چاہیے۔ نماز فروغ دین میں ہے اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اصول دین ہے۔ یہاں یہ بات خدا کے وصی عیاں کر رہے ہیں کہ خواہ کوئی انسان زندگی بھر نماز ادا کرتا رہے خدا کا ہر حکم پابندی سے بجا لائے مگر اس نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے منہ پھیرا آپ کی منشا کے خلاف کوئی کام کیا تو یہ ساری نمازیں بیکار ہو جائیں گی۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سر مبارک جناب امیر علیہ السلام کے زانو پر تھا وقت کا تقاضا یہی تھا کہ آپ کا سر مبارک ہٹا کر نماز ادا کی جاتی آپ کو بیدار کر کے نماز پڑھی جاتی مگر جناب امیر علیہ السلام یہاں پر رسالت مآب کے مرتبہ اور آپ کی عظمت کو واضح کر رہے ہیں اگر نماز چھوڑنی پڑ جائے تو چھوڑ دو مگر محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیے اگر اس دامن کو چھوڑ کر نمازیں پڑھی گئیں تو یہ سب بے کار ہو جائیں گی جس طرح ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ایک صحابی کو پکارا۔ پھر آپ نے پکارا وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کیا تم نے میری آواز نہیں سنی' صحابی نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سنی تو تھی مگر میں حالت نماز میں تھا مگر نماز چھوڑ کر کیسے آتا تو آپ نے فرمایا کیا خدا کا یہ حکم نہیں سنا کہ جب خدا کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پکارے تو فورا چلے آؤ۔ صحابی نے کہا سنا تھا یہاں صحابی کے لیے یہ عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ وہ نمازی بھی تھا قرآن کا جاننے والا بھی تھا مگر وہ مقام نبوت کو نہ پہچان سکا۔ مقام نبوت بہت بلند و افضل ہے ہر شے پر اس کا حکم مقدم ہے ایک جگہ پر رب العزت کا ارشاد ہے کہ "نبی کی آواز سے آواز بلند نہ کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تمہیں خبر تک نہ ہو" یہ ہے مقام نبوت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز پر آواز بلند کرنے سے تمام نمازیں ختم ہو جاتی ہیں۔ اس منزل صہبا میں شیر خدا علیہ السلام نے مقام نبوت کو مد نظر رکھتے ہوئے آپ کا سر مبارک زانو سے اٹھانا

گوارہ نہ کیا اور پھر یہ کس قدر منزلت کی بات ہے کہ آنحضرت ﷺ کا سر اقدس آپ کی آغوش میں ہو نماز علی ؓ قضا ہو گئی' سورج غروب ہو گیا۔ آنحضرت ﷺ نیند سے بیدار ہوئے آپ سے دریافت کیا یا علی ؓ کیا تم نے نماز نہیں پڑھی جواب دیا آقا میں کس طرح یہ گوارہ کر سکتا ہوں کہ ایک نماز کی خاطر آپ کو نیند سے بیدار کر دوں یہ کس طرح ممکن تھا کہ نماز محبت کو قضا کر دوں۔ خدا کے رسول ﷺ مسکرائے بارگاہ الٰہی میں ایک علی ؓ کی نماز قضا ہونے کی خاطر ہاتھ پھیلا کر دعا مانگی۔ "اے خداوند تعالیٰ علی ؓ تیری اور تیرے رسول کی اطاعت میں تھے۔ آفتاب غروب ہو چکا ہے۔ ایک مرتبہ آفتاب پھر سے طلوع کر دے کہ علی ؓ نماز پڑھیں۔ بارگاہ الٰہی میں اپنے حبیب ﷺ کی دعا پہنچی یہ کیسے ممکن تھا کہ خدا اپنے حبیب کی دعا کو نامنظور کرتا دعا قبول ہوئی ساری دنیا نے دیکھا کہ سورج غروب ہونے کے بعد پھر ایک مرتبہ مغرب سے طلوع ہوا چاروں طرف روشنی پھیل گئی۔ حضرت علی ؓ نے نماز ادا کی۔ نماز ادا کرنے کے بعد سورج کی روشنی ایک دم ختم ہوئی جیسا پہلے اندھیرا تھا ویسے ہی چھا گیا۔ دنیا نے دیکھ لیا کہ علی ؓ کی ایک نماز کی خاطر مغرب سے سورج طلوع ہوا۔ خداوند کریم اور سرکارؐ دوجہاں کے نزدیک علی ؓ کا کیا رتبہ ہے کہ خدا نے صدیوں پرانا اپنا اصول صرف علی ؓ کی خاطر بدل کر دکھایا کوئی ایسی ہستی اور نظر نہیں آتی جس پر خدا اس قدر مہربان ہو اس سے ثابت ہوا کہ علی ؓ کا شمار عام صحابہ میں نہیں۔ علی ؓ سب سے اعلیٰ ہیں' سب سے منفرد ہیں۔ یہ واقعہ کسی ایک کتاب میں نہیں بلکہ اکثر محدثین و مورخین نے اپنی کتابوں میں اس واقعہ کی تفصیلات لکھی ہیں۔ علامہ دیار کبری اس واقعہ کو لکھنے کے بعد تحریر کرتے ہیں کہ یہ حدیث کثرت کے ساتھ بیان کی گئی ہے اس کی روایت بالکل صحیح ہے۔ (تاریخ خمیس)

حضرت امیرالمومنین ؓ کے لیے آفتاب کا پلٹنا ایسا مسلم الثبوت واقعہ ہے جس سے انکار کی گنجائش نہیں اس واقعہ کو سواد اعظم اور ملت امامیہ نے نہایت اہتمام کے ساتھ اپنی اپنی کتابوں میں درج کیا ہے اس واقعہ کی تفصیلات کنزالعمال' ازالتہ الخفا' ریاض النضرہ اور دیگر کتابوں میں موجود ہیں۔ فتح المبین کے مصنف نے اس واقعہ کے لیے تحریر کیا ہے کہ آپ کی واضح اور روشن کرامات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ ؓ کے لیے آفتاب پلٹ آیا' اس واقعہ کا ذکر امام طحاوی' قاضی عیاض' شیخ الاسلام ابو زرعہ نے بھی کیا ہے۔ جناب مولانا شاہ ولی اللہ صاحب فرنگی محل لکھنوی اپنی تفسیر معدن الجواہر جلد ۲ میں لکھتے ہیں۔

"تمام علماء کا اتفاق ہے کہ آج تک کسی کے لیے آفتاب نہیں پلٹا۔ سوا تین شخصیتوں کے ایک یوشع وصی موسیٰ' دوسرے سلیمان علیہ السلام' اور تیسرے جناب علی ؓ ابن ابی طالب وہ وصی اور داماد رسول ﷺ بھی تھے۔"

آفتاب کا پلٹنا ایسا صحیح اور عظیم الشان واقع ہے کہ یہ بکثرت صحابہ سے مروی ہے۔ جناب ابن عباس ؓ ابوذر ؓ مقداد ؓ' جابر نے روایت فرمائی ہے اور کتابوں میں اس کا تذکرہ موجود ہے۔

مشہور تفسیر روح البیان نے بھی علی ؓ کی خاطر آفتاب کے پلٹنے کے واقعہ کو بیان کیا ہے اور لکھا ہے کہ آفتاب کا پلٹنا نبوت کے گراں قدر واقعات میں سے ہے جسے ضروری ہے کہ یاد رکھا جائے۔ اس کے علاوہ دیگر کتب میں اس واقعہ کو خاص اہتمام کے ساتھ تحریر کیا گیا ہے۔ اس حدیث کو سب نے متواتر اور مستند تسلیم کیا ہے۔ اس لیے اس کی صحت پر ذرا بھی شک کی گنجائش نہیں رہتی۔

رسول خدا ﷺ کا یہ عظیم تر معجزہ ہے جس سے انسانی عقل حیران ہے یہ کرامات ایسی ہیں جو بشری قوت اور فطرت سے بالاتر ہے تو پھر یہاں یہ کہنے میں ذرا بھی تامل نہیں رہا کہ حضور ﷺ نور ہیں اور علی ؓ اسی نور کا ایک حصہ ہیں۔ زمانہ بھر نے اسے دیکھا اور اسے تسلیم کیا کہ خدا کا رسول ﷺ علی ؓ کو کیا مرتبہ کتنی بڑی افضلیت بخش چکا ہے کہ علی ؓ کی خاطر آفتاب کو پلٹنے پر مجبور کر دیا۔ یہ حضرت علی ؓ شیر خدا کی بہت بڑی فضیلت ہے بلکہ یوں کہہ لیں کہ دنیا والوں کو' مسلمانوں کو' عظمت علی ؓ کا تعارف کرایا جا رہا ہے۔ مقام علی ؓ کی شناخت کرائی جا رہی ہے تاکہ جب آنحضرت ﷺ اس دنیا سے تشریف لے جائیں تو اس وقت خدا کے رسول ﷺ کے وصی کا دامن پکڑ لیں جو ہدایت کی طرف لے جانے والا واحد راستہ ہے۔ اگر اب بھی کوئی مقام علی ؓ کو نہ پہچان سکا تو اس کی کتنی بڑی بدقسمتی ہوگی کہ خدا کے رسول ﷺ بار بار علی ؓ کی عظمت اور افضلیت و اکملیت کا اعلان کر رہے ہیں۔ علی ؓ مجھ سے ہے اور میں علی ؓ سے ہوں۔

فتح مکہ

صلح حدیبیہ کی کفار مکہ نے خلاف ورزی کی جس کی پوری سزا آنحضرت ﷺ دینا چاہتے تھے آپ خفیہ طور پر تیاری میں مصروف رہے۔ حاطب جو مکہ کا باشندہ تھا مسلمان ہو کر مدینہ میں آباد تھا۔ اس نے کسی خفیہ طریقے سے ایک عورت کے ہاتھ اہل مکہ کو خط روانہ کیا

کہ محمد ﷺ عنقریب حملہ کرنے والے ہیں خدا نے وحی کے ذریعہ آپ کو اس کی بشارت دی آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا میرے کسی صحابی نے ایک حبشی عورت کے ذریعہ خط روانہ کیا ہے تم جاؤ اور اس سے خط لے آؤ۔ آپ کے ساتھ دو تین صحابی اور روانہ کئے ان میں ایک زبیر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ روانہ ہوئے تھوڑی ہی دور پہنچے تھے کہ اس عورت کو پا لیا زبیر رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر عورت سے خط کے لیے دریافت کیا۔ اس عورت نے انکار کیا اور اپنی بے گناہی ثابت کرنے کے لیے رونے لگی زبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اس عورت کے پاس خط نہیں ہے چلو واپس مدینہ چلیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ اس عورت کے پاس خط ہے اور نبی کا فرمان کبھی غلط نہیں ہو سکتا مجھے مکمل یقین ہے کہ خط عورت ہی کے پاس ہے۔ بالآخر آپ نے تلوار نکالی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا تو اس نے اپنے بالوں میں سے خط نکال کر دیا۔ آپ اسے لے کر مدینہ واپس آئے یہ واقعہ حدیث اور تاریخ کی تمام کتابوں میں موجود ہے اس واقعہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے یقین کامل کا اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کے ساتھی اور اس عورت کا بے حد اصرار تھا کہ خط نہیں ہے مگر آپ کو قول نبی ﷺ پر کس قدر یقین تھا۔ آنحضرت ﷺ اپنے دس ہزار ہمرکاب اصحاب کے ساتھ بغیر کسی مزاحمت کے مکہ میں داخل ہوئے ایسے موقعہ پر بھی لشکر کا علم حضرت علی رضی اللہ عنہ شیر خدا کے پاس تھا۔ پیغمبر اسلام نے مکہ کو بغیر قتل گیری کرتے ہوئے فتح کیا اپنی کریم النفسی سے پیش آئے سب کی خطائیں معاف فرمائیں آپ نے چند شخصیتوں کے متعلق حکم دیا کہ یہ جہاں بھی ملیں انہیں قتل کر دو خواہ وہ خانہ کعبہ سے چمٹے ہوئے کیوں نہ ہوں۔ پھر خانہ کعبہ کا طواف فرمایا۔ خانہ کعبہ کے اندر جو بت رکھے ہوئے تھے اکثر کو خود آنحضرت ﷺ نے اپنے دست مبارک سے توڑا کچھ بت اوپر تھے جہاں آنحضرت ﷺ کا ہاتھ نہیں پہنچ رہا تھا خاص طور پر سب سے بڑا بت ہبل جو نیچے سے ٹوٹ ہی نہیں سکتا تھا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ارشاد کیا حضور ﷺ آپ میرے شانوں پر چڑھ کر یہ بت گرا دیں آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شانوں پر چڑھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ضعف محسوس ہوا آنحضرت ﷺ فوری نیچے اتر آئے، فرمایا۔ اے علی رضی اللہ عنہ تم کو نبوت کا بار اٹھانے کی طاقت نہیں ہے اب تم اپنے پاؤں میرے شانوں پر رکھ کر بلند ہو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا اور بتوں کو نیچے گرا دیا۔ آنحضرت ﷺ نے دریافت کیا اے علی رضی اللہ عنہ تم نے کیا محسوس کیا۔ آپ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میں دیکھتا ہوں کہ میرا سر عرش تک

پہنچ گیا ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا اے علی رضی اللہ عنہ کیا اچھا نصیب ہے تمہارا کہ خدا کا کام کرتے ہو اور کیا اچھا نصیب ہے میرا جو بار حق اٹھائے ہوئے ہوں۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ آنحضرت کے کاندھوں پر سے کود پڑے۔ آپ مسکرانے لگے پیغمبر ﷺ نے پوچھا علی رضی اللہ عنہ کس بات سے خوش ہو عرض کی اس قدر بلندی سے کودا ہوں اور مجھے کوئی زحمت نہیں ہوئی فرمایا زحمت کیسے ہوتی کہ محمد ﷺ نے تم کو اٹھایا اور جبرئیل نے اتارا۔

(مسند احمد۔ تفسیر نیشاپوری۔ روضتہ الناہیہ)

کیا شان ہے علی رضی اللہ عنہ کی کیا مرتبہ ہے شیر خدا کا۔ آپ کے قدم اور روح اقدس مختار کائنات شافی محشر کے دوش مبارک پر۔ اللہ اللہ علی رضی اللہ عنہ کی شان۔ اس کے بعد ختمی مرتبت نے فرمایا جب میں معراج کی رات آسمان پر گیا تو خدا نے میری پشت پر اپنا ہاتھ رکھا جس کی ٹھنڈک میرے دل نے محسوس کی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فتح مکہ میں آنحضرت ﷺ کی پشت مبارک پر اپنے قدم اسی جگہ رکھے جہاں خدا نے اپنا ہاتھ رکھا تھا۔

(تاریخ خمیس۔ تاریخ حبیب ایسر۔ روضتہ الاحباب)

جنگ حنین

۸ھ شوال مہینہ میں تاریخ اسلام کا مشہور غزوۂ حنین پیش آیا دیگر تمام جنگوں کی طرح اس جنگ میں بھی شیر خدا کی شجاعت اور ثابت قدمی نے دشمنوں کے دانت کھٹے کر دیئے۔ اس جنگ میں ایک موقعہ پر نامی گرامی بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ بھی آنحضرت ﷺ کو تنہا چھوڑ کر بھاگ گئے۔ وہ رسول ﷺ کا پیارا نبی خدا کا وصی کام آیا اور آخر دم تک ثابت قدم رہا۔ وادی حنین میں مسلمانوں کا لشکر داخل ہوا جنگ زور شور سے جاری ہوئی کفار کا حملہ سخت ہوا مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ مسلمان دشمنوں کے مقابلہ کی تاب نہ لا سکے اور بدحواسی کے عالم میں کوئی کدھر کوئی کدھر بھاگا۔ رسول خدا ﷺ نے صحابہ کو دیکھ کر بلند آواز میں فرمایا۔ "اے بیت رضوان والو تم اپنے رسول ﷺ کو تنہا چھوڑ کر کہاں جاتے ہو ایسے میں مسلمانوں کو اپنی جان کی پڑی' نبی کا کچھ خیال نہ آیا۔ دراصل یہ صحابہ ہیں جنہوں نے اسلام تو قبول کر لیا مگر مقام نبوت نہ پہچان سکے۔ یہاں وہی ثابت قدم رہ سکتا ہے جو مقام نبوت کو جانتا ہو اکثر محدثین اور مورخین نے لکھا ہے کہ جو صحابہ بروز حنین ثابت قدم رہے ان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ ' فرزند حارث' عقیل ابن ابی طالب' عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ زبیر بن العوم اور اسامہ بن زید شامل ہیں (کنز العمال' سیرۃ حلبیہ میں اس سے بھی کم

تعداد لکھی ہے مگران سب نے متفقہ طور پر علی رضی اللہ عنہ کی ثابت قدمی کو تسلیم کیا ہے۔) علی رضی اللہ عنہ خدا کے شیر ہیں جن کا تو یہ قول ہے۔ "بستر پر بیماری سے مرنے سے بہتر یہ ہے کہ میں دشمن کی تلوار کے ہزار زخم سے قتل ہو جاؤں۔" اس کے علاوہ اپنے سرکار اپنے آقا سے کس طرح غداری کر سکتے تھے۔ انہیں تو خدا نے اپنے حبیب کی مدد و نصرت کے لیے پیدا کیا۔ ان کا دل مال و دولت' تخت و تاج کی تمنا کے لیے نہ تھا۔ ان کے دل میں سچی محبت تھی ان کی آغوش میں اسلام نے پرورش پائی۔ آنے والے وقت نے یہ ثابت کر دیا کہ آپ کی زندگانی صرف اسلام کی سربلندی کے لیے تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ثابت قدمی سے لڑتے رہے جو لوگ بھاگ گئے تھے انہوں نے جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو لڑتے دیکھا تو ان میں سے چند اصحاب واپس آئے اس جنگ میں بھی نصف تعداد آپ کے ہی ہاتھوں قتل ہوئی۔

(سیرۃ ابن ہشام۔ مستدرک سیرۃ علویہ)

حنین کے بعد غزوۂ طائف پیش آیا یہاں بھی قبیلہ بنی ضیغم کا ایک نامور بہادر سامنے آیا' جس سے مقابلہ کے لیے مسلمانوں میں سے کسی کو جرات نہ ہوئی۔ آخر شیر خدا آگے بڑھے ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کیا جب آپ اس کو قتل کر کے واپس آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرط مسرت سے آپ کو گلے لگا لیا۔ آپ نہایت سرگوشی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے باتیں کرتے رہے' آپ دونوں کے درمیان کسی کو جانے کی اجازت نہ ہوئی تھی۔ جب اس راز و نیاز کی گفتگو کو کافی دیر گزر گئی تو صحابہ کچھ بے چین سے ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "میں خود راز کی باتیں نہیں کرتا بلکہ خدا حکم دیتا ہے تب کرتا ہوں۔ جناب جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ پیغمبر نے بروز طائف حضرت علی رضی اللہ عنہ سے چپکے چپکے باتیں کیں لوگوں نے اس پر کہا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا کے بیٹے کے ساتھ بڑی دیر سے سرگوشی کر رہے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں کی اس چہ میگوئی کی خبر ملی تو آپ نے فرمایا میں نے علی رضی اللہ عنہ سے سرگوشی نہیں کی بلکہ خداوند عالم نے ان سے سرگوشی کی ہے۔"

(جامع ترمذی)

دوسری جگہ اس طرح ہے کہ جب "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے تخلیہ میں راز کہنا شروع کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اعتراض کیا کہ آپ خلوت میں علی رضی اللہ عنہ سے راز کی باتیں کرتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں خود علی رضی اللہ عنہ سے راز کی باتیں نہیں کرتا بلکہ خدا کرتا ہے۔

(معارج النبوۃ رکن ۴ ص ۳۷۷)

حضرت علیؓ کو یہ فضیلت ہمیشہ ہی سے رہی ہے کہ آنحضرت ﷺ آپ ہی کو اپنا ہم راز خیال کرتے تھے اور علی ؓ خدا سے ہم کلام ہوتے تھے جیسا کہ نبی پاک ﷺ کا ارشاد ہے۔ "میں علی ؓ سے ہم کلام نہیں ہوتا بلکہ خدا ہوتا ہے۔" سرکار دو جہاں ہر مقام پر ہر منزل پر حضرت علی ؓ شیر خدا کی عظمت' برتری' افضلیت کا اعلان کرتے جا رہے ہیں تاکہ بعد میں آنے والے گمراہ نہ ہوں اور نبی ﷺ کی ہدایت کے مطابق علی ؓ کو اپنا حاکم اور مولا تسلیم کریں۔

غزوۂ تبوک

"اے علی ؓ تم کو مجھ سے وہی درجہ حاصل ہے جو ہارون ؑ کو موسیٰؑ سے تھا۔" (حدیث نبوی ﷺ)

سرکار دو جہاں' آقائے مختار' نائب خدا' ختمی مرتبت کی حیات طیبہ میں اسلام اور کفر کے بے شمار معرکے ہوئے ہر معرکہ میں آپ ﷺ کے علمدار شیر خدا رہے ہر معرکہ کی نصف سے زائد تعداد آپ کے ہاتھوں سے قتل ہوئی تاریخ اسلام کا یہ واحد واقعہ ہے جس میں آغوش رسالت اپنے معاون سے خالی نظر آتی ہے۔ اس معرکہ میں آپ کا نہ جانا بھی کسی مصلحت سے خالی نہیں۔ ظاہر ہے علی جیسے شیر مرد کو نہ لے جانے کی کوئی نہ کوئی ایسی وجہ ضرور ہے جس کو خدا کا نبی ﷺ جانتا ہے خدا کی مرضی یہی ہے کہ آپ مدینہ میں رہیں۔ شاید اگر آپ اس جنگ میں چلے جاتے تو منافق جو اسلام کا لبادہ تو اوڑھے ہوئے تھے مگر دل سے اسلام کو تسلیم نہیں کیا تھا وہ تمام مکہ والوں سے مل کر اسلامی سلطنت کا تختہ الٹ دیتے۔ غرض کہ اسلام کا نور تمام عربستان میں پھیل چکا۔ ایک ملک شام جو ابھی تک گمراہی میں بھٹک رہا تھا وہاں عیسائیوں کا قبضہ تھا اس کے بادشاہ ہرکلس نے اپنے تمام فوجی دستوں کو تحریری طور پر جنگ کے لیے تیار رہنے کے احکامات جاری کر دیئے۔ جب پیغمبر اسلام ﷺ کو اس تیاری کی خبر ملی تو آپ نے ان کے ناپاک عزائم کی روک تھام کے لیے مسلمانوں کو تیاری کا حکم دے دیا۔ دوسری طرف کچھ شرپسند مدینہ میں بدامنی پھیلا رہے تھے اور عیسائیوں کے بڑے لشکر سے خوفزدہ کر رہے تھے اس موقع پر آنحضرت ﷺ نے مناسب یہی سمجھا کہ مدینہ میں ایسے شخص کو اپنا نائب بنایا جائے جو قابل اعتماد بھی ہو اور ایسے شرپسندوں کے ناپاک عزائم کچلنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہو۔ ایسے موقع پر ان فرائض کی ذمہ داری کے لیے سب سے موزوں فرد اگر کوئی ہو سکتے تھے تو وہ واحد ذات حضرت علی ؓ کی

تھی جن پر اعتماد بھی کیا جا سکتا تھا اور ان میں اتنی صلاحیت بھی موجود تھی جو ایسے منافقین کو کچل سکیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ علی رضی اللہ عنہ تم یہاں رہو اور مدینہ کو سنبھالو۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لشکر لے کر روانہ ہوئے۔ تبوک مدینہ اور دمشق کے درمیان واقع ہے۔ علی رضی اللہ عنہ مدینہ میں رہے علی رضی اللہ عنہ کے مدینہ رہ جانے کی وجہ سے منافقین کے حوصلے پست ہو گئے ان کے وہ تمام عزائم خاک میں مل گئے جو انہوں نے سوچ رکھے تھے آخر کار انہوں نے پروپیگنڈہ شروع کر دیا کہ علی رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف اس لیے ساتھ نہیں لے کر گئے کہ انہیں جنگ کے اہل نہیں سمجھتے تھے۔ اس افواہ نے زور پکڑا یہ خبر آپ تک پہنچی۔ ایسی غلط افواہ جناب علی رضی اللہ عنہ کو سننا کیسے گوارہ ہو سکتی تھی آپ مسلمانوں کو یہ چیز بتانے کے لیے گھوڑے پر سوار ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف روانہ ہوئے تاکہ بعد میں آنے والے زمانے میں یہی خبر باعث نفاق نہ ہو جائے اور کہیں مورخ اندھا بن کر اس واقعہ کو صحیح سمجھتے ہوئے کتابوں میں نہ لکھ ڈالے۔ حالانکہ علی رضی اللہ عنہ یہ تمام باتیں جانتے تھے کہ جو کچھ یہ افواہ ہے وہ سراسر جھوٹ اور بہتان ہے۔ آپ تو جانتے تھے مگر مسلمانوں کو حقیقت سے آشنائی کے لیے آپ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب جناب امیر رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو فرمایا کیا بات ہے جو تم چلے آئے۔ آپ نے اہل مدینہ کا یہ واقعہ بیان کیا پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا منافقین نے تم پر تہمت باندھی ہے جس طرح وہ مجھ پر تہمت باندھ چکے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو مجھے ساحر اور کذاب کہا کرتے تھے اے علی رضی اللہ عنہ میں نے تمہیں مدینہ میں اپنا خلیفہ مقرر کیا ہے پھر آپ نے فرمایا۔ "اے علی رضی اللہ عنہ کیا تم اس پر خوش نہیں ہو کہ تم کو مجھ سے وہی درجہ حاصل ہے جو ہارون کو موسیٰ سے تھا بس فرق صرف اس قدر ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہو گا۔" آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان سے علی رضی اللہ عنہ مسرور ہوئے اور مدینہ پلٹ آئے۔

(تاریخ طبری ابوالفدا۔ مدارج النبوۃ۔ تاریخ الانبیاء۔ روضۃ الصفا' المرتضیٰ باسناد صحیح بخاری)

زمانے نے دیکھ لیا کہ علی رضی اللہ عنہ کا کیا مرتبہ ہے کیا شان ہے علی رضی اللہ عنہ کی۔ یہاں یہ بات بیان کر دینا ضروری ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علی رضی اللہ عنہ کو ساتھ تو لے کر نہیں گئے مگر وہ یہ بھی جانتے تھے کہ اگر مدینہ میں کسی غیر ذمہ دار کو رکھا گیا تو کہیں ایسا نہ ہو کہ تخت و تاج کے لالچ میں آ کر کفار سے مل کر مسلمانوں کی سبقت کو درہم برہم کر ڈالے اور پھر اس جنگ میں علمداری کے عوض اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو جو منزلت جو رتبہ جو قرابت جو درجہ

بخشا ہے وہ کسی اور کے حصے میں کبھی نہیں آیا۔ حضور پاک ﷺ کی یہ حدیث صرف غزوۂ تبوک کے موقعہ پر ہی نہیں بلکہ اور بھی کئی مقامات پر آپ کے لیے یہ الفاظ کہے ہیں۔ حکومت، تخت و تاج تو آنی جانی شے ہے مگر رسول خدا کا فرمان جن الفاظ سے اور جن عہدوں سے آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سرفراز کیا وہ تمام عالم سے افضل و بہتر ہے اگر ہم اس حدیث پاک پر غور کریں تو یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ہی اپنا جانشین مقرر کیا۔ اس حدیث کی رو سے علی رضی اللہ عنہ ہی آپ کے جانشینی کے حقدار ہیں۔ کیونکہ دنیا جانتی ہے کہ ہارون کو موسیٰ کا شریک کار معاون اور وزیر بنایا۔ اگر ان کی زندگی موسیٰ کے بعد باقی رہتی تو یقیناً خلافت کا حق ان ہی کا تھا خدائے بزرگ و برتر کا ارشاد ہے۔

"اور ہم نے موسیٰ کو کتاب توارۃ عنایت کی اور ان کے بھائی ہارون کو ان کا مددگار بنایا پھر ہم نے حکم دیا کہ دونوں بھائی ان لوگوں کے پاس جاؤ جو ہماری قدرت کی نشانیوں کو جھٹلاتے ہیں۔"

بالکل اس طرح آنحضرت ﷺ سرکار دوجہاں نے خدا کی مقدس کتاب لے کر جس طرح حضرت موسیٰ نے دعا کی بالکل اسی طرح سرکار دوجہاں نے دعا کی کہ علی رضی اللہ عنہ کو میرا معاون مددگار بنا جو اس قوم کو بھلائی کی طرف بلائیں۔ (کتاب ارجح المطالب میں تحریر ہے۔ "محمد رسول اللہ ﷺ کی ہم نے تائید اور نصرت علی رضی اللہ عنہ سے کی۔" کنزالعمال میں ہے کہ "اللہ نے رسول ﷺ کی مدد علی رضی اللہ عنہ سے کی ہے۔" اس طرح دیگر کتب میں بھی اس حدیث کو بیان کیا گیا ہے اس حدیث کے متواتر ہونے میں ذرا بھی کسی کو شک نہیں اہل تسنن اور ملت امامیہ کی تمام تر کتب حدیث و تواریخ سے اس حدیث کی صحت کا پتہ چلتا ہے اور ہر ایک نے اس کو تسلیم کیا ہے۔

اس حدیث کی صداقت اور صحت کے لیے سراج المبین کے مصنف نے ص۱۳۹ تا ص۱۴۰ میں ۸۷ ایسے محدثین اور انکی کتابوں کے نام درج کئے ہیں جنہوں نے اس حدیث کی صداقت اور روایت کو صحیح اور مستند تسلیم کرتے ہوئے اپنی اپنی کتابوں میں جگہ دی ہے ان ۸۷ محدثین کی مشترکہ رائے کے بعد کسی بھی مسلم کو انکار کی گنجائش نہیں رہتی۔

تبلیغ سورۂ برائت

"اے پیغمبر ﷺ اس کام کو خود کرو یا اسے بھیجئے جو آپ سے ہو۔" (حکم خدا)

خدائے بزرگ و برتر نے اپنے حبیب ﷺ سرکار دوجہاں اور شیر خدا کی منزلت اور قرابت سے مسلمانوں کو آگاہ کر دیا۔ کاروان حیات آگے بڑھا خدائے بزرگ و برتر کی طرف سے حج کے لیے احکامات جاری ہوئے۔ ان احکامات کی تبلیغ کے سلسلہ میں خدا کی نظر انتخاب حضرت علی رضی اللہ عنہ پر پڑی حالانکہ احکام خداوندی کا اعلان فرمانا نبی ﷺ کا کام ہے مگر خداوند کریم حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ عظیم فضیلت سارے عالم پر عیاں کر رہا ہے کہ مسلمان مقام علی رضی اللہ عنہ کو پہچانیں کہ خدا اسے کس مقام پر لے گیا ہے۔ اب یہ خدا سے کوئی سوال کرے کہ اتنے جلیل القدر اصحاب کی موجودگی میں آخر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کیوں منتخب کیا جاتا ہے کیا وجہ ہے کہ ہر میدان میں پرچم اسلام اس کے ہاتھ میں ہوتا ہے کیا وجہ ہے کہ علی رضی اللہ عنہ کی شجاعت سے ہی رن کانپ اٹھتا ہے میدان جنگ لرز اٹھتے ہیں۔ منافق آپ کو دیکھ کر گھبرا اٹھتے ہیں اسی لیے تو رسول خدا نے حکم خدا سے بار بار اپنی زبان مبارک سے ارشاد فرمایا تھا۔ "علی رضی اللہ عنہ مجھ سے ہے اور میں علی رضی اللہ عنہ سے ہوں۔ علی رضی اللہ عنہ میری اصل ہے۔ میں اور علی رضی اللہ عنہ ایک نور سے پیدا ہوئے ہیں۔" علی رضی اللہ عنہ ہی میرے قرضوں کو ادا کرے گا۔ علی رضی اللہ عنہ ہی میرا وارث ہے، علی رضی اللہ عنہ کو مجھ سے وہی نسبت ہے جو جسم کو سر سے ہوتی ہے۔ آپ کا یہ بار بار اپنے صحابہ کرام کے سامنے ارشاد کرنا بار بار علی رضی اللہ عنہ کا ذکر کرنا یہ سب کچھ علی رضی اللہ عنہ کا تعارف کرایا جا رہا ہے۔ علی رضی اللہ عنہ کی منزلت بیان کی جا رہی ہے۔ شیر خدا کا یہ رتبہ بیان کیا جا رہا ہے تاکہ بعد کے آنے والا زمانہ کہیں مال و زر کی حرص میں اندھا ہو کر علی رضی اللہ عنہ کی مخالفت نہ کرے اور تاریخ یہ بتاتی ہے کہ علی رضی اللہ عنہ کی اس قدر قدر و منزلت واضح کر دینے کے بعد بھی آپ کی مخالفت کی گئی اور بنو امیہ کے دور میں منبر پر بیٹھ کر آپ کو برا بھلا کہا گیا آپ کا نام لینے والوں کی زبانیں کاٹ لی گئیں۔ خدا کا رسول اس لیے بار بار فرماتا رہا کہ "جس نے علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کی اس نے مجھ سے کی۔"

اس وقت ہمیں اپنا سلسلہ تحریر آگے بڑھانا ہے۔ ۹ھ میں سورۃ براۃ پیغمبر اسلام ﷺ پر نازل ہوئی۔ آپ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دے کر بھیجا تاکہ بروز حج ان احکامات کو سنائیں اور یہ اعلان کر دیں کہ اللہ اور رسول ﷺ مشرکین سے بے تعلق ہیں۔ ان سے اب تک جو معاہدے ہوئے تھے ختم کیے جاتے ہیں اس سال کے بعد پھر کوئی مشرک مکہ میں قدم نہ رکھے نہ کوئی فرد خانہ کعبہ کا برہنہ طواف کرے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ یہ سورۃ برات لے کر روانہ ہوئے ابھی کچھ ہی دیر گزری ہوگی خداوند عالم کی طرف سے وحی نازل ہوئی اور رسول

خدا کو حکم ملا۔ "ایسے پیغمبر ﷺ اس کام کو یا تو خود انجام دیجئے یا اسے بھیجئے جو آپ سے ہو۔" حکم ربانی ہے کسی کا کوئی اختیار نہیں خدا کی منشا کچھ اور ہے آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو طلب کیا اور آپ نے فرمایا کہ جا کر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے ملو ان سے سورۂ براۃ کے احکامات تم لے کر مکہ جاؤ اور خدا کی طرف سے یہ اعلان تم کرو۔ خدا نے یہ برتری بھی اپنے احکام کی تبلیغ کا ذمہ بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سونپا۔ آپ روانہ ہوئے اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے ملے ان کو حکم رسول ﷺ سنایا آپ نے ان سے احکامات لیے اور شان سے مکہ داخل ہوئے اور ایک عظیم الشان اجتماع میں خدا کا فرمان سنایا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ واپس مدینے پلٹ آئے اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے اور اپنی معزولی اور علی رضی اللہ عنہ کی ماموری کی وجہ دریافت کی اور کہا کہ میرے لیے کوئی دوسری آیت نازل ہوئی ہے۔ آنحضرت نے فرمایا نہیں' البتہ جبرئیل نے خدا کا یہ حکم سنایا ہے۔ "اس کام کو خود کرو یا ایسے شخص کو دو جو تم میں سے ہو۔" اس تبلیغ کی ذمہ داری ایسے فرد سے پوری ہوگی جو مجھ سے ہو اور علی رضی اللہ عنہ مجھ سے ہے اور میں علی رضی اللہ عنہ سے ہوں۔" میری طرف سے ان کاموں کو صرف علی رضی اللہ عنہ ہی ادا کر سکتے ہیں۔ (صحیح ترمذی۔ المرتضیٰ ابواب تفسیر القرآن' اسپرٹ آف اسلام۔ تفسیر کبیر۔ صحیح امام مسند ابن حنبل' اصابہ با اسناد علامہ ابن خلدون۔ تاریخ مسعودی۔ ابوالفدا۔ روضتہ الصفا۔ تاریخ الانبیاء و دیگر کتب) فتح الباری میں ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔ "پیغمبر ﷺ نے مجھے سورۂ برات دے کر روانہ کیا۔ میں نے تین دن کی راہ طے کی ہوگی کہ پیغمبر ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ سے جا کر ملو اور انہیں میرے پاس واپس کر دو اور خود جا کر سورۂ برات کی تبلیغ کرو۔ چنانچہ علی رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا اور میں مدینہ واپس آگیا۔ میں پیغمبر ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں رو پڑا میں نے عرض کی کیا میرے متعلق کوئی نئی بات رونما ہوئی ہے۔ پیغمبر ﷺ نے کہا کوئی نئی بات نہیں جو ہوا اچھا ہوا البتہ مجھے حکم دیا گیا ہے یہ کام میں خود کروں کر دیا وہ کرے جو مجھ سے ہو۔" (مسند امام احمد بحوالہ نفس رسول)

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ "جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو سورۂ برات دے کر بھیجا اور انکے پیچھے فوراً ہی علی رضی اللہ عنہ کو روانہ کیا اور علی رضی اللہ عنہ نے جا کر وہ سورۃ ان سے لی آنحضرت ﷺ نے ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کہا اس سورۃ کو یا تو میں خود لے جا سکتا ہوں یا وہ جو مجھ سے ہو۔" (مستدرک امام حاکم ریاض النضرہ۔ مستدرک خصائص نسائی۔ مسند امام احمد۔

ازالتہ الخفا۔ اصابہ، ارجح المطالب کے مصنف نے ص ۶۱۲ تا ۶۱۴ سورۂ برأت کے واقعہ کو مختلف روایات سے بیان کیا ہے۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں جناب رسالت مآب نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو سورۂ برأت کے ساتھ روانہ کیا ابھی وہ تھوڑی دور گئے تھے کہ جناب امیر رضی اللہ عنہ کو ان کے پیچھے روانہ کیا اور وہ ان سے سورۃ لے کر مکہ کو چلے گئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دل میں ملال گزرا۔ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس آئے۔ آپؐ نے ارشاد کیا کہ مجھ سے مختص فرائض کوئی دوسرا ادا نہیں کر سکتا یا وہ آدمی جو میرا ہو۔" (ارجح المطالب) اس حدیث کو ارجح المطالب کے مصنف نے حضرت علی رضی اللہ عنہ، ابن عباس رضی اللہ عنہ، ابوسعید رضی اللہ عنہ، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ دیگر کتب میں اس کی روایت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے بھی ہے۔

محدثین و مورخین اس روایت پر متفق ہیں اور روایت کو مسلسل بیان کیا گیا ہے اس حدیث کا ایک ایک لفظ اہمیت کا مالک ہے کہ خداوند عالم کا ارشاد ہے کہ یہ کام آپ خود کریں یا وہ جو آپ سے ہو۔ آپ نے اس کام کی ذمہ داری حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سونپی جس سے یہ بات عیاں ہو گئی کہ دیگر اصحاب اور حضرت علی رضی اللہ عنہ میں کیا فرق ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ کا کیا مرتبہ ہے یا یوں کہہ لیں کہ خداوند کریم نے علی رضی اللہ عنہ کو جو فضیلت بخشی ہے وہ کسی اور کے حصہ میں نہیں حالانکہ احکامات ربانی کی تبلیغ کی ذمہ داری صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے مگر خدا نے یہ واضح اعلان کر دیا کہ اس کام کو وہ شخص بھی کر سکتا ہے جو آپ سے ہو تو اس کا مقصد یہ ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور علی رضی اللہ عنہ ایک ہیں۔ یہاں پھر ہم اس بات کو لکھنے پر مجبور ہیں اور اس حقیقت کو تسلیم کرنے میں ذرا بھی تامل نہیں کرنا چاہیے کہ علی رضی اللہ عنہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی تو ہیں اور خداوند کریم نے تمام کائنات سے قبل ان کو خلق کیا اور جب خدا کو منظور ہوا تو خدا نے ان کا نور بشری شکل میں نمودار اس لیے صرف کیا تاکہ جو احکامات خدا کے ہیں یہ دونوں ان پر عمل کر کے دکھائیں تاکہ کل آنے والا کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ خدا کے احکامات بشری قوت سے بالاتر ہیں یا کوئی ایسا نمونہ نہ تھا جس کی پیروی کرتے۔ حقیقت میں خدا نے ان دونوں کے کردار کو زمانے کے سامنے اس لیے پیش کیا تاکہ دین اسلام کے متوالے آپ کی پیروی کرتے ہوئے راہ نجات کی طرف رواں ہوں اور خدا نے بتا دیا اگر کوئی راستہ ہے تو صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم و آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ ہے جو ہمیشہ نیکی اور نجات کے راستے پر لے جائیں گے۔ جہاں اگر بندوں سے خطائیں بھی ہو گئیں تو ان کا

دامن پکڑنے والے روز محشر ان ہی کی سفارش سے ناجی بن جائیں گے یہاں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ تاریخ اسلام پر جن کی نظریں گہری ہیں اور حقائق کو تسلیم کرنے والے انسان اس حقیقت کو تسلیم کرنے میں ذرا بھر بھی کوتاہی سے کام نہیں لیتے تمام انسانی اور روحانی صفات کے مجسم بعد از نبی ﷺ حضرت علی رضی اللہ عنہ شیر خدا ہیں۔

واقعہ مباہلہ

تاریخ اسلام کا وہ عظیم واقعہ جس کو مباہلہ با اشراف کے نام سے یاد کیا جاتا ہے جس میں خدائے بزرگ و برتر نے پنجتن پاک اہل بیت حضرت علی رضی اللہ عنہ مشکل کشا شیر خدا فاتح خیبر کو اس مقام پر پہنچا دیا ہے جس کی رفعت و بلندی عظمت و افضیلت شان و شوکت سے کسی مسلمان کو انکار کی جرات نہیں ہو سکتی اس واقعہ کی صداقت اور روایت کو مسلمانوں کے تمام فرقوں نے تسلیم کیا اور محدثین و مورخین نے اپنی اپنی کتابوں میں تحریر کیا اس واقعہ سے تمام حقیقت کھل کر عیاں ہوگئی خدا کے رسول ﷺ نے مقام اہل بیت اور مقام علی رضی اللہ عنہ کو واضح کر دیا جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ہمارا اوروں کے ساتھ قیاس نہ کیا کرو۔ واقعہ مباہلہ کی تفصیلات مختصر الفاظ میں یہاں بیان کی جاتی ہیں کہ ملک یمن کے شہر نجران کے انصاریوں نے دعوت اسلام کو نامنظور کیا ان کا ایک ۱۴ رکنی وفد جس میں ان کے چوٹی کے عالم اور ماہر نجوم شامل تھے مقابلہ کی غرض سے مدینہ پہنچے ان میں سے ایک عامر جو قبیلہ نجران کا رئیس تھا دوسرا الیتم جس کو امید بھی کہتے ہیں تیسرا ابوالحارث جو ایک بہت بڑا عالم اور نہایت عقل و فہم کا مالک تھا چوتھا کرز جو ابوالحارث کا بھائی تھا جو اپنی علمی لیاقت و قابلیت میں اپنے بھائی کے ہمہ پلہ تھا سرکار دوجہاں ختمی الرتبت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ سے علمی مقابلہ اور مناظرہ کرنا چاہا اس میں ان کو ناکامی ہوئی۔ آخر مباہلہ پر آمادگی کا اظہار کیا۔ عرب میں یہ قدیم دستور چلا آرہا ہے کہ فریق اپنے اپنے دعویٰ پر قسمیں کھاتے اور جھوٹوں پر لعنت بھیجتے۔ خدا کے رسول ﷺ اپنے رب کے حکم کے منتظر تھے خدا کا فرمان آیا۔ ”کہ جب تمہارے پاس قرآن آچکا ہے اس کے بعد تم سے کوئی نصرانی عیسیٰ کی حجت کرے تو کہو کہ اچھا میدان میں آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بلائیں تم اپنے بیٹوں کو بلاؤ۔ ہم اپنی عورتوں کو بلائیں تم اپنی عورتوں کو بلاؤ۔ ہم اپنی جانوں کو بلائیں تم اپنی جانوں کو بلاؤ اس کے بعد ہم سب مل کر خدا کی بارگاہ میں گڑگڑائیں اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت کریں۔

پیغمبر خدا ﷺ نے حکم الٰہی ان کو سنایا مگر ان لوگوں نے تسلیم نہیں کیا۔ پیغمبر اسلام نے

فرمایا- جب تم میری باتوں پر یقین نہیں کرتے تو پھر آؤ مباہلہ کریں یعنی ایک دوسرے کے متعلق بددعا کریں چنانچہ پیغمبر اسلام ﷺ اور بنی نجران کے درمیان دوسرا دن مقابلہ کے لیے طے ہوا یہاں طاقت کا مقابلہ نہیں بلکہ روحانیت کا مقابلہ ہے۔

دوسرا دن آیا کیا روح پرور منظر ہے پیغمبر اسلام ﷺ بنی نجران کے قبیلہ کے عظیم سرداروں اور جید عالموں کے مقابلے کے لیے گھر سے روانہ ہوئے کوئی فوج نہیں کوئی ہتھیار نہیں- آپ نے کائنات میں سے ان مقدس نفوس کو چن لیا جن کی معصومیت اور طہارت کے سامنے فرشتہ بھی شرمندہ ہیں دنیائے اسلام کے تمام محدثین و مورخین اس بات کی گواہی دے رہے ہیں آپ نے جن بچوں کو منتخب کیا ایک امام حسنؑ ہیں دوسرے امام حسینؑ - تمام کائنات میں سے جس خاتون کو چنا وہ آپ کی بیٹی جناب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا ہیں تمام مردوں میں سے جن کو منتخب کیا وہ مرد حضرت علی رضی اللہ عنہ شیر خدا ہیں ایک بچے کو گود میں لیا ایک کو انگلی کے ساتھ لگایا خاتون آپ کے پیچھے ہیں' جوان ان سب کے پیچھے پیچھے ہے گھر سے روانہ ہوئے آپ نے اپنے نفسوں سے فرمایا جب میں بددعا کروں تو تم سب آمین کہنا۔ مقابلہ کے لیے میدان میں پہنچے بنی نجران پہلے سے منتظر تھے یہ دیکھ کر حیران ہو گئے کہ خدا کا نبی ﷺ ہم جیسے عالموں کے مقابلہ کے لیے کن بچوں کو ساتھ لے آیا- بنی نجران نے جب یہ معصوم و طاہر چہرے دیکھے تو خوفزدہ ہو گئے ان میں سے ایک جس کا نام ابوالحارث تھا جو نہایت دانا و حکیم تھا اس نے کہا میں یہ چند چہرے ایسے دیکھ رہا ہوں کہ اگر یہ خدا سے چاہیں کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائیں خدا ان کی خواہش کے مطابق پہاڑ کو ہٹا سکتا ہے۔ اس نے اپنی قوم والوں سے کہا خدا کے لیے ان سے مقابلہ نہ کرو ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے خدا کی قسم روئے زمین پر ایک بھی نصرانی زندہ نہیں بچے گا' سب جل کر راکھ ہو جائیں گے۔ آخر انہوں نے حضرتؐ سے کہا ہم آپ کے ساتھ مباہلہ نہیں کریں گے آپ نے کہا پھر جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ انہوں نے کہا ہم میں آپ سے لڑنے کے لیے طاقت نہیں ہم آپ سے مصالحت چاہتے ہیں۔ اس طرح نبی نے اپنی باتیں منوانے کے بعد ان سے مصالحت منظور فرمائی- اس واقعہ کو سواد اعظم اور ملت امامیہ کے تمام محدثین و مورخین نے صحیح مانا ہے اور اپنی اپنی کتابوں میں اس واقعہ کو درج کیا ہے-

(روضتہ الصفا- مدارج النبوۃ' تاریخ الخمیس' تاریخ کامل ابن اثیر' تاریخ الانبیاء' المرتضی' اتحاف' اہل اسلام' حبیب السیر' تفسیر درمنشور' تفسیر کبیر' فخرالدین رازی' تفسیر کشاف' مستدرک' روضتہ

الاحباب' تفسیر بیضاوی' تفسیر معالم التنزیل' صواعق محرقہ' سیرۃ الجلیہ و دیگر کتب)

اس آیت مباہلہ میں جناب امیر رضی اللہ عنہ کی وہ عظیم الشان فضیلت بیان کی گئی ہے جس کے سامنے جہاں بھر کی ساری فضیلتیں ہیچ نظر آتی ہیں۔ اس مباہلہ میں جناب امیر رضی اللہ عنہ کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا نفس قرار دیا اور اپنا نفس اسی کو ہی قرار دیا جا سکتا ہے جو تمام رتبہ میں اس کے ہم پلہ ہو یعنی اس جیسا ہو اس کا یہ مطلب ہوا کہ جو کچھ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف حمیدہ ہیں ان سب کا مکمل اور کامل نمونہ صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ذات ہیں۔ تمام دنیا نے دیکھا کہ اس وقت معزز ترین صحابہ کرام موجود تھے نامی گرامی ساتھی بھی تھے مگر مباہلہ کے موقعہ پر آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ لیا کیونکہ نصرانیوں سے جو وعدہ ہوا تھا وہ اپنے نفسوں کے بارے میں ہوا تھا اس مقابلہ میں اسی کو ہی ساتھ لیا جا سکتا تھا جو کہ ہر لحاظ سے آپ کا نفس کہلانے کا مستحق ہو اس طرح اس وقت بچے بھی بہت سارے تھے مگر آپ نے اپنے نواسوں کو ساتھ لیا اور یہ آپ کے نواسے نہیں بلکہ آپ کی اولاد ہیں عورتوں میں آپ کی ازواج مطہرات بھی تھیں مگر یہاں جناب سیدہ رضی اللہ عنہا کے سوا کسی کو نہیں لیا خداوند کریم نے کیا منزلت' کیا درجہ علی کو بخشا جہاں تاریخ اسلام آپ کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ نفس پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہونا جناب امیر رضی اللہ عنہ کی وہ جلیل القدر فضیلت ہے کہ اس کے سامنے ہر ایک کی پیشانی جھک جاتی ہے تمام سر خم ہو جاتے ہیں اس حقیقت کے بعد ذرہ برابر بھی اس میں شک کی گنجائش نہیں رہتی کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد تمام خلائق سے افضل و بہتر علی رضی اللہ عنہ ہیں۔

تفسیر کشاف میں ہے کہ "حدیث کسا اہل بیت کی فضیلت پر ایسی زبردست دلیل ہے جس سے زیادہ قوی کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔"

علامہ فخرالدین رازی کہتے ہیں اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ سابق کل انبیاء مرسلین سے افضل نہیں ہوتے تو حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس قسم کی حدیث ارشاد نہ فرماتے' حضرت علی رضی اللہ عنہ سب آدمیوں سے بہتر ہیں جو اس سے انکار کرے وہ کافر ہے' جو شخص یہ اعتقاد نہ رکھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سب آدمیوں سے بہتر ہیں تو وہ کافر ہے۔ (کنزالعمال)

علامہ سید علی ہمدانی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں۔ "ابو دباح حضرت ام سلمہ کے غلام بیان کرتے ہیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر خداوند عالم نے علی رضی اللہ عنہ فاطمہ رضی اللہ عنہا حسن رضی اللہ عنہ و حسین رضی اللہ عنہ سے زیادہ کسی کو افضل جانا ہوتا تو یقیناً میں انہی کی مدد سے مباہلہ کرنے کا حکم

دیتا- اس نے مجھے حکم دیا کہ علی رضی اللہ عنہ فاطمہ رضی اللہ عنہا حسن رضی اللہ عنہ و حسین رضی اللہ عنہ کی مدد سے مباہلہ کروں اور یہی لوگ دنیا کے تمام لوگوں سے افضل ہیں-"

اس آیت کی رو سے ایک اہم بات یہ بھی واضح ہو گئی کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وعدہ کیا تھا کہ ہم اپنے بیٹوں کو لائیں گے' دنیا نے دیکھا کہ انہوں نے اپنے بیٹوں کی جگہ اپنے نواسوں حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ کو خدا کی منشا سے لیا- خدا نے آپ کی نسل ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دی ہے آپ نے خود متعدد موقعوں پر انہیں اپنا بیٹا قرار دیا ہے- طبرانی میں تحریر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا- "فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد کا میں والی اور عصبہ ہوں- حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روائت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ اولاد فاطمہ کا والی اور عصبہ میں ہوں- مسعودی مروج الذہب میں لکھتے ہیں کہ جناب عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس میں بیٹھا تھا کہ جناب امیر رضی اللہ عنہ آئے تو آپ انہیں دیکھ کر خوش ہوئے میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس لڑکے کو دیکھ کر آپ کا چہرہ کیوں چمک اٹھا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس سے مجھ کو بہت محبت ہے میرے بعد میری ذریت اس کے سبب سے باقی رہے گی- سیرۃ علویہ میں ہے کہ متعدد حدیثوں سے یہ بات ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نسل کو اپنی نسل اور اپنی ذریت کو صلب جناب امیر رضی اللہ عنہ سے ظاہر ہونا بیان فرمایا ہے-

علامہ ابن حجر کہتے ہیں یہ حدیث بہت سے طریقوں سے مروی ہے اس میں کسی قسم کے شک کی گنجائش نہیں اور بہت سی کتابوں میں یہ حدیث تواتر کے ساتھ بیان کی ہے-

آیت مباہلہ اور آیت تطہیر میں بھی اہل بیت سے مراد یہی چاروں حضرات ہیں جس کو صحیح بخاری' صحیح مسلم' جامع ترمذی اور مشکوٰۃ و دیگر تمام کتابوں میں بیان کیا ہے-

عامر رضی اللہ عنہ ابن سعد اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ جب یہ آیت ندع ابناء نا و ابناء کم نازل ہوئی تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی رضی اللہ عنہ فاطمہ رضی اللہ عنہا حسن رضی اللہ عنہ و حسین رضی اللہ عنہ کو بلایا اور دعا کی' خدایا! یہی میرے اہل بیت ہیں-

(صحیح بخاری' صحیح مسلم' ترمذی' مشکوٰۃ و دیگر کتب)

علامہ فخرالدین رازی لکھتے ہیں- "جناب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیاہ کمبل میں سے نکلے تو آپ کے پاس امام حسن رضی اللہ عنہ آئے حضرت نے انہیں کمبل میں لے لیا پھر حسین رضی اللہ عنہ کو داخل کیا پھر جناب فاطمہ رضی اللہ عنہا آئیں انہیں بھی کمبل میں داخل کیا پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ آئے

انہیں داخل کیا تب حضرت نے فرمایا اے اہل بیت اللہ کا یہی ارادہ ہے کہ تم سے ہر برائی کو دور کرے' اور تم کو اچھی طرح پاک و پاکیزہ کر دے۔ اس حدیث کی روایت کی صحت پر علماء علم تفسیر و حدیث نے اتفاق کیا ہے۔"

خداوند کریم نے پیغمبر اسلام ﷺ پر آیات مباہلہ نازل فرما کر اور بنی نجران کو کھلے میدان میں شکست دے کر محدثین و مورخین کو یہ بات پر لکھنے مجبور کر دیا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ فاطمہ رضی اللہ عنہا حسن رضی اللہ عنہ حسین رضی اللہ عنہ کو جو مرتبہ' جو فضیلت بارگاہ الٰہی سے عطا ہوئی وہ کسی صحابی' ازواج میں سے کسی اور بچوں میں سے کسی کو نہ ہو سکی ان کا کوئی ہمسر نہیں نہ آپ سے پہلے تھا اور نہ ہی قیامت تک ہو سکتا ہے اگر ہم کچھ دیر کے لیے اہل بیت کا تمام خلائق سے مقابلہ کریں تو سب سے افضل و برتر ہیں حالانکہ سب جانتے ہیں کہ جب بنی نجران سے مقابلہ ہوا آپ کی ازواج مطہرات و نامی گرامی صحابہ کرام سب موجود تھے مگر یہ فضیلت یہ مرتبہ صرف اہل بیت کے حصہ میں آیا نبی پاک کی حیات طیبہ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے اپنی تمام حیات میں جہاں جہاں بھی ذکر خدا کیا یا جب بھی احکام خدا کے بندوں کو سنائے وہاں آپ نے اہل بیت کا نہایت شد و مد کے ساتھ ذکر کیا ہے اور مسلمانوں کو بار بار ہدایت کی کہ میرے بعد ان کو وہی مقام دینا' اسی نگاہ سے دیکھنا جس نگاہ سے میں دیکھتا ہوں یہی وجہ ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ آپ کو ہمیشہ سب سے بلند و برتر بنا کر پیش کرتے رہے تاکہ آنے والے زمانے میں جب میں نہ ہوں تو مسلمان انہیں وہی مرتبہ دیں جو وہ اپنی زندگی میں دے چکے تھے۔ آنے والے زمانے نے یہ بات ثابت کر دی کہ خدا کے رسول ﷺ کو مسلمانوں کی گمراہی کا جو خوف تھا وہ غلط نہ تھا۔

فضائل مرتضوی رضی اللہ عنہ

جناب امیر رضی اللہ عنہ کے فیصلے

بیچ ان قضایا کے جن کو جناب امیر رضی اللہ عنہ نے فیصل کیا اور کسی کو ان کا سا فیصل کرنا نصیب نہ ہوا۔

قضیہ اول

منقول ہے کہ ایک بار چند آدمیوں نے شیر کے پکڑنے کے واسطے صحرائے یمن میں ایک گہرا گڑھا کھودا۔ اتفاق سے شیر اس میں آن گرا جب یہ خبر شہر میں مشتہر ہوئی تو اہل شہر اس کے دیکھنے کو آئے اور کنارہ پر اس گڑھے کے کھڑے ہو کر اس کو دیکھنے لگے۔ قضارا ان میں سے ایک شخص کا پاؤں کنارہ پر سے پھسلا اور جب وہ گرنے لگا تو اس نے دوسرے شخص کا ہاتھ پکڑ لیا۔ دوسرے نے تیسرے شخص کا ہاتھ پکڑا تیسرے شخص نے چوتھے شخص کا ہاتھ پکڑا غرض چاروں شخص اس گڑھے میں گر پڑے اور شیر نے ان چاروں شخصوں کو ہلاک کیا اور یہ قضیہ جناب امیر رضی اللہ عنہ کے روبرو پیش ہوا۔ اس جناب نے فرمایا کہ شخص اول تو شکار شیر تھا پس اس پر ایک ثلث دیت واسطے دوسرے شخص کے ہے۔ اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ نے باقی اشخاص کے بارے میں بھی فیصلہ صادر فرمایا۔ یہ خبر جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو فرمایا

کہ ابوالحسن نے جو حکم دیا موافق خدا کے کیا جو اس نے عرش پر کیا ہے۔

قضیہ دوم

دو شخص آپس میں جھگڑتے ہوئے رسول خدا ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے پس ایک نے ان میں سے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ اس شخص کی گائے نے میرے گدھے کو ہلاک کیا آپ نے فرمایا کہ تم دونوں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس جاکر اپنا قضیہ بیان کرو اور اس سے اس میں حکم چاہو' پس وہ دونوں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور اپنا قضیہ بیان کیا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم رسول خدا ﷺ کو چھوڑ کر میرے پاس کیونکر آئے انہوں نے کہا کہ ہمیں رسول خدا ﷺ ہی نے تمہارے پاس بھیجا ہے' ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جانور نے جانور کو مارا اس کے مالک پر کوئی چیز عائد نہیں ہوتی۔ وہ دونوں یہ حکم لے کر پھر رسول خدا ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ حکم دیا ہے' آپ نے فرمایا کہ اب تم عمر کے پاس جاؤ وہ عمر کے پاس آئے اور کہا کہ ہمیں رسول خدا ﷺ نے تمہارے پاس اس غرض سے بھیجا ہے کہ تم ہمارے قضیہ میں کچھ حکم دو۔ عمر نے بھی وہی جواب دیا کہ جو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دیا تھا وہ پھر رسول خدا ﷺ کی خدمت میں آئے اور آپ نے فرمایا کہ اب تم علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ۔ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے ان کا قضیہ سن کر ارشاد کیا کہ اگر گائے نے گدھے کے تھان پر جہاں بندھا رہتا تھا جاکر اس کو مارا ہے تو اس کے صاحب پر قیمت اس گدھے کی ہے اور اگر حمار گیا تھا گائے کے پاس تو اسے کے صاحب یعنی گائے کے مالک پر کچھ نہیں یہ سن کر وہ دونوں رسول خدا ﷺ کے پاس آئے اور ماجرا بیان کیا۔ آپ نے فرمایا کہ علی رضی اللہ عنہ نے حکم کیا تم میں ساتھ حکم اللہ غرامسہ کے اور پھر فرمایا کہ حمد ہے خدا کی کہ پیدا کیا ہم اہل بیت میں اس شخص کو جو حکم کرتا ہے اوپر طریقہ داؤد کے قضایا میں۔

قضیہ تیسرا

اوپر طریقہ عامہ وہ خاصہ کے منقول ہے کہ ایک شخص کو لائے کہ اس نے شراب پی تھی۔ پس ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ارادہ کیا کہ اس پر حد کو قائم کرے اس شخص نے کہا کہ مجھے علم اس کی حرمت کا نہ تھا اور میں نہ جانتا تھا کہ یہ حرام ہے اس واسطے کہ میں نے اس قوم میں پرورش پائی ہے کہ جن کے نزدیک شراب حلال ہے اور مجھے اب تک اس کی حرمت کا علم

نہیں ہوا پس یہ سن کر ابوبکر رضی اللہ عنہ متردد ہوا اور کہا کہ اس کے باب میں کیا حکم کیا جائے ایک شخص نے جو اس وقت حاضر تھا کہا کہ اس علم کو علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے پوچھو۔ پس آپ سے پچھوایا کہ اس شخص کے واسطے کیا حکم ہے۔ جناب امیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دو آدمی مسلمان ثقہ کو حکم کر کہ وہ مجالس مہاجر و انصار میں جائیں اور ان کو قسم دے کر پوچھیں کہ آیا تم میں سے کسی نے اس شخص پر آیہ تحریم کو پڑھا ہے اور حرمت شراب سے اس کو خبر دی ہے اگر کوئی اقرار نہ کرے تو تو اس سے توبہ کرا کے چھوڑ دے غرض کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایسا کیا کہ سب سے پوچھ کر اس کو چھوڑ دیا۔

قضیہ چوتھا

مروی ہے کہ ایک یہودی ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کیا تو ہی ہے خلیفہ اس امت کا۔ خلیفہ صاحب نے فرمایا کہ ہاں میں ہی ہوں۔ اس نے کہا کہ میں نے دیکھا ہے کہ انبیاء کے خلفا سب امت سے اعلم تر ہوتے ہیں۔ اگر تم خلیفہ ہو تو مجھے بتاؤ کہ خدا کہاں ہے' آسمان میں یا زمین میں ہے' یا دوسرے مکان میں۔ ابوبکر نے کہا کہ یہ کلام زنادقہ کا سا ہے۔ اے شخص تم میرے پاس سے چلا جا۔ واللہ میں تجھے قتل کروں گا وہ شخص یہ سن کر نہایت متعجب و حیران خلیفہ صاحب کے پاس سے نکلا اور اسلام پر استہزاء کرتا تھا کہ راہ میں جناب امیر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی۔ آپ نے فرمایا کہ اے یہودی میں نے جانا جو کچھ کہ تو نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے سوال کیا اور اس نے تجھے جواب دیا۔ مگر میں یہ کہتا ہوں کہ خدائے تعالیٰ نے معین کیا ہے مکان کو پس نہیں ہے مکان واسطے اس کے اور برتر ہے اس سے کہ گھیرے اس کو مکان اور وہ بیچ ہر مکان کے ہے۔ بغیر اس کے کہ مس کرے مکان کو یا مجاور ہو مکان کا احاطہ کرتا ہے علم اس کا اس چیز کو کہ جو مکان میں ہے' اور نہیں خالی بے تدبیر اس کی سے کوئی شے مکان سے اور اگر میں خبر دوں تجھے اس چیز سے کہ جو تیری کتابوں میں ہے آیا تو اس کی تصدیق کرے گا اور اس پر ایمان لائے گا یہودی نے کہا کہ ہاں میں ایمان لاؤں گا۔ آپ نے فرمایا آیا تو نے دیکھا ہے اپنی کتابوں میں موسیٰ بن عمران ایک روز بیٹھے تھے کہ ایک فرشتہ جانب مشرق سے آیا۔ موسیٰؑ نے اس سے پوچھا کہ تو کہاں سے آیا اس نے کہا کہ خدا کے نزدیک سے' پھر دوسرا فرشتہ آیا۔ اس سے پوچھا کہ تو کہاں سے آیا ہے' اس نے کہا کہ آسمان سے خدا کے نزدیک سے۔ حضرت موسیٰؑ نے کہا کہ منزہ اور پاک ہے وہ شخص کہ نہیں خالی ہے جس سے مکان اور نہیں ہے طرف مکان کے کہ اقرب ہو مکان سے پس یہودی نے کہا کہ اشہد ان

هذا هوا لحق وانک احق نبیک ممن استوے علیه۔ یعنی گواہی دیتا ہوں میں کہ یہ تحقیق یہی امر حق ہے اور تو احق اور لائق ہے واسطے جگہ نبی ﷺ اپنے کے ان لوگوں سے کہ جو غالب ہوئے اس پر اور بہ تغلب اس کی جگہ گئے ہیں۔

قضیہ پانچواں

مروی ہے ایک مجنونہ سے زمانہ خلافت عمر میں کسی شخص نے زنا کیا۔ اس کو خلیفہ صاحب کے پاس پکڑ لائے اور گواہوں نے اس پر گواہی دی خلیفہ صاحب نے اس پر کوڑے مارنے کا حکم دیا۔ پس اس کو جناب امیر رضی اللہ عنہ کے پاس لائے تاکہ وہ جناب رضی اللہ عنہ اس پر حد جاری کریں۔ آپ نے پوچھا مجنونہ آل فلاں سے کیا قصور ہوا۔ لوگوں نے عرض کی کہ کسی شخص نے اس سے زنا کیا ہے اور وہ بھاگ گیا ہے اور بینہ اس پر قائم ہوئے ہیں۔ اس واسطے عمر نے اس پر کوڑے مارنے کا حکم دیا ہے۔ آپ نے یہ سن کر فرمایا کہ اس کو پھر لے جاؤ عمر کے پاس اور کہو اس سے' آیا نہیں جانتا تو کہ یہ مجنونہ ہے آل فلاں کی اور بہ تحقیق کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ رفع القلم من المجنون حتی یفیق یعنی اٹھائی گئی ہے قلم مجنون سے تاایں کہ افاقہ پائے۔ لانها مغلوبته علی عملها و نفسها اس واسطے کہ وہ مجنونہ مغلوب العقل اور مغلوب النفس ہے۔ پس اس کو عمر کے پاس پھر لے گئے اور جو کچھ جناب امیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا عمر سے کہا۔ عمر نے کہا کہ فرح الله عنه فرحا" لقد کدت ان اہلکت فی بلدها۔ خوش کرے اللہ اس کو قریب تھا کہ میں ہلاک ہوتا' بسبب کوڑے مارنے کے۔ غرض خلیفہ صاحب نے حد کو اس پرسے موقوف کیا۔

قضیہ چھٹا

مروی ہے کہ ایک عورت حاملہ کو عمر کے پاس لائے اور کہا کہ اس نے زنا کیا ہے۔ خلیفہ صاحب نے اس کے رجم کا حکم دیا۔ جناب امیر رضی اللہ عنہ نے خلیفہ سے فرمایا کہ ہاں اس عورت پر تجھے سبیل ہے' تو کیا سبیل ہے تیرے لیے اس طفل پر کہ جو اس کے شکم میں ہے' حالانکہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے۔ لا تزر وازرۃ وزر اخریٰ۔ عمر نے یہ سن کر کہا کہ لاعشت المعضاته" لایکون لها ابوالحسن۔ یعنی زندہ ہوں میں واسطے مشکل کے کہ نہ ہو ابوالحسن واسطے اس کے پھر عمر نے پوچھا کہ اب اس کے باب میں کیا

کرنا چاہیے' آپ نے فرمایا کہ تو اس کی محافظت اور نگہبانی جننے تک کر پس جبکہ یہ جن چکے اور پا وے اپنے فرزند کے واسطے کسی عورت کو کہ اس کی کفالت کرے تو پھر تو اس پر حد جاری کرنا یہ سن کر عمر خوش ہوا اور جناب امیر رضی اللہ عنہ پر حکم اس کا محول کیا۔

قضیہ ساتواں

مروی ہے کہ دو عورتیں ایک لڑکے پر جھگڑا کرتی ہوئی آئیں اور پیش عمر ہر واحد نے اس لڑکے کا دعویٰ کیا۔ یعنی ایک نے کہا کہ یہ لڑکا میرا ہے۔ دوسری نے کہا کہ یہ لڑکا میرا ہے۔ چونکہ ثبوت دونوں کے پاس نہ تھے۔ حضرت خلیفہ صاحب پر حکم ان کا مشتبہ ہوا۔ یعنی یہ نہ جانا کہ ان کے واسطے کیا حکم ہے اور خوف کیا جناب امیر رضی اللہ عنہ سے بھی۔ اس واسطے خلیفہ صاحب کچھ جواب نہ دے سکے اور بلایا جناب امیر رضی اللہ عنہ کو اور قصہ ان کا بیان کیا۔ آپ نے ان دونوں عورتوں کو اولاً نصیحت کی اور خدا کا خوف دلایا اور بہت سمجھایا اور ڈرایا۔ مگر وہ عورتیں اپنے دعوے سے دست بردار نہ ہوئیں۔ پس جب جناب امیر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ وہ عورتیں کسی طرح نہیں سمجھتیں اور دعوے سے دست بردار نہ ہوئیں تو حکم دیا کہ ایک آرہ لاؤ۔ ان عورتوں نے پوچھا کہ آپ آرے کو کیوں منگواتے ہیں کیا کریں گے۔ فرمایا کہ اس لڑکے۔ دو ٹکڑے کر کے ایک ایک ٹکڑا اس کا تم دونوں کو دیا جائے گا۔ یہ سن کر ایک تو چپ ہو رہی مگر دوسری عورت نے کہا کہ یا امیرالمومنین رضی اللہ عنہ واے وصی رسول رب العالمین میں اس لڑکے سے دست بردار ہوئی آپ یہ لڑکا اسی عورت کو دے دیں' میں اس کا چیرنا اور دو ٹکڑے ہونا نہیں چاہتی۔ جناب امیر رضی اللہ عنہ نے جب یہ حال اس کا دیکھا تو فرمایا کہ یہ لڑکا بے شک تیرا ہی ہے نہ کہ اس کا۔ اگر اس کا ہوتا تو اس کو بھی اس پر رحم آتا اور اس کے چیرنے پر راضی نہ ہوتی پھر اس عورت دوسری نے بھی اقرار کیا کہ یہ عورت حق پر ہے اور یہ لڑکا اسی کا ہے نہ میرا غرض آپ نے وہ لڑکا اس کی ماں کو دے دیا۔ خلیفہ صاحب یہ دیکھ کر کمال خوش ہوئے اور جناب امیر رضی اللہ عنہ کے حق میں بہت سی دعائیں دیں۔

قضیہ آٹھواں

مذکور ہے کہ ایک روز دارالشرع میں پانچ شخصوں کو بجرم زنا خلیفہ ثانی عمر بن الخطاب کے پاس پکڑ کے لائے خلیفہ صاحب نے پانچوں کے واسطے حد جاری کرنے کا حکم دے دیا۔ اتفاقاً جناب امیر رضی اللہ عنہ تشریف لائے آپ نے اس حکم کو موقوف کر کے ایک کے واسطے گردن

مارنے کا حکم دیا اور دوسرے کے واسطے سنگسار کرنے کا اور تیسرے کے لیے حد جاری کرنے کا اور چوتھے کے لیے نصف حد مارنے کا اور پانچویں کے لیے کچھ تعذیر دینے کا حکم دیا۔ خلیفہ صاحب نے پوچھا کہ یا ابوالحسن یہ پانچوں ایک علت میں گرفتار ہو کر آئے ہیں اور آپ نے ہر ایک کے لیے جدا جدا حکم دیا۔ اس کا کیا باعث ہے۔ فرمایا کہ باعث اس کا یہ ہے کہ جس کے لیے میں نے گردن مارنے کا حکم دیا وہ ذمی ہے اور مسلمانوں سے اس نے فساد کیا ہے اور جس کے لیے سنگسار کرنے کا حکم دیا ہے وہ محصن ہے یعنی جورو رکھتا ہے اور جس پر میں نے حد جاری کرنے کا حکم دیا ہے وہ مجرد ہے۔ یعنی جورو نہیں رکھتا اور جس پر نصف حد کا حکم دیا وہ غلام ہے اس پر نصف حد چاہیے اور جس کے واسطے تعذیر کا حکم دیا وہ دیوانہ ہے اور مجنون کو تعذیر ہی چاہیے۔ جب یہ خلیفہ صاحب نے سنا اور موافق فرمانے آپ کے ان پانچوں کا حال پایا تو کہا۔ لولا علی لھلک عمر۔

قضیہ نواں

مروی ہے ابن عباس سے کہ عہد خلافت عمر میں ایک جوان کہتا تھا کہ اے احکم الحاکمین حکم کرنا بین میرے اور میری ماں کے۔ عمر نے پوچھا کہ کیا حال ہے تیرا اس نے کہا کہ میری ماں نے مجھے اپنے پاس سے نکال دیا ہے اور کہتی ہے کہ میں تجھے نہیں پہچانتی اور تو میرا بیٹا نہیں ہے۔ عمر نے اس کی ماں کو بلوایا اور پوچھا کہ آیا یہ تیرا بیٹا ہے یا نہیں۔ اس نے کہا کہ اے خلیفہ میں اسے نہیں جانتی کہ یہ کون ہے اور اپنے چار بھائی اور چالیس ہمسایوں کو گواہ لائی اور سب نے کہا کہ یہ عورت اس کو نہیں جانتی اور یہ اس کا بیٹا نہیں ہے۔ اس واسطے کہ اس عورت نے کبھی شوہر نہیں کیا یہ شخص اس کو رسوا کرنا چاہتا ہے۔ عمر نے یہ سن کر حکم دیا کہ اس کو قید کرو۔ جب اس شخص کو قید خانہ کی طرف لے چلے تو اثناء راہ میں جناب امیرؑ سے اس شخص کی ملاقات ہوئی۔ وہ شخص پکارا کہ یا امیرالمومنینؑ میں مظلوم ہوں عمر نے مجھے ناحق قید خانہ میں بھیجا ہے اور اپنا قضیہ جناب امیرؑ سے بیان کیا۔ آپ نے یہ سن کر فرمایا کہ اس کو مسجد میں پھر لے چلو۔ جب مسجد میں اس کو لے گئے تو عمر نے پوچھا کہ تم کو کیوں پھیر لائے۔ انہوں نے کہا کہ تم ہی نے تو کہا ہے کہ علیؑ کی نافرمانی نہ کرنا پس انہوں نے پھر لانے کا حکم دیا۔ ہم اس کو پھر لائے اتنے میں جناب امیرؑ ہی تشریف لے آئے۔ خلیفہ صاحب اس جناب کو دیکھ کر بے تعظیم اٹھ کھڑے ہوئے۔ آپ نے ان سے پوچھا کہ اے عمر کہ آیا اذن دیتا ہے تو کہ میں ان دونوں میں حکم کروں۔ عمر نے کہا سبحان اللہ

کیونکر اجازت نہ دوں میں کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ اس جناب نے فرمایا کہ میں شہر علم ہوں اور علی علیہ السلام دروازہ اس شہر کا ہے اور بھی اس جناب نے فرمایا کہ عالم ترین تم سب کا علی علیہ السلام ہے یہ سن کر جناب امیر علیہ السلام نے اس عورت سے پوچھا کہ تو اس شخص کے حق میں کیا کہتی ہے اس نے وہی کہا کہ یہ فرزند میرا نہیں ہے اور ان سب گواہوں نے بھی یہی گواہی دی۔ جناب امیر علیہ السلام نے اس عورت اور ان گواہوں سے کہا کہ آیا میرا حکم تم پر نافذ اور جاری ہے اور ان سب نے عرض کی۔ ہاں حکم خدا کے واسطے اور تمہارے واسطے ہے۔ اس جناب نے فرمایا کہ پس میں نے یہ عورت اس مرد کو دی اور چار سو درہم اس کے مہر کے مقرر کئے اور مہر اس کا میرے ذمہ پر ہے' اے قنبر تو جا کر چار سو درہم لے آ۔ قنبر حسب الحکم ایک کیسہ جا کر لے آیا۔ جناب امیر علیہ السلام نے چار سو درہم اس لڑکے کو دیئے اور فرمایا کہ یہ درہم اس عورت کو دے اور اس کا ہاتھ پکڑ کر گھر میں لے جا اور میرے پاس نہ آئیو۔ جب تک کہ اثر غسل کا تجھ پر ظاہر نہ ہو وہ لڑکا اٹھا اور اس عورت کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ اٹھ اور میرے ساتھ چل اور وہ درہم اس کی گود میں ڈال دیئے۔ جب اس عورت نے یہ حال دیکھا تو فریاد کی کہ النار النار اے پسر عم رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم مجھے میرے بیٹے کو دیتے ہو بخدا کہ یہ فرزند میرا ہے اور روشنی چشم اور میوۂ دل میرا ہے ان بھائیوں نے میرا اس لڑکے کے باپ سے عقد کیا تھا اور جب یہ لڑکا پیدا ہوا تھا تو میں نے اس کی پرورش کی تھی۔ پس جب یہ بڑا ہوا تو ان میرے بھائیوں نے مجھ سے کہا کہ تو اس کو نکال دے اور اس سے انکار کر ورنہ یہ اپنے باپ کا سب مال تجھ سے چھین لے گا۔ اس سبب میں نے اس سے انکار کیا تھا یہ سن کر جناب امیر علیہ السلام نے اس عورت پر اور اس کے گواہان مذکورین پر حد جاری کی۔ سب آدمیوں نے یہ دیکھ کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجا اور عمر نے کہا کہ اے علی علیہ السلام خدائے تعالیٰ تم کو میری جانب سے جزائے خیر دے تم اہل بیت علیہم السلام برحق اور معدن علم لدنی ہو۔

قضیہ دسواں

انس بن مالک سے روایت ہے کہ زمانہ خلافت جناب عمر بن الخطاب میں ایک فقیر کے پاس ایک گوسپند تھی کہ اس کا دودھ پیا کرتا تھا اور اس کے پشم سے لباس بنایا کرتا تھا۔ ایک روز وہ گوسپند کوٹھے سے گر کے مشرف بہلاکت ہوئی۔ درویش دلریش نے اس کو ذبح کیا اور خون آلود چھری ہاتھ میں لیے باہر آیا تاکہ کسی کو لا کر اس کا پوست جدا کرائے اتفاقاً پیشاب

نے اس پر غلبہ کیا واسطے رفع حاجت کے خرابہ میں گیا جہاں ایک مرد کو سر بریدہ خون تازہ گلے سے بہتا پڑا دیکھا۔ یہ شخص وہاں کھڑا ہو کر حیران وار اس کو دیکھنے لگا اور چھری خون آلود اس کے ہاتھ میں تھی کہ ناگاہ دو شخص انصار سے واسطے قضائے حاجت کے اس خرابہ میں آئے یہ معاملہ دیکھ کر اس شخص کو پکڑ کر مع کشتہ مسجد نبوی میں لائے اور کہا کہ اس شخص نے اس کو ذبح کیا ہے۔ خلیفہ صاحب نے اس مرد سے کہا کہ تو کیا کہتا ہے۔ اس نے کہا کہ ایسا ہی ہے جو کچھ یہ کہتے ہیں۔ حضرت فاروق نے حکم دیا کہ کشتہ کو دفن کریں اور اس مرد کی گردن ماریں۔ غرض اس شخص کو باہر لے گئے اور جلاد نے تلوار کھینچی تاکہ اس کی گردن مارے کہ ایک جوان نے اس مجمع میں گھس کر سیاف کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا کہ اس کو نہ مار بخدا کہ اس شخص نے اس کو نہیں مارا ہے۔ لوگوں نے خلیفہ صاحب کو اس کی خبر دی۔ انہوں نے حکم دیا کہ اس شخص کو چھوڑ دو اور دوسرے شخص کو قتل کرو کہ ناگاہ جناب امیر رضی اللہ عنہ اس طرف تشریف لاتے تھے۔ لوگوں نے حال عرض کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اس شخص کو چھوڑ دو کہ قتل اس پر واجب نہیں غرض اس کو چھوڑ دیا۔ خلیفہ صاحب نے سن کر کہا کہ سبحان اللہ قاتل مقر کو علی رضی اللہ عنہ نے کس سبب سے چھوڑ دیا کہ اتنے میں جناب امیر بھی مسجد میں تشریف لائے عمر نے اور سب اہل مسجد نے تعظیم دی انس کہتا ہے کہ بخدا رفتار آپ کی مشابہ تھی ساتھ رفتار رسول مختار صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ پس عمر نے آپ کی گردن میں ہاتھ ڈال دیا اور اپنے پہلو میں بٹھلایا اور پوچھا کہ اے ابوالحسن رضی اللہ عنہ آپ نے کس سبب سے اس مرد کو رہا کیا۔ حالانکہ وہ اپنے قتل کرنے پر مقر تھا۔ آپ نے فرمایا کہ تو نے قول خدائے تعالیٰ کا نہیں سنا کہ من احیاھا فکانما احی الناس کلھا۔ یعنی جس نے ایک نفس کو زندہ کیا گویا اس نے زندہ کیا سب آدمیوں کو پس بنا بریں اس کا قتل واجب نہیں ہے۔ جناب فاروق نے کہا کہ سچ ہے قول رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم انا مدینہ العلم و علی بابھا یعنی میں شہر علم کا ہوں اور علی رضی اللہ عنہ دروازہ اس کا ہے پھر عمر نے کہا کہ خدا وہ روز نہ کرے کہ تو نہ ہو۔

قضیہ گیارہواں

ابن عباس سے منقول ہے کہ زمانہ خلافت حضرت فاروق سنیان میں ایک دختر یتیم کو بہ تہمت زنا گرفتار کر کے پیش خلیفہ لائے اور اس پر زنا کی گواہی دی اور وہ ایک دختر یتیم تھی کہ ایک مرد نے اس کو اپنے گھر میں رکھ کر پرورش کیا تھا۔ مگر وہ شخص اکثر سفر میں رہتا تھا۔ جب وہ یتیم کہ نہایت حسین اور خوبصورت تھی بالغ ہوئی تو اس مرد کی بی بی کو یہ خیال ہوا کہ مبا

شوہر میرا آئے اور اس سے نکاح کرلے۔ بایں خیال ایک روز اس یتیم کو اس عورت نے اول شراب پلائی اور زنان ہمسایہ کو بلا کر اس کو پکڑوایا اور اپنی انگشت سبابہ سے اس کی بکارت کو زایل کیا۔ جب شوہر اس کا آیا تو اس سے کہاکہ اس دختر نے زنا کیا ہے اور ان زنان ہمسایہ نے اس پر گواہی دی۔ اس مرد نے اس قصہ کو خلیفہ صاحب کے روبرو دائر کیا۔ خلیفہ صاحب حیران ہوئے کہ اس میں کیا حکم دوں۔ اس مرد نے کہاکہ اے خلیفہ اگر تم کو اس کا حکم نہیں معلوم تو ہم کو پسر عم رسول ﷺ کی خدمت میں بھیج دو کہ وہ اس میں حکم مناسب دیں گے۔ پس خلیفہ صاحب مع حاضرین جلسہ و متخاصمین و شہود در دولت جناب امیرالمومنین پر حاضر ہوئے اور قصہ ان کا پیش کیا۔ جناب امیر ؑ نے زن مدعیہ سے کہا تو اپنے دعوے پر گواہ رکھتی ہے۔ اس نے کہاکہ یہ زنان ہمسایہ میرے دعویٰ کی گواہ ہیں۔ اس جناب نے مدعیہ اور مدعاعلیہ کو مع گواہان دوسرے گھر بھیج دیا۔ پھر ایک عورت کو گواہوں میں سے بلایا اور آپ دوزانوں ہو بیٹھے اس عورت سے فرمایاکہ تو مجھے جانتی ہے کہ میں امیرالمومنین ہوں اور یہ ذوالفقار میری اور میں نے زن مدعیہ کو بہت پند و نصیحت کی مگر وہ اپنے دعوے سے باز نہیں آئی اور حق کی طرف رجوع نہیں کرتی۔ اگر تو سچ نہ کہے گی تو تجھے قتل کروں گا۔ اس عورت نے عمر کی طرف دیکھ کر کہاکہ اے خلیفہ امان کس چیز میں ہے۔ کہا سچ کہنے میں اس عورت نے کہاکہ یا حضرت یہ مدعیہ جھوٹ کہتی ہے۔ اس دختر نے زنا نہیں کیا۔ دراصل قصہ آپ کے روبرو بیان کیا پھر آپ نے دوسرے گواہ کو بلایا اور اس سے بھی یہی فرمایا۔ اس نے بھی مثل گواہ اول سارا قصہ بیان کیا۔ آپ نے اس وقت تکبیر کہی اور فرمایاکہ بعد دانیال پیغمبر ﷺ کے اس طرح سے گواہوں سے تصدیق میں نے ہی کی ہے۔ پھر چار سو درم مہر دختر اس عورت مدعیہ کے ذمہ پر واجب کرکے اس کو شوہر سے طلاق دلوا کر شہر سے نکلوا دیا اور اس مرد سے اس دختر کا نکاح کردیا اور مہر اس کا بیت المال سے ادا کیا اور بعض روایت میں ہے کہ اس عورت پر اور ان عورتوں پر کہ جنھوں نے اس امر میں اس کی اعانت کی تھی حد جاری کی پھر عمر بن الخطاب نے کہاکہ یا علی حدیث دانیال پیغمبر کی ہم سے آپ بیان کریں کہ انہوں نے کیا کیا تھا۔ جناب امیر نے فرمایاکہ زمانہ دانیال پیغمبر میں ایک یتیم تھا بے پدر اس کو ایک زن بنی اسرائیل نے پرورش کیا تھا۔ اس شہر میں دو قاضی تھے کہ آپس میں دوستی رکھتے تھے۔ جب وہ یتیم جوان ہوا اور جوان بھی صالح ہوا تو ایک زن صالحہ بادشاہ کا مصاحب اور ندیم ہوگیا۔ ایک روز بادشاہ کو ایک مہم پر کسی شخص کے بھیجنے کی ضرورت ہوئی دونوں

قاضیوں نے بادشاہ سے عرض کی کہ وہ مرد صالح اہلیت اس امر کی رکھتا ہے۔ بادشاہ نے اس مرد کو حکم جانے کا دیا۔ اس نے اپنی زن صالحہ عفیفی کو قاضیوں کے سپرد کیا اور بہت سفارش اس کی کی اور کہا کہ اس کو میرے بعد کسی طرح کی تکلیف نہ ہونے پائے۔ اس کی خبر رکھنا قاضیوں نے قبول کیا اور ہر روز اس کے دروازے پر جاکر اس کی خبر لے آتے تھے ایک روز نظر قاضیوں کی اس کے روئے زیبا اور قد رعنا پر جا پڑی۔ دفعتاً" دونوں اس پر عاشق ہو گئے اور اس کو پیغام وصل اور ہم آغوشی کا بھیجا کہ اگر تو اس کو قبول نہ کرے گی تو ہم تجھ پر پیش بادشاہ تہمت زنا کی کر کے اور رجم کا حکم لے کر تجھے سنگسار کریں گے۔ اس عفیفہ پاکدامنہ نے انکار کیا اور کہلا بھیجا کہ جو چاہو میرے حق میں کرو مجھ سے ایسا فعل شنیع نہ ہو سکے گا۔ قاضیوں نے یہ سن کر بادشاہ سے کہا کہ فلاں صالح کی زوجہ نے زنا کیا اور ہم اس کے گواہ ہیں بادشاہ کو یہ سن کر بسبب اس کی عفت اور صلاحیت مشہورہ کے حکم دینے میں تردد واقع ہوا اور سوچ اور فکر میں گیا کہ یہ سانحہ کیا ہے آخر کار نہایت غمناک و ملول ہو کر قاضیوں کو کہا کہ تین روز کی اس عورت کو مہلت دی گئی ہے۔ بعد تین روز کے حکم مناسب دیا جائے گا۔ پھر بادشاہ نے حکم دیا کہ شہر میں منادی کریں کہ فلاں زن عابد نے زنا کیا ہے اور قاضیوں نے اس پر گواہی دی ہے' سب آن کر حاضر ہوں۔ غرض سب آدمی آپس میں گفتگو اور قیل و قال کرتے ہوئے آئے اور سب نے پیش بادشاہ سخنان حیرت خیز تردد آمیز بہت سے بیان کیے۔ بادشاہ نے وزیر سے کہا کہ آخر اس میں کچھ فکر و اندیشہ کرنا چاہیے۔ وزیر روز سوم باہر نکلا دیکھا کہ ایک جماعت لڑکوں کی کھیل رہی ہے اور دانیال پیغمبر بھی اس کے پاس کھڑے ہیں۔ وزیر بھی کھڑا ہو گیا۔ حضرت دانیال علیہ السلام نے ان لڑکوں سے کہا کہ آؤ میں تمہارا بادشاہ اور اے لڑکے فلاں عابد کی زوجہ بن اور تم فلاں فلاں دو قاضی ہو جاؤ کہ گواہی دیتے ہیں۔ اس عورت پر زنا کی اور تھوڑی سی خاک جمع کی اور تلوار نرسل کی بنائی اور دونوں قاضیوں کو دو جگہ الگ الگ بھیج دیا۔ پھر ایک کو ان دونوں قاضیوں سے اپنے پاس بلایا اور اس سے کہا کہ اگر تو سچ نہ کہے گا تو میں تجھے قتل کروں گا تو اس عورت پر کیا گواہی دیتا ہے۔ اس نے کہا کہ اس عورت نے زنا کیا۔ دانیال نے حکم دیا کہ اس کو اس جگہ لے جاؤ پھر دوسرے لڑکے کو کہ دوسرا قاضی بنا تھا بلایا اور اس سے یہی سوال کئے اس نے بھی جواب دیئے مگر دونوں کے جواب میں اختلاف پیدا ہوا۔ دانیال نے کہا کہ اللہ اکبر جھوٹی گواہی دی اس عورت پر قاضیوں کو قتل کرنا چاہیے۔ وزیر نے یہ سب سن کر اور دیکھ کر بادشاہ سے سارا قصہ بیان

کیا۔ بادشاہ نے بھی قاضیوں کو بلا کر جدا جدا رکھا اور پھر ایک ایک کو بلا کر پوچھا۔ دونوں کے کلام میں اختلاف واقع ہوا۔ بادشاہ نے فرمایا تاسب لوگ جمع ہوں اور پھر قاضیوں کو قتل کیا۔ سب کے روبرو تاعوام الناس کو عبرت ہو۔

سخاوت جناب امیرؑ

بیچ بیان حال سخاوت جناب امیر اور اہل بیت علیہم السلام کے واضح ہو کہ حال سخاوت کا اہل بیت کی یہ تھا کہ آپ فاقہ پر فاقہ کرتے تھے اور اپنے اہل و عیال کو بھی بھوکا رکھتے تھے۔ مگر فقیر اور مسکین اور غریب اور محتاج کو بھوکا نہ دیکھ سکتے تھے ان کو سیر کر دیتے تھے۔ چنانچہ صدوق نے امالی میں بدو سند جناب امام بحق ناطق امام جعفر صادق اور ابن عباس سے آیہ کریمہ یوفون بالنذر میں روایت کی ہے کہ ایک بار جناب حسنین رضی اللہ عنہ کو زمانہ طفولیت میں بیماری عارض ہوئی جناب مستطاب رسالت ماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان درشاہواز رسالت و امامت کی عیادت کو تشریف لائے دو شخص اور بھی اس جناب کے ہمراہ تھے۔ ایک نے ان میں سے عرض کی کہ یا اباالحسن رضی اللہ عنہ آپ کوئی چیز نذر کریں کہ تا خداوند عالم ان کو جلد شفا عنایت کرے جناب امیر رضی اللہ عنہ اور جناب فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حسنین رضی اللہ عنہ اور فضہ نے تین تین روزے نذر کیے مگر اس روز جناب معصومہ کے گھر میں کچھ کھانے کو نہ تھا جناب امیر شمعون یہودی کے گھر تشریف لے گئے اور اس سے کہا کہ اے شمعون آیا تو تھوڑا سا صوف دیتا ہے کہ دختر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تین صاع جو کے عوض اس کو کاتے عرض کی اس نے بہتر اور تھوڑا سا صوف اور تین صاع جو جناب امیر کو اس نے دیئے اور اس جناب نے ان کو جناب سیدہ رضی اللہ عنہا کو لا کر دیا اور حال بیان کیا جناب معصومہ رضی اللہ عنہا نے ایک حصہ صوف کا کاتا اور ایک صاع جو کا پیس کر پانچ قرص نان اس کے پکائے اور بعد افطار جب سب صاحب کھانے کو بیٹھے تو ایک مسکین نے دروازہ پر آن کر آواز دی کہ السلام علیک یا اہل بیت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں مسکین ہوں مجھے اپنے کھانے میں سے کھانا دو۔ خدائے تعالیٰ تمہیں بہشت سے نعمت عطا کرے گا۔ جناب امیر نے یہ سن کر لقمہ ہاتھ سے رکھ دیا اور فرمایا کہ اے فاطمہ رضی اللہ عنہا صاحب جود و سخاوت اور اے دختر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک فقیر مسکین ہمارے پاس التجا لایا ہے اور بھوک سے خدا کی جانب اور ہم سے شکایت کرتا ہے۔ پس جو شخص کار خیر کرتا ہے وہ دایم عیش و عشرت میں رہتا ہے اور بہشت اس کا وعدہ گاہ ہے اور وہ نعمتیں بہشت کی اس کو نصیب ہوئی ہیں کہ جو بخیل پر حرام ہیں اور بخیل ہمیشہ عذاب میں رہے گا اور جہنم میں داخل ہو گا۔ جناب

معصومہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی کہ میں تمہارے تابع فرمان ہوں اور بخیل نہیں ہوں بلکہ آرزو کرتی ہوں کہ خدائے تعالیٰ عوض اس بھوک کے مجھے اپنے دوستوں کے ہمراہ بہشت میں داخل کرے یا سفارش کرکے گنہگاران امت کو بخشواؤں غرض سب صاحبوں نے حتیٰ کہ حسنین رضی اللہ عنہما نے بھی باوجود صغیر سن اپنی اپنی روٹی اس مسکین کو اٹھا دی اور سوائے پانی کے کچھ نہ چکھا اور بھوکے سو رہے' دوسرے دن پھر سب نے روزہ رکھا۔ جناب معصومہ رضی اللہ عنہا نے ایک حصہ صوف کا کاتا اور ایک صاع جو اس کی مزدوری کے پیسے اور پانچ گردہ نان پکائے اور جب بعد افطار کھانے کو بیٹھے تو ناگاہ ایک یتیم نے آن کر سوال کیا۔ جناب امیر رضی اللہ عنہ نے ہاتھ سے لقمہ ڈال کر جناب معصومہ رضی اللہ عنہا سے ارشاد کیا کہ اے دختر سید انبیاء اے لخت جگر پیغمبر صاحب جود و سخا یہ مونث اور مدد ہے جانب خدا سے ہمارے واسطے جو شخص کہ اس پر رحم کرے گا دنیا میں خدائے تعالیٰ اس پر رحم کرے گا۔ آخرت میں اور معیاد اس کا بہشت نعیم ہے کہ خدا نے اس کو بخیل اور لئیم پر حرام کیا ہے اور بخیل اور لئیم قیامت میں نہ کھڑے ہوں گے۔ مگر نادم اور پشیمان مذمت کیے گئے اور آتش جہنم میں داخل ہو کر بجائے آب چرک صدید و آب گندیدہ پئیں گے یہ سن کر فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی کہ میں عنقریب دیتی ہوں کچھ اور پرواہ نہ کروں گی اور رضا اور خوشنودی خدائے تعالیٰ کو اپنے اطفال پر اختیار کروں گی۔ میرے فرزندوں نے شب بسر کی حالت بھوک میں کوچک ان کا یعنی حسین رضی اللہ عنہ کربلا میں شہید ہوگا بہ مکر و حیلہ اور اس قاتل کے لیے ویل ہے اور وبال عظیم اور وہ داخل ہوگا جہنم میں غل و زنجیر آتشین میں جکڑا ہوا یہ فرما کر وہ گردہائے نان اس سائل کو اٹھا دی اور اس شب بھی سب نے کچھ نہ کھایا سوائے پانی کے تیسرے روز بعد افطار کے جب خوان لاکر آگے رکھا اور سب صاحبوں نے قصد کھانے کا کیا اور لقمہ توڑا کہ ایک قیدی آن کر پکارا کہ السلام علیک یا اہل بیت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو اسیر کرتے ہو اور پھر ہمیں کچھ کھانے کو نہیں دیتے جناب امیرؓ نے یہ سن کر لقمہ ہاتھ سے ڈال دیا اور کہا کہ اے فاطمہ رضی اللہ عنہا دختر پیغمبر بزرگ عظیم الشان تمہارے پاس ایک اسیر آیا ہے کہ کہیں جا نہیں سکتا اور ایک بندہ خدا ہے غل و زنجیر میں مقید اور شکایت کرتا ہے اپنی بھوک سے جو شخص آج کے دن اس کو کھانا دے گا قیامت کے روز خدائے تعالیٰ سے جزا اس کی پائے گا جو شخص کھیتی بوتا ہے اور زراعت کرتا ہے وہ جلد کاٹتا ہے۔ پس اس کو کچھ دے دو اور محروم نہ رکھو جناب فاطمہ نے فرمایا کہ میرے ہاتھ چکی پیسنے سے مجروح ہوگئے ہیں اور ایک صاع کے سوا اور کچھ باقی نہیں رہا اور میرے

فرزند نہایت گرسنہ اور بھوکے ہو رہے ہیں۔ ان کا باپ صاحب خیر و معروف ہے اور کشادہ دست۔ یہ فرما کر سب روٹیاں اسیر کو اٹھا دیں اور سوائے پانی کے اس روز بھی کچھ نہ چکھا اور چونکہ تینوں روزے تمام ہو چکے تھے تو صبح کو سب بہ نیت افطار بیدار ہوئے اور جناب امیر حسنین کو لے کر رسول خدا ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حسنین کا بھوک کے مارے عجیب حال تھا کہ ضعف کے سبب کانپتے تھے جناب رسول ﷺ نے جو یہ حال ان کا دیکھا تو فرمایا کہ اے ابوالحسن بہت سخت ہے مجھ پر کہ میں یہ حال تمہارا دیکھوں چلو فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس غرض کہ یہ حضرات اس معصومہ کے پاس آئے تو اس سیدہ کو محراب عبادت میں کھڑا پایا کہ شکم مبارک بھوک کے سبب پشت سے لگ گیا تھا اور آنکھیں گڑھے میں گھس گئی تھیں۔ پس جب رسول خدا ﷺ نے یہ حال معصومہ کا دیکھا تو ان کو سینہ سے لگا لیا اور فرمایا کہ میں پناہ لے جاتا ہوں تمہاری اس حالت سہ روزہ سے۔ اس وقت جبرئیل امین جانب رب جلیل سے نازل ہوئے اور کہا کہ اے محمد جو کچھ کہ خدائے تعالٰی نے تمہارے واسطے مہیا کیا ہے اس کو لو اس حضرت نے پوچھا کہ کیا چیز لوں اے جبرئیل ہل اتی علی الانسان حین من الدھر یہاں تک کہ اس آیہ کو پڑھا ان ھذا کان لکم جزاء وکان سعیکم مشکورا اور ایک اور روایت میں وارد ہے کہ جب رسول خدا ﷺ جناب فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لائے اور ان کو اس حال میں دیکھا تو روئے اور کہا کہ تم تین روز سے گرسنہ ہو اور یہ حالت تمہاری پہنچی اور میں غافل ہوں کہ جبرئیل امین یہ آیات لے کر نازل ہوئے ان الابرار یشربون من کاس کان مزاجھا کافورا عینا یشرب بھا عباد اللہ یفجرونھا تفجیرا یعنی بہ تحقیق کہ ابرار اور نیکوکار پئیں گے کاسوں سے کہ ہو گا مزاج ان کا مثل کافور کے چشمہ کہ پئیں گے اس سے بندے خدا کے پھاڑیں گے اس سے چشمے پھاڑنے کے۔ راوی کہتا ہے کہ یہ چشمہ جناب رسول خدا ﷺ کے گھر میں ہے کہ اس سے اور چشمے جدا ہوتے ہیں اور پیغمبروں اور مومنوں کے گھر میں بہتے ہیں۔ یوفون بالنذر۔ پورا کرتے ہیں نذر کو مراد ان سے علی رضی اللہ عنہ اور فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حسنین رضی اللہ عنہما ہیں۔ ویخافون یوما کان شرہ مستطیرا ڈرتے ہیں اس روز سے کہ شر اس روز کا عظیم ہے ویطعمون الطعام علی حبہ مسکینا و یتیما" واسیرا اور دیتے ہیں کھانے کو راہ خدا میں اس کی محبت میں مسکین کو اور یتیم کو اور اسیر کو انما نطعمکم لوجہ اللہ

لانرید جزاء اولاشکورا اور کہتے ہیں کہ سوائے اس کے نہیں کہ ہم تمہیں کھانا دیتے ہیں واسطے خدا کے اور نہیں چاہتے ہم تم سے یہ کہ مکافات اور بدلہ کرو اس کا اور نہیں چاہتے ہیں ہم اس پر شکر کہ تم ہماری تعریف کرو۔ حضرت فرماتے ہیں کہ یہ بات انہوں نے زبان سے نہیں کہی۔ لیکن دل میں رکھتے تھے خدائے تعالیٰ نے ان کے دل کی بات کی خبر دی کہ یہ اس قصد پر دیتے ہیں۔ فوقھم اللہ شر ذلک الیوم۔ پس نگاہ رکھ خدا نے ان کو اس روز کے شر سے اور ان کو دی نصرت اور سرداری اور شاہی دنیا میں اور جزا دی ان کو بسبب صبر کے آخرت میں بہشت کہ رہویں اس میں اور حریر کہ فرش کریں اس میں اور بیٹھیں اس حال میں کہ تکیہ کیے ہوں اوپر تختوں کے اور کرسیوں کے حوروں کے ساتھ اور نہیں دیکھتے اس بہشت میں آفتاب کو اور نہ زمہریر کو ابن عباس سے منقول ہے کہ اہل بہشت دیکھیں گے بہشت میں روشنی مثل آفتاب کو پس یہ کیا روشنی ہے اس وقت جبرئیل ان کے پاس آئیں گے اور کہیں گے کہ یہ نور آفتاب کا نہیں ہے' بلکہ یہ نور ہے فاطمہ رضی اللہ عنہا زہرا اور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے تبسم کرنے کا کہ یہ حضرت اس وقت آپس میں ہنستے ہیں اور ابن شہر آشوب نے مناقب میں روایت کی ہے کہ ذکر کیا ہے۔ اس روایت کو ابو صالح اور ضحاک اور حسن اور عطا اور قتادہ اور مقاتل اور لیث اور ابن عباس اور ابن مسعود اور ابن جبیر اور عمرو بن شعیب اور حسن بن مہران اور نقاش اور ثعلبی اور واحدی نے اپنی تفسیروں میں اور صاحب اسباب نزول اور خطیب مکی نے اربعین میں اور ابو بکر شیرازی نے اور ابو بکر احمد بن فضل نے اسی طرح پر کہ کتاب عروس میں روایت کی ہے اصبغ وغیرہ سے اور علمائے اہل بیت عصمت و طہارت نے امام محمد باقر سے اس حدیث کو اس طرح پر روایت کیا ہے کہ جب رسول خدا نے ان سب کو بھوکا دیکھا تو جبرئیل نازل ہوئے اور ان کے پاس ایک طبق طلا کا پر از طعام تھا۔ پس سب نے اس پر بیٹھ کر کھانا کھایا یہاں تک کہ خوب سیر ہوئے اور کچھ اس میں سے کم نہ ہوا۔ امام حسین رضی اللہ عنہ باہر تشریف لے گئے اور ٹکڑہ گوشت کا حضرت کے ہاتھ میں تھا۔ زن یہود نے ان سے وہ ٹکڑا طلب کیا۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے ہاتھ اس کو دینے کو بڑھایا اور چاہا کہ وہ پارہ لحم اس کو عنایت کریں کہ جبرئیل امین نازل ہوئے اور دست مبارک سے اس پارہ لحم کو لے لیا اور اس طبق کو آسمان پر لے گئے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر حسین رضی اللہ عنہ اس یہودیہ کے دینے کا ارادہ نہ کرتے تو وہ طبق تا روز قیامت ہمارے پاس رہتا اور ہم ہمیشہ اس میں سے کھاتے کچھ کم نہ ہوتا اور آیہ شریفہ یوفون بالنذر

نازل ہوا۔ اور علی بن ابراہیم نے تفسیر کریمہ و یطعمون الطعام میں جناب مستطاب جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ اس جناب نے فرمایا کہ جناب معصومہ کے پاس قدرے جو تھے اس سے عصیدہ کہ قسم طعام ہے مہیا کیا اور وقت صبح سب حضرات اس کے تناول کرنے کو بیٹھے کہ مسکین آیا اور اس نے سوال کیا وہ سب عصیدہ سب نے اس کو دے دیا پھر دوسرے دن یتیم آیا اور تیسرے دن اسیر آیا اور ان حضرات نے اپنا اپنا حصہ ان کو دے دیا اور آپ تین روز تک بھوکے رہے کہ یہ آیہ کریمہ نازل ہوا و سعیکم مشکورا۔ مترجم کہتا ہے کہ یہ واقعہ غیر سابق کا ہے اور یہ دوبارہ معاملہ ہوا ہے۔

اس طرح روایت کی ہے کہ جب تین روز اس طرح پر کہ اوپر مذکور ہوئے، گزرے اور ان حضرات پر بھوک نے غلبہ کیا اور جناب رسول خدا ﷺ کو بھی چوتھا روز فاقہ کا تھا اور حضرت نے بسبب گرسنگی کے پتھر شکم مبارک پر باندھ رکھا تھا اور اپنے اہل بیت ﷺ کا بھی احوال حضرت ﷺ پر منکشف تھا۔ پس وہ جناب حضرت امیر کو ہمراہ لے کر مقداد کے باغ میں تشریف لائے اور اس زمانہ میں کسی درخت خرما پر پھل نہ تھا اور موسم خرمے کا ہو چکا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ اے ابوالحسن یہ ٹوکرا لے اس درخت کے تلے جاؤ اور کہو اس سے کہ رسول خدا ﷺ تجھ سے کہتا ہے کہ بحق خداوند عالم میوہ اپنا ہمیں دے۔ جناب امیر فرماتے ہیں کہ جب میں نے یہ پیغام حضرت کا پہنچایا تو درخت نے سر اپنا نیچے جھکایا۔ میں نے دیکھا کہ اس میں میوہ ایسا لگا ہوا ہے کہ مثل اس کے کسی نے نہ دیکھا ہو گا۔ غرضیکہ میں نے اس میں سے اچھے اچھے خرمے توڑ لیے اور حضرت کی خدمت میں حاضر کیے پس حضرت نے بھی کھائے اور مقداد کو مع حصہ اس کے عیال کے دیئے اور موافق جناب معصومہ رضی اللہ عنہا اور حسنین رضی اللہ عنہما کے گھر میں لے کر آئے دیکھا کہ جناب سیدہ درد سر سے کمال متاذی ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ اے فاطمہ رضی اللہ عنہا خوشخبری ہو تجھے اور صبر کر کہ ان مراتب کو کہ جو تیرے لیے خداوند علام کے نزدیک مہیا ہیں نہ پہنچے گی بجز صبر کے پس جبرئیل سورہ ھل اتیٰ لے کر نازل ہوئے اور سید نے بھی طرایف میں ثعلبی سے اور اس نے ابن عباس سے کہ حدیث اور نزول سورہ ہل اتی کو ان حضرات کے حق میں روایت کیا ہے اور بعد اس کے کہا کہ موافق اس خبر کے کہ ثعلبی نے غزالی سے اپنی کتاب میں کہ معروف بہ ثقہ ہے نقل کی ہے کہ آنحضرت پر آسمان سے مائدہ اترا اور سات روز تک ان سب نے اس سے تناول کیا اور پھر کہا کہ حدیث مائدہ اور نزول اس کا ان حضرات پر سب کتابوں میں مذکور ہے اور سید نے کہا ہے کہ اخطب

خوارزم نے اپنی کتاب میں حدیث مائدہ کو نقل کیا ہے اور واحدی نے اپنی تفسیر میں حدیث نزول سورہ مذکور کو ذکر کیا اور زمخشری نے کشاف میں اور بیضاوی نے اپنی تفسیر میں اور اوروں نے اوروں میں اس کو نقل کیا ہے اور ابن ابراہیم نے اپنی تفسیر میں جعفر بن محمد صادق سے اور اس جناب نے اپنے آباء کرام سے مثل روایت سابقہ کے لکھا ہے اور اس روایت میں یہ بات اور زیادہ ہے کہ جناب امیر بعد تین دن کے ابو حیلہ انصاری کے پاس تشریف لے گئے اور اس سے ایک دینار قرض لیا اور بازار میں مدینہ میں تشریف لائے تاکہ کچھ قسم طعام سے خریدیں کہ مقداد بن کندی سے ملاقات ہوئی وہ بھی بازار میں بیٹھے تھے۔ جناب امیر ان کے پاس تشریف لے گئے اور سلام کیا اور باعث حزن واندوہ کا پوچھا۔ مقداد نے عرض کی کہ میں کہتا ہوں جو کچھ بندہ صالح موسیٰ بن عمران نے کہا تھا کہ ربی انی کما انزلت من خیر فقیر یعنی اے پروردگار میرے بدرستیکہ میں ساتھ اس چیز کے کہ تو نے نازل کیا طرف میرے نیکیوں اور خیرات سے محتاج ہوں جناب امیر نے پوچھا کہ تمہیں کتنے روز سے فاقہ ہے عرض کی کہ چار دن سے حضرت نے فرمایا کہ اللہ اکبر اللہ اکبر آل محمد ﷺ تو تین روز سے فاقہ سے ہیں اور تو چار روز سے پس تو ہم سے زیادہ اس دینار کا سزاوار اور مستحق ہے۔ راوی کہتا ہے کہ اس جناب نے وہ دینار مقداد کو دے دیا اور رسول خدا ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو دست مبارک روش جناب امیر پر رکھ کر ارشاد کیا کہ اے علی رضی اللہ عنہ میں تمہارے ساتھ تمہارے گھر چلتا ہوں شاید کچھ کھانا میسر ہو۔ اس واسطے کہ میں نے سنا ہے کہ تم نے ابو حیلہ سے ایک دینار قرض لیا ہے۔ راوی کہتا ہے کہ وہ جناب تشریف لے چلے اور جناب امیر کو حیا دامن گیر تھی کہ دینار تو مقداد کو دے دیا اور حضرت یہ فرماتے ہیں اور حال جناب رسول خدا کا یہ تھا کہ بسبب غلبہ بھوک کے پتھر شکم پر باندھے ہوئے تھے۔ تااینکہ خانہ جناب فاطمہ رضی اللہ عنہا پر پہنچے اور دروازہ کو ہلایا۔ جناب معصومہ رضی اللہ عنہا دروازہ پر تشریف لائیں اور دروازہ کھولا۔ جب نظر جناب معصومہ رضی اللہ عنہا کی روئے مبارک جناب رسالت ماب ﷺ پر پڑی اور اثر بھوک کا اس سردار انبیاء کے بشرے پر نمایاں دیکھا تو گھبرا کر گھر میں تشریف لائیں اور کہا واسو تاہ من اللہ ورسولہ۔ اے ابو الحسن تین روز سے ہمارے پاس کچھ نہیں۔ یہ کہہ کر طاہرہ حجرہ میں تشریف لے گئیں اور دو رکعت نماز ادا کی اور پھر بحضور خالق کون و مکان دست دعا دراز کیے اور کہا کہ اے رب العباد یہ محمد ﷺ پیغمبر تیرا ہے اور فاطمہ رضی اللہ عنہا دختر تیرے پیغمبر کی ہے اور علی تیرے پیغمبر کا داماد بھی ہے اور پسر عم

بھی اس کا ہے اور یہ حسن رضی اللہ عنہ و حسین رضی اللہ عنہ دونوں فرزند تیرے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہیں۔ بار خدایا بدرستیکہ بنی اسرائیل نے تجھ سے سوال کیا کہ ہم پر مائدہ کو نازل کر' خداوندا تو نے انکے سوال کو پورا کیا اور ان پر مائدہ کو نازل کیا اور انہوں نے پھر کفران نعمت کیا۔ خداوندا آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کفران نعمت تیرا نہ کریں گے۔ یہ کہہ کر سلام پھیرا۔ اس وقت ایک طبق مملو کھانے سے آگے رکھا ہوا دیکھا۔ اس کو اٹھا کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لائیں۔ اس جناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہاتھ طبق کی طرف بڑھایا کہ اس طبق اور طعام نے تسبیح کی۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیہ وان من شیی الایسبح بحمدہ تلاوت فرمایا اور ارشاد کیا کہ اے علی رضی اللہ عنہ کھاؤ مگر اس کی اطراف سے کھانا اور بیچ سے نہ کھانا کہ بیچ میں اس کے برکت ہے۔ پس جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور فاطمۃ الزہرا اور حسنین رضی اللہ عنہ نے تناول کیا۔ پس جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھاتے جاتے تھے اور رخ انور علی پر نظر کرتے جاتے تھے اور تبسم فرماتے تھے اور جناب علی رضی اللہ عنہ نظر تعجب جناب فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہ پر کرتے تھے۔ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے علی رضی اللہ عنہ کھاؤ اور فاطمہ سے کچھ نہ پوچھو۔ میں حمد کرتا ہوں اس خدا کی کہ جس نے مثل میرے اہلبیت فاطمہ کے مثل مریم دختر عمران اور ذکریا کے ہے کہ کلما دخل علیھا ذکریا بالمحراب وجد عندھا رزقا قال یا مریم انی لک ھذا قالت ھو من عند اللہ یرزق من یشاء بغیر حساب۔ اے علی رضی اللہ عنہ یہ کرامت اور منزلت تیرے واسطے بسبب اس دینار کے ہے کہ جو تو نے مقداد کو قرض دیا اور مزاب بن ابراہیم نے اپنی تفسیر میں زید بن ربیع سے روایت کی ہے کہ رسول خدا نے بسبب گرسنگی کے شکم مبارک پر پتھر باندھ رکھا تھا۔ پس جناب فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لائے اور حسنین رضی اللہ عنہ حضرت کے دوش مبارک پر سوار ہوئے اور کہتے تھے کہ یا جداہ ہمیں کھانا عنایت ہو۔ رسول خدا نے جناب معصومہ رضی اللہ عنہ سے ارشاد کیا کہ ان کو کھانا دو۔ فاطمہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ یا ابتا غیراز برکت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر میں کوئی چیز کھانے کی قسم سے نہیں ہے۔ حضرت یہ سن کر اور کمال تاسف کر کے آپ نے آب دہن سے ان کو خوب مطعوم کیا کہ وہ دونوں شہزادے سیر ہو کر سو رہے۔ پس جناب امیر فرماتے ہیں کہ میں نے تین گروہ نان ہمسایہ سے قرض لیے اور وقت افطار کا آیا تو روزہ افطار کر کے آگے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہ تینوں گروہ نان رکھے اور ارادہ تناول کا کیا۔ ایک سائل نے آن کر سوال کیا پس ایک گروہ نان اس کو اٹھا دیا اور اسی طرح دو گروہ

نان باقی بھی دو دفعہ میں دو سائلوں کو عنایت کر دیئے اور سب صاحب بھوکے رہے کہ آیہ و یطعمون الطعام علی حبہ ..... نازل ہوا اور پھر عبداللہ بن ربیع نے اپنے پدر واپنے جد سے اس طرح روایت کی ہے کہ حذیفہ نے جناب رسول خدا ﷺ کی دعوت کی۔ حضرت دن کو روزہ سے اس کے گھر تشریف لے گئے اور تھوڑی سی دیر ٹھہر کر تشریف لے آئے حذیفہ نے نصف ثرید یعنی ایک قسم کا کھانا حضرت کے واسطے بھجوا دیا۔ اس جناب نے اس کے تین حصہ کیے ایک اپنے واسطے اور ایک فاطمہ کے واسطے اور ایک اپنے خادم کے واسطے اور تین دفعہ میں سائلوں کو دے دیئے۔ پس آیہ مذکورہ نازل ہوا اور اور طرح کی روایتیں بھی اس میں وارد ہوئی ہیں۔ غرض کہ اتفاق ہے' فریقین کا اس پر کہ سورہ ہل اتی شان میں اہل بیت کے نازل ہوا ہے' اس صورت میں کہ تین روز تک فاقہ سے رہے اور سائلوں کو اپنا کھانا دے دیا۔

ابن شہر آشوب نے مناقب میں ذکر کیا ہے کہ آیہ وافی بدایہ ہل اتی علی الانسان حین من الدھر لم یکن شیئا مذکورہ تفسیر اہل بیت میں اس طرح وارد ہے کہ "ماأتیٰ علی الانسان زمان من الدہر وکان فیہ شیئا۔" مذکورہ نہیں گزرا اوپر انسان کے کوئی زمانہ دہر سے مگر یہ کہ انسان بیچ اس زمانہ کے ایک چیز تھا مذکور اور کیونکر مذکور نہ ہو کہ نام اس کا لکھا ہوا تھا ساق عرش اور در بہشت پر' دلیل اس پر یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ انا خلقنا الانسان من نطفتہ ہم نے پیدا کیا انسان کو نطفہ سے اور معلوم ہے کہ حضرتِ آدم نطفہ سے پیدا نہیں ہوئے پس مراد انسان سے اس جگہ جناب امیر ہیں۔ المختصر جبکہ یہ ثابت ہوا روایات طرفین سے اور اجماع مفسرین اور محدثین سے کہ یہ سورہ مبارک شان میں اہل کسا آل عبا کی وارد ہوا ہے تو کوئی صاحب عقل اور ذی علم شک نہ کرے گا اس میں کہ یہ فضیلت سوائے ان حضرات کے اور کسی میں پائی نہیں جاتی۔ نزول اس سورہ کا اور اترنا مائدہ کا دلالت کرتا ہے کمال جلالت و بلندی اور بزرگواری آنحضرت ﷺ پر نزدیک خدا کے اور یہ بھی معلوم ہی ہے کہ مخصوص ہونا ان بزرگواروں کا مکارم اور مفاخر کے ساتھ۔ دلیل واضح ہے کہ تقدیم ان پر ان لوگوں کی کہ جو ایسے نہ تھے نہایت اقبح اور بغایت اشنع ہے اور بعض مخالفیں سے جو کہتے ہیں کہ یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا ہے اور یہ قصہ مدینہ کا ہے پس یہ سورہ کیونکہ اہل بیت کی شان میں نازل ہوا ہے۔

جواب اس کا یہ ہے کہ وہ غلط کہتے ہیں کہ سورہ مکیہ ہے یعنی مکہ میں نازل ہوا ہے بلکہ یہ

سورہ مدینہ ہے اول تو اس واسطے کہ ابو حمزہ ثمالی نے اپنی تفسیر میں ابو عبداللہ بن الحسن سے روایت کی ہے کہ یہ سورہ مدنی ہے شان میں علی رضی اللہ عنہ اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نازل ہوا ہے اور بعد اس کے لکھا ہے کہ ابن عباس سے منقول ہے کہ اول سورہ کہ مکہ میں نازل ہوا ہے۔ اقراء باسم ربک ہے اور پھر سورہ مکیہ کا شمار کیا ہے کہ وہ پچاسی سورہ ہیں اور پھر سورۂ مدنیہ کو گنا ہے اور کہا ہے کہ اٹھائیس سورہ ہیں کہ مدینہ میں نازل ہوئے ہیں اور ان کی تفصیل لکھی کہ ان میں سورہ ہل اتی کو بھی گنا ہے اور ایسی ہی احمد نے زکریہ اور حسن بصری سے روایت کی ہے کہ انہوں نے ہل اتی کو سورۂ مدنیہ میں شمار کیا ہے اور پھر احمد زاہد نے موافق ایک روایت کے کتاب ایضاح میں عثمان عطا سے اور اس نے اپنے باپ اور اس نے ابن عباس سے روایت کیا ہے اس مضمون کو ساتھ اس زیادتی کے کہ جس وقت شروع کسی سورہ کا مکہ میں ہوتا تھا تو اس کو مکی لکھتے تھے اور جب خدائے تعالیٰ اس میں زیادتی کرنا چاہتا تھا تو مدینہ میں زیادتی کرتا تھا اور پھر سعد بن شیب سے روایت کی ہے کہ اس نے جناب مستطاب علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب سے نقل کی ہے کہ اس جناب نے فرمایا کہ میں نے پوچھا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے ثواب قرآن کا۔ اس جناب نے بعد بیان ثواب سورہ قرآن کے جس طرح پر کہ آسمان سے نازل ہوئے تھے ارشاد کیے تا ایں کہ "ہل اتی" کو سورہ مدنیہ میں گنا اور بعض معاندین اہل بیت نے جو شک کیا ہے کہ کیونکر جائز ہو صدقہ دینا ایسے شخص پر کہ جو خود بھی محتاج ہو اور بھوکا اور عیال بھی اس کے بھوکے ہوں اور قریب ہو ہلاکت کے۔ جواب اس کا یہ ہے کہ شاید اس شخص نے یہ آیہ قرآن شریف اور فرقان مجید کا نہیں دیکھا اور نہیں پڑھا کہ ویوثرون علے انفسہم ولو کان بہم خصاصۃ یعنی اختیار اور ایثار کرتے ہیں اپنے پر اوروں کو اگرچہ ان کے واسطے بھی احتیاج ہو یعنی باوجود اس کے کہ خود بھی محتاج مگر اپنی احتیاج پر اوروں کی احتیاج کو مقدم رکھتے ہیں۔ آپ نہیں کھاتے اور اوروں کو کھلا دیتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ اوپر جو روایتیں گزریں اور اخبار متواتر کتب طرفین اور روایات مقبولہ جانبین سے مذکور ہوئیں' ان میں یہ بھی لکھا ہے کہ یہ سورہ اہل بیت رضی اللہ عنہم کی شان میں نازل ہوا ہے۔ پس اگر نزول سورہ مذکورہ کا مکہ میں ہوتا تو یہ روایتیں کیونکر صحیح ہوتیں۔ شیخ شرف الدین نے کنز میں ابو ہریرہ سے روایت کی ہے کہ ایک شخص خدمت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوا اور بھوک سے اس نے شکایت کی۔ اس جناب نے اپنی بیبیوں اور ازواج کے گھر کہلا بھیجا کہ ایک بھوکا شخص بھوک سے شکایت کرتا ہے اگر کسی

کو کچھ میسر ہو تو اس کو دے دے۔ سب بیبیوں نے کہلا بھیجا کہ ہمارے پاس سوائے پانی کے اور کچھ نہیں ہے' یہ جواب سن کر حضرت ﷺ نے فرمایا کہ آج کی شب کون شخص اس کا متکفل ہوتا ہے۔ جناب مستطاب علی مرتضیٰ نے عرض کی کہ میں اس کو مہمان اپنا کرتا ہوں یارسول اللہ۔ پس جناب امیر یہ فرما کر جناب فاطمہ زہرا ؑ کے پاس تشریف لائے اور اس ماجرے سے آپ کو آگاہ کیا۔ جناب معصومہ نے یہ سن کر ارشاد کیا کہ بجز قوت اطفال کے اور میرے پاس کچھ نہیں۔ مگر میں مہمان کو اپنے فرزندوں پر اختیار کرتی ہوں۔ حضرت نے فرمایا کہ اطفال کو تو بھوکا سلا دو اور اس مرد کا پیٹ بھر دو۔ پس جناب سیدہ نے ایسا ہی کیا۔ جب وقت صبح کا ہوا اور جناب امیر حضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو خداوند عالم نے یہ آیہ نازل کیا کہ ویوثرون علی انفسہم ولو کان بہم خصاصہ یعنی اختیار کرتے ہیں اپنے اوپر اگرچہ آپ محتاج ہوں۔

اور بھی جناب مستطاب جعفر صادق سے روایت ہے کہ ایک دن جناب معصومہ نے حضرت علی ؑ سے کہا کہ تم میرے پدر عالی قدر کی خدمت میں جاؤ اور میرے واسطے کچھ ان سے طلب کرو۔ چنانچہ جناب رسول خدا ﷺ نے ایک دینار دیا اور فرمایا کہ اے علی ؑ جاؤ اور اپنے عیال کیلئے کچھ خرید و پس وہ جناب دینار لے کر رخصت ہوئے اثنا راہ میں مقداد ابن اسود کندی سے ملاقات ہوئی۔ اسنے اپنی احتیاج عرض کی اس جناب نے وہ دینار مقداد کو دے دیا اور مسجد میں آن کر سو رہے۔ جناب رسول مقبول ﷺ نے آپ کا بہت انتظار کیا۔ جب آنے میں دیر ہوئی تو مضطر ہو کر کھڑے ہو گئے اور مسجد میں ٹہلنے لگے۔ ناگاہ دیکھا کہ علی ؑ خواب استراحت میں ہیں آپ نے ان کو بیدار کیا۔ جب وہ بیدار ہو کر روبرو آپ کے بیٹھے تو حضرت ﷺ نے پوچھا کہ یا علی تم نے آج کیا کام کیا آپ نے عرض کی کہ جب میں آپ سے رخصت ہوا تو مجھے راہ میں مقداد ملا اور اپنی احتیاج ظاہر کی' میں نے وہ دینار اس کو دے دیا۔ حضرت ﷺ نے ارشاد کیا کہ مجھے جبرئیل نے اس کی خبر دی ہے اور آیہ یوثرون تمہاری شان میں لایا ہے اور پھر اسی کتاب میں جابر سے اور اس نے حضرت امام محمد باقر سے روایت کی ہے کہ کچھ مال اور چند حلے رسول خدا ﷺ کی خدمت میں کہیں سے آئے۔ حضرت نے اس مال کو ان پر قسمت کیا۔ جب بانٹ چکے تو ایک شخص فقراء مہاجرین سے کہ وقت تقسیم حاضر نہ تھا آیا' رسول خدا ﷺ نے ارشاد کیا کہ کون شخص تم میں سے اس مرد کو اپنے پر اختیار کرتا ہے اور حصہ اپنا اس کو دیتا ہے۔ جناب مستطاب علی

رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ یہ حصہ میرا حاضر ہے اس کو آپ دے دیں۔ جناب رسول خداؐ نے وہ حصہ حضرت کا اس فقیر کو دے دیا اور فرمایا کہ اے علی رضی اللہ عنہ بدرستیکہ مجھے خدا نے کیا ہے سبقت کرنے والا خیرات کے اور بخشش کرنے والا ہے ساتھ مال اپنے کے تو اے علی رضی اللہ عنہ تو یعسوب اور بادشاہ مومنوں کا ہے اور ظالم وہ شخص ہے کہ جو تجھ پر حسد کرے اور تجھ پر بیشی اور تقدیم ڈھونڈے اور تجھ پر زیادتی لے جائے اور تیرے حق کو منع کرے بعد میرے۔

اور بھی جابر سے اور اس نے حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایکدن جناب اقدس نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے تھے اور اصحاب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد جمع تھے کہ اتنے میں جناب امیرالمومنین تشریف لائے اور جامہ کہنہ پارہ پارہ پہنے ہوئے تھے کہ اکثر جگہ سے بدن مبارک نمایاں تھا۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف نظر رافت و شفقت فرماکر آیہ یوثرون تلاوت فرمایا اور کہا کہ اے علی بدرستیکہ تو اس روز بزرگ اور سید اور امام اس جماعت کا ہے کہ جس کی شان میں یہ آیہ نازل ہوا۔ بعد اس کے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کے اے علی رضی اللہ عنہ وہ حلہ اور وہ کپڑے کہ میں نے تمہیں پہنائے تھے' وہ کہاں ہیں۔ عرض کی کہ یا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعض اصحاب آپ کے میرے پاس آئے اور اپنی بھوک کی اور اپنے عیال کی بھوک کی شکایت کی۔ میں نے ان کو اپنے پر ترجیح دی اور وہ کپڑے ان کو دے دیئے۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے علی رضی اللہ عنہ خدائے تعالےٰ نے تیرے واسطے بعوض اس جامہ کے حلہ سبز اس تبرق بہشت سے تیار اور مہیا کیا ہے کہ اطراف اس کے مرصع ہیں درویاقوت وزبرجد سے پس خوب عطا ہے عطائے پروردگار تیرے کی کہ بعوض تیری جواں مردی اور سخاوت کے اور تیرے صبر کرنے پر اوپر اس جامہ کہنہ کے عطا کی ہے۔ جناب امیر رضی اللہ عنہ یہ سن کر خوشحال و شاداں پھرے اور فرات بن ابراہیم رضی اللہ عنہ نے اپنی تفسیر میں حضرت صادق سے روایت کی ہے کہ آیہ مثل الذین ینفقون اموالھم ابتغاء مرضات اللہ شان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نازل ہوا ہے۔

اور بھی کتاب ارشاد القلوب وغیرہ کتب معتبرہ شیعہ میں مسطور ہے کہ ایک بار جناب حیدر کرار غیر فرار مکہ معظمہ زاد اللہ شرفہا کی زیارت کو تشریف لے گئے تھے۔ ایک اعرابی کو دیکھا دامن جامہ کعبہ کا پکڑے خداوند عالم سے چار ہزار درہم مانگتا ہے۔ جناب امیر رضی اللہ عنہ نے اس اعرابی سے پوچھا کہ تو اس قدر درہم کیا کرے گا اس نے کہا کہ تم کون ہو اور کیوں پوچھتے ہو۔ اس نے جناب سے فرمایا کہ میں علی بن ابی طالب ہوں یہ سن کر اس نے کہا کہ

انت واللہ حاجتی یعنی بخدا کہ تم ہی حاجت میری ہو۔ یا حضرت چار حاجتیں میری ہیں ان کے واسطے چار ہزار درہم مانگتا ہوں۔ ایک تو ہزار درہم مہرزوجہ کا میرے ذمہ پر ہے اس کو ادا کرنا چاہتا ہوں۔ دوسرے ایک مکان اپنے رہنے کے واسطے۔ ہزار درہم مجھ پر قرض ہیں' ان کو ادا کرنا چاہتا ہوں باقی رہے ہزار درہم ان میں باقی زندگی بسر کرنا چاہتا ہوں۔ اس واسطے چار ہزار درہم طلب کرتا ہوں۔ حضرت نے یہ سن کر فرمایا کہ انصفت یا اعرابی اذا خرجت من مکتہ فاسئل من داری بمدینتہ الرسول۔ یعنی بہت انصاف کیا تو نے اور کچھ زیادہ طلبی نہیں کی۔ اے اعرابی جب تو مکہ سے مراجعت کرے تو مدینہ رسول میں آن کر میرا گھر پوچھ لینا۔ الحاصل اعرابی بعد ایک ہفتہ کے مدینہ منورہ میں آیا اور بازار میں کھڑا ہو کر پکارا کہ آیا کوئی شخص ایسا ہے جو مجھے گھر علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کا بتادے اتفاقاً حسنین رضی اللہ عنہ تشریف لاتے تھے۔ اعرابی کی آواز سن کر ارشاد کیا کہ آ تو ہمارے ساتھ ہم تجھے اس جناب کے گھر لے چلیں۔ اس مرد عرب نے ان کی طرف دیکھ کر کہا کہ تم کون ہو اور کیا حسب و نسب رکھتے ہو۔ فرمایا کہ ہم نواسے ہیں رسول صلی اللہ علیہ وسلم مقبول کے فرزند ہیں اس امیر کے کہ جس کا تو گھر پوچھتا ہے پس جب اعرابی نے یہ جانا کہ یہ دونوں گوہر شاہوار بحرین نبوت و امامت ہیں تو ان کے ساتھ مولائے کونین کے گھر آیا اور دونوں شاہزادوں سے عرض کی کہ آپ خدمت فیض و راحت امیر عرب میں جاکر میری طرف سے عرض کریں کہ جس اعرابی سے آپ نے وعدہ کیا تھا وہ در دولت پر حاضر ہے۔ غرض وہ جناب یہ سن کر باہر تشریف لائے اور سلمان سے ارشاد کیا کہ وہ باغ کہ جس کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے واسطے لگایا تھا خریداروں پر عرض کرو۔ پس سلمان حسب الحکم قضا جریان بارہ ہزار درہم اس باغ کو بیچ کر لائے۔ جناب امیر رضی اللہ عنہ نے ان میں سے چار ہزار درہم اس عرب کو دیئے۔ مساکین اور محتاجین عرب کو جو یہ خبر پہنچی کہ اس جناب نے اپنا باغ بیچا ہے ہر طرف سے دوڑے اور اس جناب کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ اس ابر کرم اور دریائے سخا نے ایک ایک مشت زر سب کو دینی شروع کی تا ایں کہ باقی سب درہم ان پر تقسیم کر دیئے اور کچھ باقی نہ رکھا۔ بعد تقسیم جب دولت سرا میں تشریف لائے تو جناب معصومہ سیدۃ النساء فاطمہ زہرا نے پوچھا کہ میں نے سنا ہے کہ تم نے اپنا باغ بیچا فرمایا کہ ہاں بیچا اس چیز کے ساتھ کہ جو دنیا اور مافیہا سے بہتر ہے۔ جناب سیدہ نے حق میں جناب امیر کے دعا خیر کی اور کہا کہ میں اور دونوں فرزند میرے گرسنہ ہیں اور اس میں شک نہیں کہ تم بھی مثل

ہمارے فاقہ سے ہو یہ سن کر وہ جناب گھر سے باہر تشریف لائے تاکہ کسی سے کچھ قرض لے کر اپنے عیال کی فاقہ شکنی کرائیں۔ اس اثناء میں جناب رسالت ماب ﷺ خانہ ملائک کاشانہ جناب فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا میں تشریف لائے اور پوچھا کہ پسر عم میرا کہاں ہے۔ عرض کی کہ ابھی باہر تشریف لے گئے ہیں۔ جناب رسول ﷺ نے سات درہم جناب معصومہ رضی اللہ عنہا کو دیئے اور فرمایا یہ میرے ابن عم کو دینا کہ تمہارے واسطے تدبیر کھانے کی کر دیں گے۔ یہ فرما کر تشریف لے گئے کہ جناب امیر رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور کہا کہ شاید میرے ابن عم تشریف لائے کہ بوئے خوش میرے مشام میں آئی ہے۔ جناب معصومہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ ہاں اور وہ درہم حضرت کو دیئے اور بموجب فرمانے رسول ﷺ خدا عرض کیا۔ جناب امیر رضی اللہ عنہ نے اپنے فرزند حسن رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ آؤ میرے ساتھ۔ جب بازار میں آئے تو ایک شخص کو دیکھا کہ وہ کہتا ہے کہ من یقرض الوفی الملی۔ یعنی کون شخص ہے کہ قرض دے خدائے وفا کنندہ کو کہ خزانہ امکان اس کا مال و نعمت سے بھرا ہوا ہے یعنی جو کوئی کہ مجھ کو دے گا ایسا ہے کہ گویا خدائے تعالیٰ کو اس نے قرض دیا اور سب عوض اس کا پائے گا۔ جناب امیر رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر امام حسن رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ یابنی تعطیہ الدراہم۔ یعنی اے فرزند عزیز یہ درہم اس کو دے دیں۔ امام حسن نے کہا بہتر اے پدر بزرگوار۔ پس اس جناب نے وہ درہم اس کو دے دیئے اور ارادہ کیا ایک شخص کے پاس جا کر کچھ قرض لیں۔ راہ میں ایک اعرابی سے ملاقات ہوئی کہ اس کے پاس ایک ناقہ تھا۔ اس نے کہا کہ یا حضرت اس ناقہ کو آپ خریدتے ہیں۔ فرمایا لیس معی ثمنھا۔ یعنی میرے پاس اس کی قیمت نہیں ہے۔ اس نے عرض کی کہ آپ قرض لے لیں۔ جب آپ کے پاس ہو گا۔ عنایت کر دیجئے گا۔ حضرت رضی اللہ عنہ نے فرمایا کتنے کو دے گا۔ عرض کی سو درہم کو۔ فرمایا کہ اے حسن رضی اللہ عنہ اس ناقہ کو لے لو۔ جب آگے تشریف لے گئے تو ایک اور اعرابی ملا۔ اس نے عرض کی کہ اے علی رضی اللہ عنہ اس کو بیچتے ہو۔ فرمایا ہاں۔ مگر تو اس کو لے کر کیا کرے گا۔ عرض کی کہ اس پر سوار ہو کر تمہارے ابن عم کے ہمراہ کفار کے خلاف جہاد کروں گا۔ فرمایا کہ اگر تو قبول کرے تو میں تجھے بلا قیمت ہی دے دوں اور بخش دوں۔ اس نے عرض کی کہ ایک سو ستر درہم اس کی قیمت نذر کرتا ہوں فرمایا۔ اے حسن رضی اللہ عنہ درہم اس سے لے کر ناقہ اس کو دے دو اور چلو کہ اس اعرابی کو ڈھونڈ کر اس کے درہم اس کو دے دیں۔ پس اس کی تلاش میں چلے۔ جناب رسول خدا ﷺ کو ایک جگہ کھڑے دیکھا کہ پہلے اس سے اس جگہ اس جناب کو کبھی نہ دیکھا تھا۔

اس جناب نے دیکھ کر تبسم کیا اور کہا کہ اے ابو الحسن ؑ اس اعرابی کو ڈھونڈتے ہو کہ جس نے تمہارے ہاتھ ناقہ بیچا تھا۔ عرض کی کہ ہاں یا رسول اللہ حضرت نے فرمایا کہ اے ابوالحسن ؑ وہ نوع بشر سے نہ تھا بلکہ وہ جبرئیل تھا۔ جس نے تمہارے ہاتھ ناقہ بیچا اور وہ میکائیل تھا۔ جس نے تم سے خریدا اور وہ ناقہ ناقہ ہائے بہشت سے تھا اور وہ درہم خداوند عالم کے نزدیک سے تھے اور یہ اشارہ ہے اس عبارت کی طرف کہ جو سائل نے کہا تھا کہ من یقرض الوفی الملی انتھی پس اب اس روایت اور ارشاد القلوب کو ملاحظہ کرنا چاہیے کہ کیسی فضیلت پر اس جناب کے دلالت کرتی ہے۔ اس واسطے کہ خدا کی راہ میں دینا وہ امر ہے کہ جس کے حسن پر عقل و نقل دونوں متفق ہیں اور سورہ ہل اتی اس مدعا پر گواہ صادق ہے اور آیات واحادیث بھی مدح میں اس صفت حسنہ کے اس قدر وارد ہیں کہ احصا ان کا ممکن نہیں اور نہ کوئی اہل اسلام ان کا انکار کر سکتا ہے۔

اور بھی منقول ہے کہ ایک مشرک نے عین حرب اور گرمی کارزار میں اس بحر جودوسخا سے شمشیر مانگی اس جناب نے اپنی تلوار اس کافر غدار کے آگے پھینک دی وہ متحیر ہو کر بولا کہ اے صاحب ذوالفقار ایسی گرمی ہنگامہ اور وقت کارزار میں تم نے اپنی تلوار مجھ کو دے دی۔ آج تک کسی نے ایسے وقت میں یہ جرات نہیں کی' جو تم نے کی۔ آپ نے فرمایا کہ جب کہ تو نے تلوار مانگی تو میرے کرم سے بہت بعید تھا کہ میں تیرے سوال کو رد کرتا اور پورا نہ کرتا۔ مشرک نے جو یہ حال آپ کی سخاوت کا دیکھا تو دوڑ کر قدم اقدس پر گر پڑا اور اسلام قبول کیا اور ہمیشہ آپ کے ہمراہ رہا۔

اور بھی منقول ہے کہ بموقع ایک سفر اثناء راہ میں ایک فقیر نے اس بادشاہ دین و دنیا سے ایک روٹی مانگی آپ نے قنبر سے ارشاد کیا کہ اس کو روٹی دے دو۔ قنبر نے عرض کی کہ روٹیاں دستر خوان میں بند ہیں۔ فرمایا کہ مع دستر خوان اس کو دے دو۔ عرض کی کہ دستر خوان اونٹ پر بندھا ہے فرمایا کہ مع اونٹ دے دے۔ عرض کی کہ وہ اونٹ قطار میں بندھا چلا جاتا ہے۔ فرمایا کہ ساری قطار ہی فقیر کو دے دے۔ قنبر یہ سن کر اونٹ پر سے کود کر قطار سے دور جا کھڑا ہوا۔ فقیر نے مہار اس قطار کی پکڑ لی۔ جناب امیر نے قنبر سے پوچھا کہ تو ایسا گھبرایا۔ قنبر نے عرض کی کہ یا حضرت مجھے خوف ہوا کہ مبادا دریائے کرم جوش میں آئے اور آپ مجھے بھی قطار کے ساتھ فقیر کو بخش دیں۔

مرتب

ریاض احمد

اکرم آرکیڈ، ۲۹۰ ٹیمپل روڈ (مغلاں والا چوک) لاہور۔ پاکستان فون: ۷۲۳۸۰۱۳